كشف الحجاب عن وجوه اہل تبلیغی نصاب

تبلیغی جماعت کے اصل چہرے کو بے نقاب کردینے والی ایک تحقیق

یعنی

تبلیغی جماعت

عقائد، افکار، نظریات اور مقاصد

کے آئینہ میں

از قلم:

ابوالوفاء محمد طارق خان

معلومات و رابطہ:

http://www.ahya.org

mtak32@yahoo.com

از افادات:

مولانا عطاء اللہ ڈیروی

نظم و ترتیب

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ وکفیٰ و سلام علی عبادہ الذی اصطفیٰ امابعد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین اسلام کواس کائنات میں رہنے اور بسنے والے تمام جنوں اورانسانوں کے لئے اپنی آخری اورکامل ہدایت بنا کر بھیجا جواب قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے واحد راہ نجات ہے اس لئے اس دین کی حفاظت کی ذمے داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی لی ہے فرمایا:

﴿ انانحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ﴾

یعنی ہم نے اس ذکر کونازل کیااور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں بعض لوگ یہاں ذکر سے مراد قرآن لیتے ہیں لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سے مراد صرف قرآن نہیں بلکہ مکمل دین اور شریعت ہے یعنی قیامت تک یہ دین کسی نہ کسی گروہ یا جماعت کے پاس اپنی اصل شکل میں ضرور موجود رہے گا اور دشمنان اسلام اس دین کو مٹانے یا اس میں اس طرح تحریف کرنے میں ہمیشہ ناکام رہیں گے کہ دین اسلام کی اصل شکل ہی بگڑ جائے جس سے بعد میں آنے والے لوگوں کو یہ معلوم ہی نہ ہوسکے کہ اسلام کی اصل بنیادی تعلیمات کیا تھیں۔

اب یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ قیامت تک ایک گروہ حق پر قائم رہے گا تمام جماعتوں اور گروہوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنی جماعت کوحق پر ثابت کریں اور حدیث میں آنے والی اس بشارت کو اپنے اوپر چسپاں کریں حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اپنی جماعت اور اسکے طریقہ کار کا جائزہ لیا جاتا اور جوخلاف شریعت اور طریق صحابہ کرام سے ہٹ کر بدعاتی امور جماعت میں شامل ہوں ان کا سد باب کیا جاتا تا کہ ہر جماعت اس بشارت کے قریب سے قریب تر آسکے اوراس کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ جولوگ جماعت پر اعتراض کریں ان کے اعتراضات اگر بادلیل ہیں توان پر ضرور کان دھرے جائیں تا کہ صراط مستقیم کی راہ اپنائی جائے مگر ہوتا یہ ہے کہ اکثر جماعتوں کے قائدین اپنے ذاتی مفادات کی خاطر کسی اعترض کو درخوراعتناء سمجھتے ہی نہیں اوراگر کسی سبب کسی اعتراض کا جواب دینا ہی پڑجائے تو قرآن و حدیث کی معنوی اور کبھی کبھی لفظی تحریف کر کے بھی معترضین کا منہ بند کرنے کی سعی کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ "خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں" بہرکیف یہ محض ہماری ایک خواہش ہے کہ تمام جماعتیں اگراس طرح سوچنا شروع کردیتیں تو بہت سے مسائل از خود حل ہوجاتے مگر فی الحال اسے ایک خواب ہی کہا جاسکتا ہے اسلئے اس تلخ حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہاں اپنی تحریر میں حتی المقدور فریق ثانی کی دل شکنی سے بچتے ہوئے اپنی تحقیق کوایک عام قاری تک خلوص دل اور خلوص نیت کے ساتھ پہنچانا چاہتے ہیں تا کہ وہ لوگ جو حق کی تلاش میں ہیں انکے لئے ایسے خطوط مہیا ہوجائیں جن پر چل کروہ صراط مستقیم کوحاصل کرسکیں۔

تبلیغی جماعت کے لائحہ عمل اوران کے نصاب کے حوالے سے لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے جس پر تبلیغی جماعت کے کرتا دھرتا اورارباب اختیارات نے کبھی کان نہیں دھرے اوراپنی سابقہ روش کو جوں کا توں قائم رکھا ہے لہذا ہم انکے طریقہ کار اور تبلیغی نصاب میں پائی جانے والی غلطیوں پر مذید کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں اور خاص طور پر تبلیغی جماعت کے اکابرین کے عقائد کے متعلق ابھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش باقی ہے اسلئے ہم اپنی اس کاوش میں تبلیغی نصاب میں تحریر شدہ واقعات واقوال کے حوالے سے یہ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ اسلام کے بنیادی عقائد کے ضمن میں تبلیغی جماعت کا کیا نقطہ نظر ہے اور تبلیغی جماعت کی تاسیس کا اصل محرک کیا

ہے لیکن تبلیغی نصاب کے نام سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس کتاب کی بات کر رہے ہیں جو کچھ عرصہ قبل تبلیغی جماعت میں پڑھی جاتی تھی کیونکہ اب جو کتاب تبلیغی جماعت کے متعلقین کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اسکا نام فضائل اعمال ہے پس معلوم ہونا چاہیے کہ فضائل اعمال تبلیغی نصاب ہی کا بدلا ہوا نام ہے جس کو تبلیغی جماعت کے بزرگوں کے حکم سے تبدیل کیا گیا ہے جس میں حکایت صحابہ، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل قرآن، فضائل رمضان اور مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج نامی رسالے جوں کے توں شامل ہیں جو اس سے قبل تبلیغی نصاب میں شامل تھے البتہ دو رسالے فضائل صدقات اور فضائل حج اب فضائل اعمال میں شامل نہیں ہیں کیونکہ ان رسائل کی تعلیم تبلیغی جماعت کے لوگ اب عوامی مجالس میں نہیں دیتے لیکن اپنی خصوصی نشستوں میں ان رسائل کی تعلیم اب بھی دی جاتی ہے تبلیغی نصاب کی اس تبدیلی نام کا اشتہار قارئین کرام اگر چاہیں تو ادارۂ اشاعت دینیات، حضرت نظام الدین نئی دہلی کی جانب سے شائع ہونے والی کتاب ''مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت'' کی پشت پر دیکھ سکتے ہیں پس ہمارے نزدیک چونکہ تبلیغی نصاب کا لفظ ان تمام رسائل کے لئے جامع ہے اسلیئے ہم اپنی اس کاوش میں ہر جگہ فضائل اعمال کے بجائے تبلیغی نصاب کا نام ہی استعمال کریں گے، اس کاوش میں تبلیغی جماعت کے بنیاد رکھنے والے قائدین کے ان کی اپنی تصانیف کے حوالے سے جو عقائد تھے ان کا جائزہ لیا جائیگا چونکہ عقائد دین اسلام کا اصل الاصول ہیں اور باقی امور انکے تابع ہیں چنانچہ جس شخص یا جماعت کے عقائد درست نہ ہوں اسکا کوئی بھی عمل خواہ وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو ہرگز قابل قبول نہیں ہے نیز قبولیت عمل کی ایک شرط اتباع سنت بھی ہے یعنی کوئی بھی عمل بظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر وہ سنت کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں ہے آج تبلیغی جماعت کا دعویٰ ہے کہ انکی جماعت انبیاء کرام کے طریقہ پر ہے چونکہ انبیاء کرام کی بعثت کا بنیادی مقصد صحیح دین کو لوگوں تک پہنچانا تھا اس لئے تبلیغی جماعت جو کام کر رہی ہے وہ درحقیقت انبیاء کرام کی سنت ہے یہی وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے ارکان اپنی اس تمام دوڑ دھوپ اور چلوں کو ہجرت اور جہاد سے مساوی بلکہ اس سے بھی افضل قرار دیتے ہیں لہذا اپنی اس کاوش میں ہم اس امر کا بھی جائزہ لیں گے کہ انبیاء کرام کا طریقہ تبلیغ کیا تھا؟ اور تبلیغی جماعت کا طریقہ ان سے کس قدر مماثل یا مختلف ہے اور انبیاء کرام کا نصاب تبلیغ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس چیز کو مقرر کیا تھا؟

کسی شخص یا جماعت پر تنقید کرنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے تنقید کا حق ادا کرنا کیونکہ تنقید برائے تنقید ایک لاحاصل شئے ہے لہذا ہماری کوشش ہوگی کہ تنقید کا حق ادا کرتے ہوئے تنقید برائے اصلاح کی راہ اختیار کریں اور اندازِ تحریر میں حسن اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں مگر اسکے باوجود بھی اگر قارئین کرام کسی جگہ محسوس کریں کہ ہم نے لفظوں کے استعمال میں احتیاط سے کام نہیں لیا تو اسے ہماری بشری کمزوری پر محمول کرتے ہوئے درگذر فرمائیں پس اپنی اس کاوش کو اس امید پر آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ:

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

والسلام

ابوالوفاء محمد طارق عادل خان

مقدمۃ الکتاب

الحمدللّٰہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! نبی کریم ﷺ نے ایک روزصحابہ کرام کوایک طویل وبلیغ خطبہ دیااسکاذکرکرنے والے صحابی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس خطبہ سے ہماری آنکھیں بہ پڑیں اوردل دہشت زدہ ہوگئے اس خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایاجوشخص میرے بعدزندہ رہے گاوہ بہت بڑا اختلاف دیکھے گا،آپ ﷺ نے فرمایااس اختلاف کے وقت تم میری اورمیرے صحابہ کرام جوخلفاءراشدین ہونگے کی اتباع کرنااورمیری سنت کودانتوں سے مضبوط پکڑلینااس حدیث کوروایت کیااحمد،ابوداؤد،ترمذی اورابن ماجہ نے اورمشکوۃ کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے تحت اس حدیث کونقل کیاگیاہےاورآپ ﷺ کی یہ حدیث بھی ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگاباقی سب جہنمی ہونگے اس حدیث کوروایت کیاترمذی نے اورمشکواۃ کے کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے تحت اس حدیث کوبھی لایاگیاہےاس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کی امت کے تمام فرقے حق پرنہیں ہونگے بلکہ تہترمیں سے صرف ایک فرقہ حق پرہوگااوروہ فرقہ وہی ہوگاجونبی کریم ﷺ اورآپ کے خلفاءراشدین صحابہ کی سنت پرعمل پیراہوگااورنبی کریم ﷺ اورصحابہ کرام کے اقوال وآثارکوحدیث کہاجاتاہےاس لئے اصولی طورپراس فرقہ وجماعت کانام بھی آپ ﷺ اورصحابہ کرام کی حدیث کی جانب منسوب ہوناچاہیےاوربفضل اللہ تعالیٰ یہ جماعت ہردور اورہرزمانے میں رہی ہے،عربی زبان میں اسکواصحاب الحدیث اوراردوزبان میں یہ جماعت اہل حدیث کے نام سے معروف ہےاوراسی جماعت کواہل سنت بھی کہا جاتاہے کیونکہ سنت اورحدیث دونوں ہم معنی لفظ ہیں اس لئے جوشخص بھی اہل حدیث ہوگاوہی اہل سنت بھی ہوگاشیخ عبدالقادرجیلانی رحمہ اللہ المتوفی ۵۶۱ھ ہجری غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۳۲ پرلکھتے ہیں کہ:

﴿ اہل بدعت کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل الاثر یعنی اہل حدیث کے حق میں طعن وتشنیع کرتے ہیں اور اہل سنت کاایک ہی نام ہےاصحاب الحدیث یعنی اہل حدیث ﴾

اورایک حدیث میں آتاہے کہ:

﴿ معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایامیری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پرقائم رہے گی جس کی ہرزمانے اورہردورمیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے مددجاری رہے گی دشمنوں کی جانب سے کوئی انھیں کچھ نقصان نہیں پہنچاسکے گایہ جماعت قیامت تک قائم رہے گی اس حدیث کوامام

ترمذیؒ نے روایت کیا اور حسن صحیح کہا ہے ملاحظہ فرمائیے مرقاۃ ص۲۶۲ ج ۱۰ ﴾

اس حدیث کے آخر میں امام بخاریؒ کے استاد علی بن مدینیؒ کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

﴿ قال ابن المدینی ہم اصحاب الحدیث یعنی کہا ابن المدینی نے یہ جماعت وفرقہ اہل حدیث ہی ہے ﴾

اور امام خطیب بغدادیؒ نے مشہور محدث یزید بن ہارونؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

﴿ اگر یہ ناجی فرقہ اصحاب الحدیث اہل حدیث کا نہیں تو میں نہیں جانتا یہ کون سا فرقہ ہے ﴾

مطلب یہ ہے کہ تہتر فرقوں میں سے ناجی فرقہ اہل حدیث ہی ہے دوسرا کوئی فرقہ نہیں ہوسکتا اور مشہور محدث عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا کہ:

﴿ میری نظر میں یہ فرقہ اصحاب الحدیث یعنی اہل حدیث ہی ہے ﴾

ان تمام آثار سے معلوم ہوا کہ اس امت کا ناجی فرقہ صرف ایک ہی ہے اور وہ اہل حدیث ہے اور اہل حدیث کے علاوہ دیگر تمام جماعتیں اور فرقے حق پر نہیں ہوسکتے لیکن اس سے کسی کو یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ محض اہل حدیث نام رکھ لینے سے کوئی جماعت یا شخص ناجی فرقہ میں شامل ہوجائے گا اور جنت کا ٹھیکدار بن جائیگا بلکہ حقیقت میں اہل حدیث صرف وہی ہے جو قرآن وحدیث کے حکم کو ہر شخص کے قول پر عملی طور پر بالا رکھتا ہو اور کسی بھی علامہ کی بات کو قرآن وحدیث کے مقابلے میں حجت نہ سمجھتا ہو اور اپنے کسی عالم کی بات کو راجح کرنے کے لئے قرآن وحدیث کی کوئی تاویل نہ کرتا ہو جماعت اہل حدیث کے علاوہ جو دیگر متعدد فرقے اس وقت پائے جاتے ہیں ان ہی فرقوں اور جماعتوں میں سے ایک حنفی فرقہ بھی ہے یہ فرقہ پاک وہند میں دو جماعتوں میں منقسم ہے ایک بریلوی دوسرے دیوبندی، یہ دونوں جماعتیں عقیدے میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر نہیں بلکہ ابومنصور ماتریدی کے مذہب پر ہیں اور ابومنصور ماتریدی کا عقیدہ سلف صالحین کے خلاف ہے اور دیوبندی جماعت کے افراد پر مشتمل ایک جماعت بنام تبلیغی جماعت قائم ہوئی ہے، اس جماعت کا عقیدہ وعمل تبلیغی نصاب وفضائل اعمال مولفہ مولوی زکریا صاحب کاندھلوی پر ہے مگر تبلیغی جماعت اکثر اوقات یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس تبلیغی جماعت میں صرف حنفی مسلک سے تعلق رکھنے والے افراد شامل نہیں بلکہ اہل حدیث اور شافعی بھی شامل ہیں اور یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے مگر اسکا اصل سبب یہ ہے کہ تبلیغی جماعت میں جو لوگ اہل حدیث ہونے کے باوجود شامل ہیں وہ اکثر اوقات جدی پشتی اہل حدیث ہونے کے باعث یا تو عقائد کے متعلق وسیع علم نہیں رکھتے یا تبلیغی جماعت کے اصل عقائد اور اہداف ومقاصد سے اپنی مادری زبان عربی ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر لاعلم ہوتے ہیں اور محض اس جماعت کی ظاہری چلت پھرت اور کارکنان کے اس جماعت کے لئے ایثار وقربانی سے متاثر ہوکر اس جماعت میں شامل ہوجاتے ہیں پس معلوم ہونا چاہیے کہ اس کتاب میں مذکور تمام بحث سے پاک وہند کی تبلیغی جماعت مراد ہے اور اس میں قطعاً وہ لوگ شامل نہیں جو اپنی نشستوں میں احادیث پر مشتمل کتاب ریاض الصالحین پڑھتے ہیں ایسے لوگوں میں اکثر اوقات صحیح العقیدہ لوگ شامل ہیں جو محض اپنے نفس کی اصلاح کے لئے اپنے گھروں سے خروج کرتے ہیں، چونکہ ان کا پاک وہند کی تبلیغی جماعت کے منہج اور ان کے نصاب تعلیم کے کوئی تعلق نہیں ہوتا چناچہ یہ اس کتاب کے مندرجات سے قطعی طور پر مستثنیٰ ہیں۔

بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ جب کسی جماعت پر کوئی اعتراض کیا جائے یا نقائص کی نشان دہی کی جائے تو اس جماعت کی جانب

سے یا تو اسکی تاویل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر جوابی کاروائی کرتے ہوئے معترض کے مذہب اور جماعت کو نشانہ بنایا جاتا ہے اور اسکے اکابرین کے اقوال کے ذریعہ اپنے مؤقف کی تائید کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس لئے ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ صرف اور صرف قرآن وسنت ہی ہمارے لئے حجت ہے اور کسی بھی عالم یا مفتی کا قول اور فتویٰ خواہ وہ جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتا ہو یا کسی دوسری جماعت سے ہمارے لئے حجت نہیں ہے اسلئے کوئی بھی شخص یا جماعت ہمارے کسی عالم کا قول یا فتویٰ ہمارے خلاف یا اپنے حق میں شائع کرنے کی سعی لاحاصل نہ کرے جو بدعتی صوفیاً کی تائید میں ہو، ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے علماء بھی انسان اور بشر ہیں اور ان سے بھی اسی طرح غلطیاں ہوتی ہیں جس طرح دوسرے علماء سے ہوتی ہیں لیکن ہمارے اور غیروں کے درمیان یہی فرق ہے کہ ''وہ اہل تقلید ہونے کے باعث اپنے علماء اور مفتیوں کے فتووں کے پابند ہیں اور ہم غیر مقلد ہونے کی وجہ سے اپنے یا کسی دوسرے عالم کے کسی غلط فتویٰ کے ہرگز پابند نہیں ہیں بلکہ ہمارے لئے قرآن وحدیث حجت ہے'' پس کسی کو بھی اگر ہمارے خلاف یا اپنے حق میں ہمارے سامنے پیش کرنے کے لئے کوئی بھی دلیل لانی ہے تو قرآن وحدیث سے لائے ہم بخوشی اپنے سابق قول سے رجوع کرلیں گے اور متنبہ کرنے والے کے ممنون احسان رہیں گے۔

تبلیغی جماعت کے مؤسس مولانا الیاس تھے اور اس جماعت کا نصاب تعلیم مولانا زکریا صاحب نے مرتب کیا ہے جس کا نام تبلیغی نصاب تھا مگر اب اس جماعت نے اسکا نام بدل کر فضائل اعمال رکھدیا ہے اس جماعت کا یہ نصاب کفر وشرک کی باتوں سے بھرا پڑا ہے یہ جماعت ایک خالص صوفی جماعت ہے اور اس جماعت کا منہج ابن عربی الصوفی اور حلاج اور اس جیسے ملحدوں کا منہج ہے یہ جماعت دنیا کے ملکوں میں جا کر دین کی تبلیغ کرتی ہے جبکہ اس میں کوئی عالم اور فقیہ شامل نہیں ہوتا یہ جماعت اپنے ساتھیوں کو خصوصی مجالس میں اور عام لوگوں کو جلسہ عام میں اسی نصاب کو پڑھ کر سناتی ہے گویا کہ اس جماعت کی تبلیغ قرآن سنت کے بجائے اسی کتاب کی تبلیغ ہے، اس نصاب کو اسکے مؤلف نے بالکل صوفیاً کے طریقہ پر لکھا ہے یعنی جو صوفیاً کا دین ومذہب ہے یہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے لہذا اس کتاب کو دین سمجھ کر پڑھنے والا شخص قطعی طور پر موحد نہیں رہ سکتا، علمائے اہل سنت سے اس جماعت کے بارے دریافت کیا گیا تو جو علماء اس جماعت کے اصل منہج سے واقف تھے انھوں نے بیک زبان اس جماعت کو اہل بدعت قرار دیا لیکن چونکہ علمائے عرب اس جماعت کے نصاب تعلیم وتبلیغ سے ناواقف تھے اسلئے ان لوگوں نے کچھ فتوے علمائے عرب سے اپنی تائید میں حاصل کرلئے انہیں علماء میں مفتی اعظم سعودیہ عربیہ جناب عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ بھی شامل ہیں چونکہ تمام عرب ممالک میں ان کا فتویٰ قابل تسلیم سمجھا جاتا ہے اور عجم کے ملکوں میں جماعت اہل حدیث کے نزدیک ان کا فتویٰ قابل اعتبار گردانا جاتا ہے اسلئے تبلیغی جماعت کے اکابرین نے اپنی جماعت کی دعوت کو سچا ثابت کرنے کے لئے ان مفتی اعظم شیخ عبداللہ بن بازؒ کے فتاویٰ شائع کئے ہیں اس میں شیخ مذکور نے جماعت تبلیغ کی دعوت ومنہج کو سلف صالحین کی دعوت ومنہج قرار دیا ہے ایک فتویٰ میں شیخ نے کہا کہ جماعت تبلیغ عقیدہ توحید اور اتباع سنت کی ترویج اور ردشرک وبدعت کے مشن پر کام کررہی ہے اور شیخ نے یہ بھی کہا کہ اس جماعت کے پہلے علماء کے عقائد درست نہیں تھے لیکن موجودہ تبلیغی جماعت ان عقائد سے پاک اور صاف ہے اور شیخ نے یہ بھی کہا کہ اس جماعت کی کتاب تبلیغی نصاب سلف صالحین کے عقائد سے ہٹ کر اہل بدعت کے اعمال وعقائد پر مشتمل تھی لیکن تبلیغی جماعت نے اب اس کتاب کو ترک کردیا ہے اور اسکے بدلے میں اس جماعت نے فضائل اعمال نام کی کتاب کو اپنا نصاب تبلیغ بنالیا ہے لہذا اس جماعت میں اب کوئی خرابی عقائد وعمل کی باقی نہیں ہے اس لئے اس جماعت کے ساتھ نکلنا اور انکے ساتھ مل کر کام کرنے

میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس جماعت کے ذریعے بے انتہاء گمراہ لوگ راہ راست پر آئے ہیں اور بہت لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں اس اعتبار سے یہ ایک مبارک جماعت ہے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ کے اس قسم کے فتاویٰ ایک کتاب بنام ''فتاویٰ و کلمات فی الموقف من الجماعات'' میں شامل کئے گئے ہیں ان فتووں کی جو تواریخ درج ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۲۷/۱/۱۴۰۷ہجری، ۱۵/۴/۱۴۰۷ہجری، ۳/۱۰/۱۴۰۳ہجری، ۱۱/۴/۱۴۰۸ہجری، اور ۱۵/۳/۱۳۹۹ہجری ان مذکورہ تواریخ سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ کے یہ فتاویٰ بہت پرانے ہیں اور شیخ علیہ رحمۃ اللہ نے یہ فتاویٰ ان لوگوں کی رپورٹ پر جاری کئے جن کو شیخ نے جماعت تبلیغ کے اجتماعات میں بغرض تحقیق بھیجا تھا، ان لوگوں نے جو رپورٹ لاکر دی شیخ نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے یہ تائیدی فتوے جاری کئے لیکن شیخ کو جو رپورٹیں دی گئیں انکے اندر کتنی صداقت ہے وہ ان فتاویٰ کی نقول سے صاف ظاہر ہے جو اس زیر نظر کتاب میں درج کی گئی ہیں مثلاً شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جماعت تبلیغ عقیدہ توحید کی نشر و اشاعت کے مشن پر گامزن ہے اس توحید سے شیخ کی کیا مراد ہے؟ اور عملی طور پر جماعت تبلیغ کے نصاب میں کون سی توحید کی کتاب شامل ہے؟ یہ سب جانتے ہیں کہ اس جماعت کے نصاب میں عقیدہ توحید پر مشتمل کوئی کتاب شامل نہیں ہے اور اگر شیخ کے اس بیان سے یہ مراد لی جائے کہ تبلیغی جماعت کی چھ باتوں میں کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی تعلیم بھی شامل ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ کلمہ توحید امت محمدیہ کے تمام فرقے پڑھتے ہیں جن میں قبروں کی عبادت کرنے والے، علی رضی اللہ عنہ کو الہ ماننے والے، اور مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان رکھنے والے سب ہی شامل ہیں یعنی محض کلمہ پڑھ لینے سے کوئی موحد نہیں بن جاتا جب تک کہ اسکا عقیدہ درست نہ ہو، صوفیأ کے نزدیک اس کلمہ کے پڑھنے والے تین قسم پر ہیں، عوام الناس کے نزدیک اس کا معنی ہے ''لا معبود الا اللہ'' اور درمیانی درجہ کے لوگوں کے لئے اسکا معنی ہے ''لا مقصود الا اللہ'' اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے اسکا معنی ہے ''لا موجود الا اللہ'' یعنی اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں ہے یہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا عکس اور سایہ ہے اسکا غیر نہیں ہے اس وضاحت کے بعد تبلیغی جماعت کے کلمہ پڑھنے اور پڑھانے سے ان کا موحد ہونا کہاں ثابت ہوتا ہے اور اگر اس کلمہ کے پڑھنے سے جماعت تبلیغ موحد ہے تو پھر جماعت تبلیغ کے لوگ شیعہ اور قادیانیوں کو بھی موحد مانتے ہوں گے کیونکہ وہ بھی یہی کلمہ پڑھتے ہیں اور معلوم ہونا چاہیے کہ اس جماعت کے بانی مولانا الیاس صاحب نے کہا ہے کہ اس جماعت کے قیام سے ان کا مقصد مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی تعلیمات کو عام کرنا ہے ملاحظہ فرمایئے ملفوظات مولانا الیاس، ملفوظ نمبر ۵۶ اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب حاجی امداد اللہ کی مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت تھے اور حاجی امداد اللہ صاحب وحدت الوجود کے قائل تھے اسی طرح بانی جماعت مولانا الیاس صاحب مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہاتھ پر بیعت تھے اور رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں حسین بن منصور حلاج کو ولی اللہ لکھا ہے حالانکہ حلاج اپنے آپ کو خدا کہتا تھا یعنی وہ بھی وحدت الوجود کا قائل تھا اور جماعت تبلیغ کی توحید اسکی کتاب تبلیغی نصاب میں شامل رسائل فضائل حج، فضائل صدقات، فضائل درود اور فضائل ذکر سے اظہر من الشمس ہے جس کے متعدد حوالہ جات زیر نظر کتاب میں درج کئے گئے ہیں اور خود شیخ ابن بازؒ نے اقرار کیا ہے کہ تبلیغی نصاب میں توحید کے منافی اقوال و احوال درج ہیں لیکن شیخ محترم کو بتایا گیا کہ جماعت تبلیغ اس کتاب کو چھوڑ کر فضائل اعمال کو اپنا چکی ہے اسکے متعلق ہمارا سوال ہے کہ جو لوگ تبلیغی نصاب پڑھتے پڑھتے اور اس پر عمل کرتے کرتے مر گئے وہ تبلیغی جماعت کے نزدیک موحد تھے یا مشرک ظاہر ہے کہ کوئی تبلیغی ان کے مشرک ہونے کا لفظ بھی زبان پر نہیں لاسکتا اور ہر تبلیغی ان کو صحیح عقیدہ پر مرا ہوا یقین کرتا ہے تو اس اعتبار سے تبلیغی نصاب تبلیغی جماعت کے نزدیک شرک سے بھری ہوئی کتاب نہ ہوئی بلکہ توحید پر مشتمل ثابت

ہوئی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تبلیغی جماعت کی جو کتابیں کل تھیں وہی آج بھی ہیں البتہ عرب ممالک میں ان کتابوں کو لانے سے تبلیغی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان پر مشرک ہونے کا فتویٰ نہ لگ جائے اس لئے ان لوگوں نے اپنی بعض کتابوں کو فی الحال اپنے ملکوں تک ہی محدود کردیا ہے اور فضائل اعمال جس کے بارے میں شیخ ابن بازؒ کو دھوکا دیتے ہوئے یہ کہا کہ یہ تبلیغی نصاب سے ہٹ کر مستقل طور پر دوسری کتاب ہے اس میں تبلیغی نصاب کا کوئی جزو یا حصہ شامل نہیں سفید جھوٹ ہے بلکہ فضائل اعمال تبلیغی نصاب ہی کا بدلا ہوا نام ہے اور پرانے تبلیغی نصاب میں وہ تمام رسالے شامل تھے جواب فضائل اعمال میں موجود ہیں یعنی یہ کوئی مستقل دوسری کتاب نہیں ہے اور شیخ ابن بازؒ سے یہ جھوٹ بھی بولا گیا کہ فضائل اعمال بدعتی کہانیوں اور شرکیہ تعلیمات سے پاک وصاف ہے حالانکہ اس کتاب کے رسالے فضائل تبلیغ میں ابن عربی الصوفی الملحد جس نے عقیدہ وحدت الوجود کو مسلمانوں میں عام کیا شیخ اکبر تحریر فرمایا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اسکی عظمت اور علم ومعرفت کا یقین بیٹھایا جاسکے اور اسکا کلام ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ:

﴿ شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تیرا کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہوتے تو تو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کرسکتا گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے لہذا تجھے کوئی ایسا شخص ملے جسکا احترام تیرے دل میں ہو تو اس کی خدمت گذاری کر اور اسکے سامنے مردہ بن کر رہ کہ وہ تجھ میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور تیری اپنی کوئی خواہش نہ رہے اسکے حکم کی تعمیل میں جلدی کر اور جس چیز سے روکے اس سے احتراز کر اگر پیشہ کرنے کا حکم کرے تو پیشہ کر مگر اس کے حکم سے نہ کہ اپنی رائے سے، بیٹھ جانے کو کہے تو بیٹھ جا لہذا ضروری ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں سعی کرتا کہ تیری ذات کو اللہ سے ملادے ﴾

یہ ہے صوفیت کی اصل روح جس کا ذکر فضائل تبلیغ میں جوں کا توں موجود ہے اسکے بعد بھی یہ کہنا کہ فضائل اعمال میں کوئی بات خلاف شرع موجود نہیں جاہل عوام اور اردو نہ جاننے والے علماء عرب کو دھوکا دینا نہیں تو اور کیا ہے نیز تبلیغی جماعت کا صرف یہی ایک بیان پوری جماعت کو لے ڈوبنے کے لئے کافی ہے اس بیان میں ایک زندہ اور جیتے جاگتے انسان کو اپنی باگ ڈور کسی صوفی کے ہاتھ میں تھما دینے کی ہدایت کی گئی ہے سوال یہ ہے کہ کسی صوفی کو یہ حق کس نے دیا کہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے بندوں کو اللہ کے حکم واطاعت میں دینے کے بجائے اپنے حکم اور تصرف میں لے ایسا حق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو بھی نہیں دیا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ ماكان لبشر ان يوتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لى من دون الله ولكن نواربانين ☆ آل عمران ۷۹ ﴾

یعنی'' کسی نبی کے لائق نہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکم اور نبوت عطاء کردے تو وہ لوگوں سے کہے اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ '' مگر تبلیغی نصاب میں اللہ کی مخلوق کو بندوں کی عبادت کرنے کے تعلیم دی گئی ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ پیر اگر مرید سے کام کرنے کے لئے کہے تو مرید کام کرے اور اگر کام سے روک دے اور بیٹھ جانے کو کہے تو مرید بیٹھ جائے اور فضائل اعمال میں حکایت صحابہ کے رسالے میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا عبداللہ بن زبیر اور مالک بن سنان نے خون پیا اس حکایت سے نبی کریم ﷺ کو مافوق البشر ذات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بدعتی صوفیوں کا عقیدہ ہے اس سے بھی بڑھکر یہ بھی لکھ دیا گیا کہ آپ ﷺ کے

فضلہ جات یعنی پاخانہ و پیشاب بھی پاک تھے یعنی نجس نہیں تھے اس بیان سے فضائل اعمال کے پڑھنے والے جاہل عوام کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی وہ شان بیٹھانے کی کوشش کی گئی ہے جو قرآن وسنت سے ثابت نہیں اس قسم کی باتیں پڑھنے والا انسان نبی کریم ﷺ کو بشر نہیں بلکہ نوری مخلوق تصور کرے گا اور یہ بات کسی عام مسلمان کے گمراہ ہونے کے لئے کافی ہے اور اسی فضائل اعمال میں یہ بھی موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی جگہ بیت اللہ الحرام اور عرش وکرسی سے بھی افضل ہے اس بیان کے پس منظر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے عرش وکرسی پر نہ ہونے کا جو عقیدہ کارفرما ہے اس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں یہ عقیدہ ائمہ سلف کے نزدیک کفر ہے جیسا کہ شرح عقیدہ طحاویہ والے نے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر تبلیغی نصاب میں کوئی اور بات کفر کی نہ بھی ہوتو یہی ایک بات کسی آدمی کے کافر ہوجانے کے لئے کافی ہے، شیخ ابن بازؒ نے کہا ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کے اندر عقیدہ کی خرابی تھی مگر موجودہ جماعت عقیدہ کی خرابی سے پاک ہے حالانکہ یہ فتویٰ بھی شیخ سے جھوٹ بول کر لیا گیا ہے کیونکہ شیخ سے کہا گیا بلکہ آج بھی یہی کہا جاتا ہے کہ موجودہ تبلیغی جماعت ان دیوبندی علماء مثلاً مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری وغیرہ سے عقیدہ کا کوئی تعلق نہیں رکھتی حالانکہ یہ بات قطعی جھوٹ ہے کیونکہ اسی فضائل اعمال میں ان علماء کا تذکرہ بڑے ادب و احترام سے کیا گیا ہے اور زکریا صاحب نے ان شخصیات کا اپنے اکابرین میں ہونا تسلیم کیا ہے اور انہی علماء دیوبند کے عقائد کی خرابی کا اظہار شیخ ابن بازؒ نے اپنے فتویٰ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ موجودہ تبلیغی جماعت کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ان ہی دیوبندی اکابرین میں ایک نام مولانا قاسم نانوتوی صاحب کا بھی ہے ان بزرگ کا عقیدہ تھا کہ نبی کریم ﷺ پر اس طرح وفات آئی ہی نہیں کہ آپ ﷺ کے بدن سے روح علیحدہ ہوگئی ہو اور مولانا قاسم نانوتوی کو فضائل اعمال میں حجۃ الاسلام اور قدس اللہ روحہ کہا گیا ہے اس میں سے حجۃ الاسلام کے معنی تو اکثر لوگ جانتے ہونگے مگر قدس اللہ روحہ کے معنی بہت کم لوگ جانتے ہیں دراصل قدس اللہ روحہ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بزرگ کی روح کو مقدس و پاکیزہ کردے یا کردیا ہے، دیوبندی وتبلیغی اپنے اکابرین کے لئے رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ اکثر و بیشتر استعمال نہیں کرتے جو کہ عام موتی کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ لفظ ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جنکے لئے مغفرت کی دعا کی جائے جبکہ ان بزرگوں کے لئے مغفرت کی دعا کا سوال ہی نہیں اس لئے ان کی ارواح کی قدوسیت کی دعائیں کی جاتی ہیں یہ خالص صوفیأ کی اصطلاح ہے جیسا کہ انبیاء کرام کے لئے رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ نہیں بولا جاتا اسی طرح ان بزرگوں کے لئے بھی رحمت کی دعا نہیں کی جاتی بلکہ ان حضرات کے عقیدہ کے مطابق رحمت تو انھیں حاصل ہوچکی اس لئے اب ان کی ارواح کیلئے تقدیس کی دعا کی جاتی ہے جیسا کہ تذکرۃ الرشید ص ۳۰۶ ج ۲ میں لکھا ہے کہ ''مولانا اشرف علی تھانوی نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کو رحمۃ اللہ علیہ کہا تو کسی نے کہا کہ رحمۃ اللہ علیہ نہیں بلکہ قدس سرہ یا قدس اللہ سرہ کہو'' اب خواہ قدس سرہ کہا جائے یا قدس اللہ سرہ کہا جائے دونوں کے لفظوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ انکے راز کی تقدیس کرے اور یہ راز کیا ہے جس کی تقدیس وتطہیر کی دعا کی جاتی ہے؟ شاید یہی وحدۃ الوجود کا راز ہے جس کو ان صوفی ملاؤں نے اپنے سینے میں عوام الناس سے چھپا کر رکھا ہے۔

فضائل اعمال میں کوئی خرابی نہ ہونے کا جھوٹ آخر کب تک علماء اہل سنت سے چھپا رہ سکتا تھا اہل علم ونظر نے اسکا خوب خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے اور اس میں سے شرک وبدعت کی گولیاں نکال کر لوگوں کے سامنے رکھدی ہیں اسکے باوجود فضائل اعمال کو بدعتی وخرافی کہانیوں اور شرکیہ تعلیمات سے پاک کتاب کہنا جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے اسی طرح کے جھوٹ بول بول کر ان بدعتی صوفیوں نے شیخ ابن بازؒ

جیسے موحد و متبع سنت مفتی اعظم سے تائیدی فتوے حاصل کئے ہیں اور اسی کتاب (فتاویٰ وکلمات فی الموقف عن الجماعات) میں ص ۱۹۱ پر شیخ ابن بازؒ کا یہ فتویٰ بھی درج ہے کہ ''اسلامی جماعتوں میں حق کے زیادہ قریب جماعت اہل حدیث اور جماعت انصار السنہ اور پھر اخوان المسلمین ہیں''، شیخ ابن بازؒ کا یہ فتویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ تبلیغی جماعت سے متعلق شیخ کو غلط معلومات فراہم کی گئیں وگرنہ جو لوگ تبلیغی جماعت کے عقائد کے بارے میں علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ تبلیغی جماعت اور اہل حدیث جماعت کے عقائد میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے کسی بھی صورت میں تبلیغی جماعت اور اہل حدیث جماعت دونوں کا بیک وقت حق پر ہونا ناممکن ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۰ پر شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ کا بھی ایک فتویٰ ہے جس میں لکھا ہے کہ ''جماعت تبلیغ میں خیر و بھلائی ہے اور اسکا لوگوں کی زندگیوں پر اثر بھی ہے مگر یہ جماعت علم حاصل کرنے میں کوئی شوق نہیں رکھتی اور اس جماعت کے بڑوں اور بزرگوں کے بارے میں مجھے جو اطلاعات ملی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ صحیح عقیدہ پر نہیں ہیں اگر یہ بات صحیح ثابت ہو جائے تو پھر ان لوگوں سے دور ہی رہنا چاہیے اور اپنے ملک میں صحیح دین کی تبلیغ جاری رکھنی چاہیے'' اور اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ تبلیغی جماعت میں شیخ ابن بازؒ نے جو لوگ تبلیغی جماعت کے منہج کی تحقیقات کے لئے بھیجے تھے وہ انکے اجلاس کو دیکھ کر واپس آگئے اور انھوں نے وہاں کوئی خلاف شرع بات نہیں دیکھی یہ بات یقیناً صحیح ہوگی کیونکہ اس جماعت کا حقیقی منہج کسی ایک جلسہ میں شرکت کرنے سے واضح نہیں ہوتا بلکہ اسکے لئے اس جماعت کے ساتھ خروج کرنے یا اس جماعت کے نصاب کا گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ اسی مقصد کے تحت یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے اور شیخ ابن بازؒ کے پرانے فتووں کو شائع کر کے اس جماعت کے اہل کار عوام الناس کو جو دھوکا دینا چاہتے ہیں اسکی قلعی کھولنے کے لئے علماء حق نے شیخ ابن بازؒ اور دیگر سعودی علماء کے جدید فتوے شائع کئے ہیں ان فتووں کا عربی متن اس کتاب کے آخر میں شامل کیا گیا ہے ان فتاوں پر مشتمل ایک رسالہ شیخ ربیع بن ہادی المدخلی نے ''اقوال علماء السنہ فی جماعۃ التبلیغ'' کے نام سے ترتیب دیا ہے اور اس میں شیخ ابن بازؒ، شیخ ناصر الدین البانیؒ، شیخ عبدالرزاق عفیفیؒ اور شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ وغیرہ کے جماعت تبلیغ کے بارے میں فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں اس رسالے کے مقدمہ میں شیخ ربیع بن ھادی المدخلی نے لکھا ہے کہ ''مجھے کچھ اوراق موصول ہوئے ہیں جن میں شیخ ابن بازؒ اور شیخ صالح عثیمینؒ کے فتاویٰ درج ہیں جو جماعت تبلیغ کی توثیق میں ہیں ان اوراق کو جماعت تبلیغ اپنی تائید میں شائع کرتی پھر رہی ہے جس سے ان کا مقصد عوام الناس کو دھوکا دینا اور اپنے باطل مذہب کو چھپانا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن بازؒ کا اس جماعت کے بارے میں فتویٰ اس طرح حاصل کیا گیا ہے کہ شیخ کو اس جماعت کے بارے میں غلط رپوٹ دی گئی اور صحیح صورت حال سے شیخ کو بے خبر رکھا گیا اور شیخ نے اس جماعت کی تحقیق کے لئے جو لوگ روانہ کئے وہ باطنی طور پر یا تو تبلیغی تھے یا ان سے ہمدردی رکھتے تھے اس بات کی تائید شیخ کے کلام سے صاف طور پر ہوتی ہے شیخ نے فرمایا کہ اس قسم کے اجلاسوں کی سخت ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دین اسلام کو اپنی زندگی پر منطبق کرنے کے طریقوں پر مشتمل ہو اور توحید باری تعالیٰ کی تعلیم اور شرک کے رد میں وہاں تقاریر کی جائیں اور عوام الناس کو صحیح دین سے روشناس کرایا جائے ظاہر ہے یہ سب باتیں تبلیغی جماعت کے اجلاسوں میں نہیں ہوتیں بلکہ ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا وہاں دنیا کے ممالک میں جماعتیں روانہ کرنے کا کام ہوتا ہے یا لمبی لمبی دعائیں ہوتی ہیں اور اس جماعت کی اصل پہچان اسکی نصاب کی کتابیں ہیں جو شخص ان کتابوں سے واقفیت نہیں رکھتا وہ اس جماعت کے اصل مقصد سے باخبر نہیں ہوسکتا، جماعت تبلیغ اور سلفیوں کے مابین جو حقیقی اہل سنت ہیں بڑا گہرا فرق پایا جاتا ہے، جماعت تبلیغ جو درحقیقت حنفی جماعت ہے اور حنفی جماعت ماتریدی جماعت ہے یہ جماعت سلف کے عقیدہ پر نہیں ہے'' شیخ ربیع کے اس

رسالے میں جوفتاویٰ شامل ہیں ان میں شیخ ابن بازؒ کا آخری فتویٰ مذکور ہے اس میں شیخ نے فرمایا کہ:

﴿ جماعت تبلیغ جس کا تعلق ہندوستان سے ہے بدعت اور شرک پر عمل پیرا ہے اس لئے اس جماعت کے ساتھ خروج ناجائز اور حرام ہے البتہ اگر کوئی شخص عالم ہو اور اس جماعت کے ساتھ اس مقصد سے نکلتا ہو کہ وہ ان کو بدعتوں اور شرکیہ اقوال واعمال سے روکے تو اس کا خروج جائز ہے لیکن اگر وہ اس جماعت کے ساتھ مکمل اتفاق کر کے خروج کرتا ہو تو یہ ناجائز ہے ﴾

یہ فتویٰ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے دوسال قبل کا ہے یہ فتویٰ اس وقت جاری کیا گیا جب جماعت تبلیغ کے بارے میں کلی معلومات شیخ کو بہم پہنچادی گئیں لہذا اہل حق مسلمانوں کو جماعت تبلیغ کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے جس میں وہ شیخ ابن باز کا پرانا فتویٰ دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں ہر طالب حق کو چاہیے کہ وہ جماعت تبلیغ سے بات کرتے وقت یہ کہے کہ آؤ تمہارا اور ہمارا فیصلہ تمہارے نصاب تبلیغ اور فضائل اعمال میں مذکور اشیاء کی روشنی میں ہوگا اگر تمہاری کتابیں عقیدہ توحید اور اتباع سنت کے مضامین پر مشتمل نکل آئیں تو تم حق پر ہو اور اگر یہ کتابیں بدعت وخرافات اور شرکیات پر مشتمل ہوں تو پھر تم اہل سنت نہیں اہل بدعت ہو شیخ ربیع بن ہادی المدخلی شیخ ابن بازؒ کا ایک دوسرا فتویٰ نقل کرتے ہیں کہ:

﴿ شیخ سے دریافت کیا گیا کہ کیا جماعت تبلیغ اور اخوان المسلمین ان بہتر فرقوں میں شامل ہے جو جہنمی ہیں شیخ ابن بازؒ نے فرمایا کہ بہتر فرقوں میں ہر وہ فرقہ شامل ہے جو اہل سنت والجماعت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے اور فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں ان بہتر فرقوں میں شامل ہیں ﴾

شیخ کا یہ بیان ان کی وفات سے دوسال قبل طائف میں ریکارڈ کیا گیا جب انھوں نے المنتقی کی شرح میں دروس دیئے تھے اور یہ بیان ایک کیسٹ میں محفوظ ہے اسی طرح شیخ ابن باز سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص جماعت تبلیغ کے ساتھ ہندوستان و پاکستان گیا اور وہاں ایسی مساجد میں نمازیں پڑھیں جہاں قبریں تھیں کیا ایسی مساجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ شیخ ابن بازؒ نے جواب میں فرمایا کہ:

﴿ جماعت تبلیغ عقیدے میں صحیح جماعت نہیں لہذا ان کے ساتھ خروج کرنا جائز نہیں البتہ اگر کوئی شخص علم رکھتا ہو اور وہ اس غرض سے اس جماعت کے ساتھ نکلے کہ وہ ان کی اصلاح کرے گا اور ان کو سیدھے راستے پر چلائے گا تو وہ ان کے ساتھ جاسکتا ہے لیکن ان پڑھ اور علوم شرعیہ اور عقائد صحیحہ سے ناواقف شخص کو ان کے ساتھ جانا جائز نہیں نیز جو نمازیں قبروں والی مساجد میں پڑھی گئی ہوں ان کا دہرانا ضروری ہے کیونکہ ایسی مساجد میں نماز نہیں ہوتی ﴾

شیخ ربیع فرماتے ہیں کہ اگر شیخ ابن بازؒ کو یہ معلوم ہوتا کہ تبلیغی جماعت کے لوگ کسی کی بات نہیں سنتے بلکہ صرف اپنی ہی سناتے ہیں تو وہ کبھی بھی اہل علم کو انکے ساتھ نکلنے کا فتویٰ نہ دیتے بلکہ اس جماعت کے ساتھ خروج کو مطلقاً حرام قرار دے دیتے شیخ ربیع کی اس بات سے ہمیں اتفاق ہے اور خود ہمارا ذاتی تجربہ ہے کہ یہ لوگ ہماری مسجد میں قرآن وحدیث پر مشتمل دروس چھوڑ کر ایک کونے میں بیٹھ جاتے ہیں اور فضائل اعمال کا درس شروع کر دیتے ہیں اور ہمارے علاوہ مرکز دعوۃ والارشاد سعودیہ کے ایک ممتاز عالم شیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ کے درس میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ قرآن وحدیث کا درس چھوڑ کر اپنا علیحدہ حلقہ بناتے ہیں اور فضائل اعمال

پڑھنا شروع کردیتے ہیں، شیخ ربیع نے ایک فتویٰ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا بھی نقل کیا ہے جس میں ہے کہ:

﴿ ہندوستان سے نکلنے والی تبلیغی جماعت بدعتی اور گمراہ جماعت ہے ﴾

اس فتویٰ کو شیخ حمود التویجری نے اپنی کتاب ''القول البلیغ فی التحذیر من جماعت التبلیغ'' میں نقل کیا ہے جس کا اردو قالب ہم نے بنام شرکیہ اعمال بجواب فضائل اعمال کچھ عرصہ قبل شائع کیا تھا، اور شیخ ربیع نے تبلیغی جماعت کے بارے میں علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک فتویٰ نقل کیا ہے جس میں ہے کہ:

﴿ جماعت تبلیغ کے ساتھ خروج کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ جماعت کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے طریقہ پر نہیں ہے اور اللہ کے دین کی دعوت کیلئے علماء کو نکلنا چاہیے جہلاء کو نہیں، جہلاء کو چاہیے کہ اپنے ملک میں رہ کر دین سکھیں اور جب وہ دین سیکھ کر عالم بن جائیں تو پھر دینی دعوت کا کام کر سکتے ہیں اور موجودہ تبلیغی جماعت مختلف مذہب رکھنے والے اہلکاروں کا مجموعہ ہے ان میں سے کوئی عقیدے میں ماتریدی ہے تو کوئی اشعری، کوئی صوفی ہے تو کوئی لامذہب ہے ﴾

اسی ضمن میں شیخ ربیع نے ایک فتویٰ علامہ عبدالرزاق عفیفی کا بھی نقل کیا ہے وہ اس فتوے میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ تبلیغی جماعت ایک بدعتی جماعت ہے، اور یہ جماعت صوفیائ سلسلہ کی قادری جماعت سے تعلق رکھتی ہے، اور ان میں صوفیائ کے سلسلے کے دوسرے لوگ بھی ہیں یہ لوگ اللہ کے راستے میں نہیں نکلتے بلکہ بانی جماعت مولانا الیاس کے وضع کردہ راستے اور طریقہ پر نکلتے ہیں اور اسی طریقہ و راستے کی تکمیل میں کام کرتے ہیں، (شیخ نے کہا) میں قدیم سے اس جماعت کو جانتا ہوں یہ جماعت بدعتی جماعت ہے، خواہ مصر میں ہو یا اسرائیل میں، امریکا میں ہو یا سعودی عرب میں، جہاں کہیں بھی ہو یہ اپنے شیخ اور بانی شیخ الیاس کے ساتھ مضبوط رشتہ رکھتی ہے ﴾

اور شیخ ربیع نے ایک فتویٰ علامہ صالح بن فوزان الفوزان کا بھی نقل کیا ہے اس میں ہے کہ:

﴿ خروج کا لفظ اسلام کی اصطلاح میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی کفار کے ساتھ لڑائی کے لئے نکلنے کو خروج فی سبیل اللہ کہتے ہیں مگر اس جماعت کا یہ خروج بدعت فی الاسلام ہے سلف صالحین میں اسکی کوئی مثال نہیں اور اللہ کے راستے میں معین دنوں کے لئے نکلنا سلف میں معروف و مشہور نہیں اور اسکی اصل قرآن و سنت میں بھی نہیں جیسا کہ چالیس دن کے لئے نکلنا یا تین دن کے لئے یا سال کے لئے، دنوں کی تعین کے ساتھ دین کے لئے نکلنا بدعت ہے ﴾

علامہ حسین بن محسن بن علی جابر نے کتاب الطریق الی جماعۃ المسلمین صفحہ ۲۱۳ تا ۲۹۵ جماعت التبلیغ کا تعارف لکھا ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ:

﴿ یہ طریقہ تبلیغ شیخ الیاس کو کشف کے ذریعہ معلوم ہوا اور ان کے دل میں بذریعہ خواب قرآن کی آیت ''کنتم خیر امۃ اخرجت للناس'' کی تفسیر القاء کی گئی وہ تفسیر جو القاء کی گئی یہ تھی کہ دین کی تبلیغ گھر

سے نکل کر کرنی چاہیے گھر میں اور اپنے شہر میں رہ کر مفید نہیں ہے ﴾

شیخ حسین بن محسن نے لکھا ہے کہ شیخ الیاس کا ایسے خاندان سے تعلق ہے جو صوفیاءؒ کے چشتی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے یہ سلسلہ ہندوستان میں دور دراز تک پھیلا ہوا ہے اس تبلیغی جماعت کا تعلق چونکہ حنفیت سے ہے اسلئے یہ جماعت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید پر یقین رکھتی ہے اس جماعت کا یہ کہنا ہے کہ آج کے علماء کو اجتہاد کی طاقت نہیں اس لئے لامحالہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا فرض ہے اور وہ امام ابو حنیفہؒ ہیں تبلیغی جماعت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا طریقہ صرف صوفیت کا طریقہ ہے۔

یہ جماعت اعلانیہ طور پر برائی سے روکنے پر ایمان نہیں رکھتی بلکہ صرف اپنے ساتھ چلنے کو ترجیح دیتی ہے، یہ جماعت اپنے بنائے ہوئے چھ اصولوں سے باہر نہیں نکلتی اسی کے ارد گرد گھومتی رہتی ہے یہ جماعت علم حاصل کرنے کو ضروری نہیں سمجھتی بلکہ چلوں پر زیادہ زور دیتی ہے یہ جماعت دین کے داعی کا گھر سے باہر نکلنا اس لئے بھی ضروری سمجھتی ہے کیونکہ اس شخص کے عیبوں اور حالات زندگی سے اس شخص کے علاقے اور بستی والے بخوبی واقف ہوتے ہیں اسلئے اگر وہ اپنے علاقے والوں کو دین کی دعوت دیگا تو ان کے قبول کرنے کے امکانات کم ہیں جبکہ باہر نکل کر دعوت دینے سے دعوت کی قبولیت کے امکانات زائد ہیں اور علامہ حسین بن محسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ جماعت تبلیغ کے اکابرین اور اہل مذہب کو سلفی عقیدہ رکھنے والوں سے اتنی دشمنی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کو ظالم باغی اور خون بہانے والا فاسق شخص لکھا ہے، جماعت تبلیغ کی جانب سے ایک بات جو دھوکے میں ڈال دینے والی ہے وہ یہ کہ اس جماعت کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے ہیں اسی وجہ سے اس جماعت کے ساتھ بہت سے لوگ شامل ہو جاتے ہیں چونکہ عام لوگ صرف نماز، روزہ، حج اور زکواۃ پر عمل کرنے والے ہی کو کامل و مکمل مسلمان سمجھتے ہیں اس لئے وہ اس جماعت کی ظاہریت سے دھوکا کھا جاتے ہیں حالانکہ دین اسلام کا اولین اور بنیادی رکن عقیدہ توحید اور اتباع سنت ہے کیونکہ جو شخص بھی اس دین میں داخل ہوتا ہے وہ کلمہ طیبہ پڑھ کر ہی داخل ہوتا ہے اور کلمہ طیبہ کیے دو جزو ہیں ایک لا الہ الا اللہ جس میں توحید الوہیت کا اقرار ہے اور دوسرے محمد رسول اللہ یعنی اتباع سنت رسول کا عہد کرنا لیکن تبلیغی جماعت ان دونوں ہی نعمتوں سے تہی دامن ہے مثلاً توحید الوہیت کی دھجیاں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے ان الفاظ سے بکھیر دیں جوانھوں نے شیخ احمد محمد خیر شنقیطی کے حوالے سے نقل کئے ہیں لکھا ہے کہ:

﴿ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور وہ اپنی قبر سے اللہ کے حکم سے کائنات میں حسب منشاء تصرف فرماتے ہیں ☆ المہند علی المفند یعنی عقائد علماء اہل سنت دیوبند ص ۱۲۶ ﴾

یہ قول کتاب المہند کی تقریظ وتائید میں مذکور ہے اور جس عالم کے یہ شرکیہ وکفریہ کلمات ہیں اس کو مؤلف نے ان الفاظ والقاب سے نوازا ہے " حضرت شیخ علماء کرام اور سند اصفیاء عظام روشن سنت کے زندہ کرنے والے اور شفاف ملت کے بازوسرداران باعظمت کے مقتداء اور جلالت مآب صاحبانِ فضل کے پیشوا جناب شیخ احمد بن محمد خیر شنقیطی مالکی مدنی " اور کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو پر بھی تبلیغی جماعت کا عمل نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے اوپر نبی کریم ﷺ کی اتباع کے بجائے اپنے امام کی تقلید کو فرض اور واجب سمجھتے ہیں جیسا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ اس زمانے میں نہایت ضروری ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے بلکہ واجب ہے بایں وجہ ہم اور ہمارے مشائخ تمام اصول وفروع میں امام المسلمین ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

کے مقلد ہیں خدا کرے اسی پر ہماری موت ہو اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو ☆ المہند علی المفند یعنی عقائد علماء اہل سنت دیوبند ص ۴۳ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ پر تبلیغی جماعت اور انکے اکابرین کا ہرگز عمل نہیں ہے ایسی صورت میں اگر کوئی شخص تبلیغی جماعت کے ہاتھ پر مسلمان ہوگا بھی تو ایسا ہی مسلمان ہوگا جیسا کہ تبلیغی جماعت کے لوگ مسلمان ہیں بعینہ اسی طرح جس طرح کوئی شخص اگر قادیانی ،شیعہ یا بریلوی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے تو وہ ویسا ہی مسلمان ہوتا ہے جیسا کہ اس کو مسلمان کرنے والا شخص یا جماعت ہوتی ہے، جماعت تبلیغ کے جلسہ میں ہر سال لاکھوں افراد شریک ہوتے ہیں اور اتنے بڑے اجتماع کو دیکھ کر اکثر لوگ متاثر ہو جاتے ہیں اور تبلیغی جماعت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیتے ہیں لیکن اس حقیقت کو کوئی بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ اتنے بڑے مجمع میں کلمہ توحید کے دونوں حصوں پر عمل کرنے والا کوئی ایک بھی فرد بمشکل ہی ملے گا، کفار بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور زمانہ جاہلیت میں حج کے موقع پر اسی طرح مجتمع بھی ہوتے تھے اور وہی تلبیہ پڑھتے تھے جو آج بھی مسلمان پڑھتے ہیں مگر ایک معمولی سے اضافہ کے ساتھ ''الا شریکا ھو لک تملکہ و ما ملک'' یعنی تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کا مالک بھی تو ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں مگر وہ اپنے ان الفاظ کے باعث مشرک قرار پاتے ہیں اور مسلمان نبی کریم ﷺ کو کائنات میں تصرف کرنیوالا قرار دیکر پھر بھی مؤمن بنے ہوئے ہیں اور مقام اطاعت جو کہ نبی کریم ﷺ کا حق تھا اسے غیر نبی کو سونپ کر اب بھی امتی کہلائے جا رہے ہیں۔

ہمارے فاضل نوجوان جناب ابوالوفا محمد طارق عادل خان صاحب نے ان ہی حقائق کو اجاگر کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے کہ آج جماعت تبلیغ کے اہل کار جس چیز کو دین اسلام سمجھ کر اسکی نشر و اشاعت کا بیڑا لے کر اٹھے ہیں وہ دین محمدی نہیں بلکہ وہ صوفیوں کا دین ہے جس کو ہر دور میں مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کبھی ابن عربی الصوفی کی شکل میں جس کو فضائل اعمال میں شیخ اکبر کا لقب دیا گیا ہے اور کبھی حسین بن منصور حلاج کی شکل میں جس نے خدائی دعویٰ کیا اور جماعت تبلیغ کے مفتی اعظم جناب رشید احمد صاحب گنگوہی نے اسکو ولی اللہ کا تمغہ دیا ہے اور کبھی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی شکل میں جو اپنے دور کا دوسرا ابن عربی اور حلاج تھا اسی نے ہندوستان میں عقیدہ وحدت الوجود کو پروان چڑھایا اور اسی کے ہاتھ پر ہندوستان کے دونوں حنفی فرقے بریلوی اور دیوبندی بیعت کئے ہوئے ہیں وہ ان دونوں گروہوں کا مشترکہ پیر تھا اور اسی کے نام پر مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی تصنیفات شائع کیں ہیں جیسے کہ امداد الفتاویٰ، امداد المشتاق اور شمائم امدادیہ وغیرہ۔

تبلیغی نصاب میں صوفیت کو ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے تحریف قرآن سے بھی دریغ نہیں کیا مثلاً قرآن کی یہ آیت کہ:

﴿ **یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین** ﴾

یعنی'' اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ '' اس آیت کی تفسیر میں زکریا صاحب نے لکھا ہے کہ یہاں سچوں سے مراد مشائخ صوفیأ ہیں حالانکہ یہ آیت غزوہ تبوک میں رہ جانے والے صحابہ کرام کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انھوں نے غزوہ سے پیچھے رہ جانے کے سلسلے میں کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا بلکہ سچ بول کر اپنے آپ کو ایک بہت بڑے امتحان میں ڈال لیا تھا اس پر اللہ نے انکو بطور مثال تمام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور یہ آیت نازل کی لیکن اس آیت کو صوفیہ کے حق میں بتا کر صاحب فضائل اعمال نے صحابہ کو بھی صوفی بنا دیا العیاذ باللہ! پس اس وقت ضرورت ہے ایسے لوگوں کو روکنے کی جو ایسے گمراہ کن عقیدے پھیلا رہے ہیں اور اس شرک

اور کفر کے فتنے کے سیلاب کے آگے بندھ باندھنے کی خواہ اس سے یہ فتنہ رکے یا نہ رکے مگر وہ اپنے عمل کی جزا ضرور پائے گا اسی مقصد کے لئے ہمارے فاضل نوجوان جناب ابوالوفاء محمد طارق عادل خان نے ان چند اوراق میں نہایت عرق ریزی اور رات دن ایک کر کے تبلیغی جماعت کی اپنی کتابوں سے وہ مواد جمع کر دیا ہے جو عقل وبصیرت رکھنے والوں کو صحیح راہ دکھانے کے لئے کافی ہے، اس مختصر مگر جامع رسالے میں مؤلف حفظہ اللہ نے جماعت تبلیغ کے اصل مقصد ومنہج کو دنیا کے سامنے رکھدیا ہے اور جماعت تبلیغ کے اہل کاروں کے اصل چہرے کو بے نقاب کر دیا ہے اور صاف صاف بتادیا ہے کہ بقول شخصے :

کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

یعنی ’’ اے حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ جانے والے جس راہ پر تو گامزن ہے یہ تو ترکستان کو جاتا ہے اس پر چل کر تو مکہ مکرمہ کیسے پہنچے گا ‘‘ دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر ایک کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔

☆ وصلى الله على نبينا محمد و على آله واصحبه وسلم ☆

عطاءاللہ ڈیروی

۲۹/ جمادی الاول ۱۴۲۲ھ ہجری

عقائد اکابرینِ تبلیغی جماعت

تبلیغی جماعت کے عقائد کے متعلق جاننے سے قبل کچھ اہم باتیں ہیں جن کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔

اولاً: جن عقائد کا ہم یہاں ذکر کرنے والے ہیں ان عقائد کا تبلیغی جماعت یا ان کے دیوبندی اکابرین کبھی بھی برملا اظہار نہیں کرتے لیکن یہ تمام عقائد ان کی کتابوں میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ہم ان عقائد کو ان کی کتابوں کے حوالے سے ہی بیان کریں گے مگر اس سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ عقائد کسی دور میں صرف انکے اکابرین کے رہے ہیں اور آج کے لوگ ان باطل عقائد سے بری ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ ان تمام کتابوں اور ان تمام بزرگوں کی تعلیمات آج بھی ان کے مدارس اور نجی محفلوں میں برابر دی جاتی ہیں البتہ اپنے عام لوگوں کے سامنے یہ ان عقائد کو عقائد کی شکل میں نہیں بلکہ حکایات اور واقعات کی شکل میں سجا کر پیش کرتے ہیں اس کی دلیل مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا عقیدہ وحدت الوجود کے بارے میں یہ بیان ہے جسے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے مرتب کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

> ﴿ اس میں تصدیق قلبی وتیقن وزبان روکے رہنا واجب ہے کیونکہ اسلام شرعی خدا وخلق سے تعلق رکھتا ہے اور اسلام حقیقی محض خدا سے تعلق رکھتا ہے اس میں تصدیق مع اقرار ضروری ہے اور اسمیں یعنی وحدت وجود میں فقط تصدیق چاہیے اس مسئلہ کو چھپانے میں فائدہ یہ ہے کہ اسباب ثبوت اس مسئلہ میں بہت نازک اور نہایت دقیق ہیں فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر کہ اصطلاح عرفاء سے عاری ہیں اس کے ادراک کی قوت نہیں رکھتا ☆ شمائم امدادیہ ص ۳۲ ﴾

اپنے اس بیان میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اسلام کی دو قسمیں بتائیں ہیں ایک شرعی اور دوسرا حقیقی جس میں اپنا اور اپنے متبعین کا تعلق حقیقی سے بتایا اور اس حقیقی اسلام کو عوام الناس اور علمائے ظاہر یعنی کتاب وسنت کا علم رکھنے والے علماء سے چھپانا واجب قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنا عقیدہ کھلے الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے حکایات وواقعات کی صورت میں بیان کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے عقائد کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، انھیں اپنے معتقدین کے ذہنوں میں راسخ بھی کر دیتے ہیں اور کسی کو احساس تک نہیں ہوتا اسکی واضح مثال تبلیغی نصاب ہے جب ہم اس میں موجود حکایات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہیں تو تقریباً وہ تمام ہی عقائد جن کا ہم آئندہ کے صفحات میں ذکر کریں گے تبلیغی نصاب میں بھی ملیں گے اور قارئین خود اپنی کھلی آنکھوں سے اسکا مشاہدہ کریں گے۔

ثانیاً: دیوبندی، بریلوی یا تبلیغی جو بظاہر الگ الگ نظر آتے ہیں درحقیقت یہ تمام ایک ہی تصویر کے مختلف رخ ہیں ان سب کا تعلق فقہ حنفی سے ہے جو کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ ان کا امام ابوحنیفہؒ کی جانب یہ انتساب غلط اور جھوٹ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقائد میں امام ابوحنیفہؒ کے موافق نہیں ہے اور مسائل میں بھی ان کا بیشتر مذہب امام ابوحنیفہؒ سے نہیں بلکہ ان کے شاگردوں سے لیا گیا ہے بلکہ خود احناف علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ تین چوتھائی مسائل میں فتویٰ امام صاحب کے شاگردوں کے قول پر ہے اور عقائد کے ضمن میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ امام ابوحنیفہؒ کے عقائد پر ایک حنفی عالم امام طحاوی نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام عقیدہ طحاویہ ہے اور اسکی شرح بھی ایک حنفی عالم نے ہی کی ہے اور اس کتاب میں درج امام ابوحنیفہؒ کے بیشتر عقائد وہ ہیں جو اہل سنت

والجماعت کے موافق ہیں اور موجودہ احناف کے خلاف ہیں یعنی احناف امام ابوحنیفہؒ کے عقیدہ پر نہیں بلکہ ابومنصور ماتریدی کے عقیدہ پر ہیں اسکا اعتراف ایک بہت بڑے دیوبندی عالم مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے ان الفاظ میں کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ جاننا چاہیے کہ ہم اور ہمارے مشائخ اور ہماری ساری جماعت بحمداللہ فروعات میں مقلد ہیں مقتدائے خلق حضرت امام الھمام امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے، اور اصول و اعتقادیات میں پیرو ہیں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ عنہما کے، اور طریقہائے صوفیہ میں ہم کو انتساب حاصل ہے سلسلہ عالیہ حضرات نقشبندیہ، اور طریقہ زکیہ مشائخ چشت اور سلسلہ بہیہ حضرات قادریہ اور طریقہ مرضیہ مشائخ سہروردیہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ☆ المھند علی المفند یعنی عقائد علمائے اہل سنت دیوبند ص ۲۹،۳۰ ﴾

پس معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کسی ایک امام کی پیروی کا نام نہیں بلکہ یہ مختلف اماموں کی'' کاک ٹیل'' بلکہ اگر ہم یوں کہیں کہ'' کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا '' تو مذہبِ حنفی کے لئے زیادہ موزوں ہوگا اور چونکہ کسی بھی مذہب کے لئے عقائد بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں چناچہ اس مذہب کو حنفی کے بجائے اگر اشعری اور ماتریدی کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا حاصل کلام یہ کہ ہم یہاں جن عقائد کو بیان کریں ان سے کسی کو یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کو متہم کررہے ہیں بلکہ درا صل یہ عقائد حنفیہ کے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ماسوائے چند جن کا بیان اپنے مقام پر آئے گا۔

ثالثاً : عقائد کے ضمن میں تبلیغی جماعت کے عام مبلغین کی جانب سے یقیناً یہ اعتراض وارد ہوگا کہ انکی دعوت صرف فضائل اور ترغیب تک محدود ہے اس لئے اس قسم کے عقائد کا ان پر الزام عائد کرنا غلط ہے لیکن جان لینا چاہیے کہ دعوت کسی چیز کی بھی ہو مگر اسکی بنیاد عقائد پر ہوتی ہے کوئی شخص عقیدہ کو قائم کئے بغیر کسی عمل کو اختیار نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی دعوت کا نقطہ آغاز عقیدہ اسکے بعد احکامات اسکے بعد حقوق وفرائض اور اسکے بعد فضائل ہوتے تھے لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین نے اس ضمن میں الٹی چال چلی ہے پہلے فضائل اسکے بعد اپنی فقہ پر رفتہ رفتہ راسخ کرنا اور آخر میں جب بندہ عقیدت میں ڈوب جائے تو اپنا عقیدہ بھی اس دل و دماغ میں بیٹھا دینا اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ قارئین سب سے پہلے عقیدے کو سمجھیں عقائد کا یہ بیان کسی قدر دقیق بھی ہے اور اکثر اوقات غیر دلچسپ بھی مگر ہم پڑھنے والوں سے درخواست کریں گے کہ اس کو سمجھنے کے لئے خاطر خواہ توجہ دیں کیونکہ آپ جب تک صحیح عقائد کو صحیح طور پر نہیں سمجھیں گے تبلیغی نصاب میں موجود کسی بھی حکایت کی تہہ تک آپ کی رسائی ممکن نہیں ہوگی عقائد کے ضمن میں سب سے اہم عقیدہ توحید کا عقیدہ ہے لہذا ہم اپنے بیان کا آغاز عقیدہ توحید سے ہی کررہے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ توحید

پہلا رخ وحدت الوجود

توحید دین اسلام کا ایک اولین اور اہم ترین جزو ہے آدم علیہ السلام سے لیکر محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے بھی پیغمبر مبعوث کئے گئے ان سب کی دعوت کا نقطہ آغاز توحید ہی تھا اور یہی ایک ایسا مسئلہ تھا کہ کسی بھی نبی کی قوم نے اس کو قبول کرنے میں سب سے زیادہ پس

وپیش کی اور ہر نبی کی مخالفت پر اسکی قوم اکثر وبیشتر توحید کی دعوت ہی کی وجہ سے کمر بستہ رہی کیونکہ تلبیس ابلیس کے باعث ایک سے زائد معبودوں کا تصور ہر دور میں اس وقت کے لوگوں کے اذہان اور منطق کے حوالے سے تراش کر عوام الناس کے سامنے پیش ہوتا رہا جسکے باعث توحید کی دعوت کا قبول کرنا کبھی بھی اتنا آسان نہیں رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور نبی کریم ﷺ نے احادیث میں شرک کی تمام اقسام کو اس قدر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ قرآن وحدیث کا علم رکھنے والوں کا شرک میں مبتلا ہو جانا محال ہے علماء اہل سنت والجماعت نے توحید کی تین اقسام بیان کی ہیں ۱۔توحید ربوبیت یعنی جو کچھ بھی انسان کو اس دنیا میں حاصل ہوتا ہے بظاہر اس کا مہیا کرنے والا کوئی بھی ہو مگر حقیقت میں اسکا عطاء کرنے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے گویا اسکے شکر وتعریف کا اصل حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے ۲۔توحید الوہیت یعنی معبود صرف اللہ کو سمجھنا دراصل یہ توحید ربوبیت کا ایک منطقی نتیجہ ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ کو حقیقی رب مانا جائے تو عبادت بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے اور کوئی بھی دوسرا اس عبادت میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیے ۳۔توحید اسماء وصفات یعنی جب کسی کو حقیقی رب مانا جائے اور اسی کی اطاعت وبندگی خلوص دل کے ساتھ کی جائے تو پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان اس ہستی کے اسماء اور صفات سے بھی واقف ہوتا کہ اسے اسکے صحیح ناموں اور شایان شان صفات سے پکار سکے ورنہ شرک میں مبتلا ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے یعنی توحید اسماء وصفات کا مطلب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے جو بھی اسماء وصفات بیان کی ہیں ان پر من وعن ایمان رکھا جائے اور ان میں سے کسی صفاتی نام کی کوئی تاویل نہ کی جائے اور ان تمام اسماء وصفات کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں بیک وقت اور ہمہ وقت باتمام وکمال اور قائم ودائم مانا جائے لیکن بعض لوگوں نے توحید کی ایک چوتھی قسم بھی ایجاد کی جسے توحید ذات کہا جاتا ہے یعنی جس طرح توحید ربوبیت میں حقیقی رب صرف اللہ تعالیٰ کو مانا جاتا ہے اسی طرح توحید ذات میں حقیقی اور ذاتی وجود صرف اللہ تعالیٰ کا مانا جاتا ہے اور باقی تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا عکس یا سایہ تصور کیا جاتا ہے یعنی کائنات میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ حقیقت میں موجود ہی نہیں ہے بلکہ موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی کو عقیدہ وحدت الوجود کہا جاتا ہے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھکر صوفیا نے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کو جمع کر کے ایک نیا نام توحید ایمانی دیا اور اس توحید کو عوام الناس کی توحید قرار دے کر باشعور طبقہ کی توجہ کو اس جانب مبذول ہونے سے روکا گیا حالانکہ یہی توحید دین کا اصل الاصول ہے اور ہر نبی کی دعوت کا مرکزی نقطہ یہی توحید رہی ہے جبکہ توحید ذات یعنی عقیدہ وحدت الوجود کی مزید شاخیں نکال کر اور اسے نئے نئے نام دے کر لوگوں میں عام کرنا شروع کر دیا گیا چونکہ اسلام نے علمی اعتبار سے شرک کے تمام ہی راستے بند کر دیئے تھے اس لئے شیطان نے منطق اور فلسفہ کے ذریعے سے لوگوں کے ذہن میں وحدت الوجود کا باطل نظریہ پیدا کیا جو کئی اعتبار سے شرک سے بدتر چیز ہے مگر اس نظریہ میں شامل فلسفے کے مباحث اور منطق کی باریکوں کے باعث ایک عامی آدمی کے لئے از خود اس کو سمجھنا نہایت ہی مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ یونانی منطق وفلسفہ سے متاثر اور مرعوب لوگ اس نظریہ کو قبول کرنے اور اسے عوام الناس میں پھیلانے میں پیش پیش رہے اور تبلیغی جماعت کے تمام اکابرین بھی اس نظریہ کے زبردست حامی رہے ہیں اور تبلیغی نصاب میں اسی عقیدہ وحدت الوجود کے سب سے بڑے مبلغ شیخ اکبر ابن عربی صوفی کے بارے میں مولانا ذکریا صاحب فضائل تبلیغ فصل سابع میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ❁ شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تیرا کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہوتے تو تو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کر سکتا گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے لہذا تجھے کوئی ایسا شخص ملے جسکا احترام تیرے دل میں ہو تو اس کی خدمت گذاری کر اور اسکے سامنے مردہ بن کر رہ کہ وہ تجھ میں

جس طرح چاہے تصرف کرے اور تیری اپنی کوئی خواہش نہ رہے اسکے حکم کی تعمیل میں جلدی کر اور جس چیز سے روکے اس سے احتراز کر اگر پیشہ کرنے کا حکم کرے تو پیشہ کر مگر اس کے حکم سے نہ کہ اپنی رائے سے، بیٹھ جانے کو کہے تو بیٹھ جا لہذا ضروری ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں سعی کرتا کہ تیری ذات کو اللہ سے ملا دے ﴾

یہی شیخ اکبر ابن عربی صوفی عقیدہ وحدت الوجود کا سب سے بڑا داعی ہے اور مولانا زکریا صاحب اور زیادہ تر دیوبندی بریلوی علماء کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب اسی شیخ اکبر کے معتقد اور گرویدہ ہیں اور عقیدہ وحدت الوجود میں ابن عربی سے متفق ہیں چنانچہ شیخ اکبر ابن عربی صوفی کے بارے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ:

﴿ اول جس شخص نے اس مسئلہ (عقیدہ وحدت الوجود) میں خوض فرمایا وہ شیخ محی الدین ابن عربی ہیں، ان کا اجتہاد اس مسئلہ میں اور اثبات مسئلہ کا براہین واضحہ سے جمیع موحدان کی گردن پر روز قیامت موجب احسان ہے ☆ شمائم امدادیہ ص ۳۳ ﴾

یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرما رہے ہیں کہ ابن عربی نے مسئلہ توحید جس میں کسی نبی کو بھی اجتہاد کرنے کا اختیار نہیں ہے اجتہاد کر کے امت کے موحدین پر بہت بڑا احسان کیا ہے ان ہی شیخ اکبر کے حوالے سے آیئے ہم عقیدہ وحدت الوجود کا جائزہ لیتے ہیں صوفیاً نے وحدت الوجود کو چار درجوں یا صورتوں میں تقسیم کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

پہلی صورت ظہورِ صفات: حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حوالے سے اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ انھوں نے عقیدہ وحدت الوجود کی ایک صورت جسے ظہورِ صفات کہتے ہیں کو قرآن سے ثابت کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت پر توحید کا بہت زیادہ غلبہ تھا وحدت الوجود تو حضرت کے سامنے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشاہدہ عینی ہے ایک مرتبہ سورہ طہٰ سنتے رہے اس آیت پر پہنچ کر " **اللہ لاالٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنی** " حضرت پر اسکا غلبہ ہو گیا بطور تفسیر کے فرمایا کہ پہلے جملہ پر سوال وارد ہوا کہ جب سوا اللہ کے کوئی نہیں تو یہ حوادث کیا ہیں جواب میں ارشاد ہوا " **لہ الاسماء الحسنی** " یعنی سب اسی کی اسماء وصفات کے مظاہر ہیں ☆ الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ یعنی ملفوظات حکیم الامت ملفوظ ۳۶۶ ج ۱ ﴾

حالانکہ اس آیت کا ترجمہ ہے کہ " وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں تمام بہترین نام اسی کے ہیں " یعنی عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے مگر اسکے صفاتی نام بہت سے ہیں اسلئے اسے اسکے جس صفاتی نام سے بھی چاہو پکار سکتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس کے برخلاف حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب نے اس کی نئی تفسیر کی کہ کائنات میں جو بھی چیز ہے وہ اللہ کے اسماء وصفات کا مظہر ہے یعنی اللہ بذات خود ان تمام مخلوقات میں ظاہر ہوا ہے کیونکہ مظہر کے معنی ہوتے ہیں ظاہر ہونے کی جگہ اس اعتبار سے چاند، سورج، ستارے، انسان، حیوان، شجر اور حجر جو کچھ بھی کائنات میں ہے ان سب میں اللہ کی اسماء وصفات کا کسی نہ کسی شکل میں ظہور ہوا ہے اس لئے جس کسی کی بھی عبادت کی جائے گی وہ دراصل اللہ ہی کی عبادت ہوگی۔

دوسری صورت فنافی اللہ: وجودیت کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنے خیال میں فنافی اللہ کے مقام کو پہنچ جاتا ہے تو وہ خود فنا ہو جاتا ہے اور جو دراصل نظر آتا ہے وہ صوفی نہیں ہوتا جیسا کہ ایک صوفی رویئم توحید کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ توحید بشریت کو دور کرنے اور اپنے او پر الوہیت کو ثابت کرنے کا نام ہے اس قسم کے وحدت الوجود کی سب سے بڑی مثال منصور حلاج ہے جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے نتیجہ کے طور پر اسکو مجمع عام میں موت کی سزا دی گئی مولوی اشرف علی تھانوی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بھی اپنے باطن کی وجہ سے اپنے آپ کو خدا کہتے تھے جیسا کہ ان کی سوانح حیات اشرف السوانح ص ۲۱۷ ج ۱ میں درج ہے کہ:

﴿ کسی جلسہ میں بعض لوگوں نے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کو مجبور کرنا چاہا کہ آپ وعظ کریں جبکہ واعظ کرنا ان دنوں حضرت نے موقوف کر رکھا تھا، حضرت والا کو نہایت درجہ تنگی واقع ہوئی کیونکہ نہ انکار فرما سکتے تھے اور نہ اقرار کر سکتے تھے یہ حال دیکھ کر مولانا ظہور الاسلام صاحب فتح پوری کا دل پانی پانی ہو گیا انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا بس بھائی بس اب انھیں کچھ نہ کہو اپنے حال پر چھوڑ دو مولوی شاہ سلیمان پھلواری بھی آئے ہوئے تھے انھوں نے عجیب جواب دیا کہا اگر ایسی حالت میں اس شخص سے واعظ کہلوایا تو بس منبر پر بیٹھتے ہی اسکے منہ سے جو پہلا لفظ نکلے گا وہ '' انا الحق '' ہو گا ایسی حالت میں اصرار کرنا مناسب نہیں ہے ﴾

اس معلوم ہوتا کہ مولانا شرف علی صاحب تھانوی بھی فنافی اللہ کے قائل تھے اور اسکی تصدیق انکے اپنے قلم سے درج شدہ اس حکایت سے بھی ہوتی ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ رام پور میں ایک مجذوب رہتے تھے جو اپنے آپ کو رب العالمین کہتے تھے ان کے پاس ایک خادم رہتا تھا اور ان کا مکان ہر وقت بند رہتا تھا جب کوئی آتا تو دروازہ پر تین مرتبہ دستک دیتا، اگر دروازہ نہ کھلتا تو واپس ہو جاتا اور اگر ان مجذوب کو بلانا مقصود ہوتا تو خادم آ کر دروازہ کھولتا تھا اور وہ شخص دروازہ میں داخل ہوتا خادم دروازہ پر اس سے جوتے اترا دیتا اور جوتے ایک طرف کو موقع سے رکھ دیتا، یہ شخص ان کی خدمت میں جا کر سلام کرتا اور عرض و معروض کرتا، ان مجذوب کا قاعدہ تھا کہ اکثر دائیں بائیں اور او پر منہ کر کے شوں شوں فوں فوں کرتے تھے، ان کی نسبت یہ بھی مشہور تھا کہ ایک مرتبہ انھوں نے خودکشی کرنے کیلئے اپنے پیٹ میں چھرا گھونپ لیا تھا جس سے آنتیں باہر نکل آئیں اور انکی بہن رونے لگیں بہن کو روتا دیکھ کر انھوں نے آنتیں اندر کر لیں اور زخم اچھا ہو گیا، میں اپنے پھوپھا کے ہمراہ انکے یہاں جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں اور میرے پھوپھا ان کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ان کو جوش ہوا اور انھوں نے حسب عادت شوں شوں فوں فوں شروع کی اور کہا کہ فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا اور فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا اور فلاں مرتبہ فلاں، اور انھوں نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو سینے سے ناف تک ایک لکیر معلوم ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انھوں

نے کبھی اپنا پیٹ چاک کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی کہا کہ آج پھر صبح سے رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے دیکھو کوئی مانع نہ ہو اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بستر کے نیچے سے ایک تراہ کا چھرا نکالا اور گردن پر رکھ کر چلانا چاہتے تھے کہ میرے پھوپھا نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے ہاتھ سے چھرا لے لیا وہ بہت دیر تک شوں شوں فوں فوں کرتے رہے، جب جوش فرو ہوا تو انہوں نے میرے پھوپھا سے کہا کہ اب چھرا دے دو اب مجھ پر وہ کیفیت نہیں ہے، یہ قصہ نواب یوسف علی خان کے زمانے کا ہے اسکے بعد ہم تو رام پور سے چلے آئے، ہمارے چلے آنے کے بعد جب نواب کلب علی خان مسند ریاست رام پور پر متمکن ہوئے تو ان کے زمانے میں یہ قصہ پیش آیا کہ ان مجذوب صاحب نے ایک دن اپنے خادم سے کہا کہ رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا آج پھر اشتیاق ہو رہا ہے اور وہ اپنی گردن کاٹنا چاہتا ہے اگر سر تن سے جدا نہ ہو تو الگ کر دینا یہ کہہ کر سجدہ میں گئے اور سجدہ میں جا کر اپنی گردن کاٹ لی سر تو تن سے جدا ہو گیا مگر یہ نہیں معلوم کہ خود انہیں نے جدا کیا یا حسب وصیت خادم نے جدا کیا، اب انکی تجہیز و تکفین ہوئی مگر نماز کے متعلق علماء میں اختلاف ہوا مفتی سعد اللہ صاحب اور ان کی جماعت کہتی تھی کہ انھوں نے خودکشی کی ہے اسلئے نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور مولوی ارشاد حسین صاحب اور رام پور کے قاضی جو بدایوں کے رہنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ مغلوب اور غیر مکلّف تھے ان کی نماز پڑھنی چاہیے چنانچہ مولوی ارشاد حسین صاحب کے فتویٰ پر عمل ہوا اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ ان کی نماز جنازہ ہوئی اور ان کو دفن کیا گیا، ان مجذوب کے انتقال کے بعد اب انکا خادم اپنے آپ کو رب العالمین کہنے لگا تھا مگر علماء کی رائے سے نواب صاحب نے اسکو رام پور سے نکال دیا اور اسکے بعد اسکا پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا اور اسکا کیا ہوا ☆ ارواح ثلاثہ حکایت نمبر ۴۴۲ ص ۴۴۰ تا ۴۴۳ ﴾

ہمارا سوال یہ ہے کہ جس مولوی و مفتی نے ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے کا فتویٰ دیا جو اس کے خیال میں خدا تھا تو کیا خدا کا جنازہ بھی پڑھا جا سکتا ہے، سچ ہے کہ صوفیت حماقت کا دوسرا نام ہے۔

تیسری صورت ظہورِ ذات : وحدت الوجود کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ مخلوقات میں سے بعض میں نعوذ باللہ اللہ تبارک و تعالیٰ بذات خود ظہور فرماتا ہے خواہ وہ مخلوق اسلامی رو سے نجس یا پلید ہی کیوں نہ ہو بظاہر ہمارا یہ دعویٰ قارئین کو بہت بڑا اور غیر معقول معلوم ہو گا مگر ہمارے پاس اسکے ثبوت میں دلائل موجود ہیں کہ صوفیائے حضرات نے اسلامی نظریہ توحید کو کتنی گھناونی سازش کے تحت پامال کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں سب سے پیش پیش ابن عربی صوفی ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ پر جسمیں ان کی قوم نے گائے کے بچھڑے کا بت بنا کر اسکی عبادت شروع کر دی تھی پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ اکبر ابن عربی صوفی لکھتا ہے کہ:

﴿ حضرت موسیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ ان کی قوم نے بچھڑے کی نہیں بلکہ اللہ کی عبادت کی ہے اس لئے کہ عارف ہر شے میں حق کو دیکھتا ہے بلکہ اسکو ہر شئے کا عین دیکھتا ہے ☆ فصوص الحکم اردو فص

ہارونیہ ص ۳۸۴ ﴾

﴿ ابوالحسین نوری ایک مشہور صوفی ہیں ان کے متعلق معروف ہے کہ جب کسی کتے کو بھونکتے ہوئے سنتے تو کہتے تھے کہ "**لبیک و سعدیک**" یعنی میں حاضر ہوں اور سعادت نصیب ہوں یہ الفاظ اگر چہ مبہم ہیں مگر صوفیأ کی اصطلاح میں جل شانہ کے الفاظ سے کسی طرح کم بھی نہیں ہیں ☆ دین تصوف از محمد یحیٰ گوندلوی ص ۸٦ ﴾

لغت کے اعتبار سے لبیک وسعدیک کے معنی ہوتے ہیں کہ تیری اطاعت پر مساعدہ اور مدد کرتا ہوں یہ الفاظ حج کے تلبیہ میں بھی مستعمل ہیں اور یہ دونوں الفاظ مبالغہ کے ہیں جس کے معنی ہوں گے کہ میں ہر وقت و ہر بار حاضر ہوں اور تیری اطاعت اور فرمانبرداری پر کمر بستہ ہوں اور اس کیلئے مساعد اور مدگار رہوں اس صوفی نے یہ الفاظ اس لئے کہے کہ وہ کتے کو اپنا الہ اور معبود سمجھتا اور مانتا تھا اور تبلیغی جماعت کے اکابرین کے اس عقیدہ کی مزید تصدیق کے لئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ہی کی کتاب سے یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں کہ:

﴿ میرے والد کے اندر چشتیت بہت غالب تھی حالانکہ وہ کسی چشتی سے مستفید نہیں ہوئے تھے اور اسی بنا پر ان کی کیفیت یہ تھی کہ جس جگہ سنتے تھے کہ فلاں شئے خوبصورت ہے تو سفر کر کے اسے دیکھنے ضرور جاتے تھے (یعنی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہر خوبصورت شئے میں اللہ تعالیٰ خود ظہور فرماتا ہے) چناچہ ایک مرتبہ انھیں معلوم ہوا کہ جے پور میں ایک تصویر بہت حسین ہے پس اسے دیکھنے کے لئے جے پور روانہ ہو گئے، اسی طرح ان کو معلوم ہوا کہ لکھنو سے بہت دور مقام پر کسی کے یہاں ہانسی حصار سے کوئی اونٹنی آئی ہے جو بہت خوبصورت ہے یہ سن کر اس اونٹنی کو دیکھنے روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر اس اونٹنی کو دیکھا اور اسکی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسکے سر کو جھکایا اور بوسہ دے کر فرمایا کہ "کہاں ظہور فرمایا ہے" اسی طرح لکھنو کے اطراف میں ایک مقام پر ایک عالم رہتے تھے وہ ایک لڑکے پر عاشق تھے اور اسکو بہت محبت سے پڑھاتے تھے جب والد صاحب کو اس کے حسن کا قصہ معلوم ہوا تو حسب عادت اس دیکھنے چل دیئے جس وقت والد صاحب وہاں پہنچے تو اس وقت لڑکا سہ دری کی کوٹھڑی کے اندر تھا اور وہ عالم ایک چار پائی سے کمر لگائے ہوئے اس کوٹھڑی کی طرف پشت کئے ہوئے بیٹھے تھے، والد صاحب اسباب رکھ کر ان عالم سے مصافحہ کرنے گئے جب یہ سہ دری پر پہنچے تو وہ لڑکا ان کو دیکھ کر کوٹھڑی سے نکلا، والد صاحب نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تھے کہ ان کی نظر اس لڑکے پر پڑ گئی جس سے مصافحہ تو رہ گیا اور والد صاحب اس لڑکے کو دیکھنے میں مستغرق ہو گئے ☆ ارواح ثلاثہ ص ۲۳۴،۲۳۵ ﴾

چوتھی صورت حلول: یعنی عبادت خواہ شجر و حجر کی کیجائے یا چاند، سورج اور ستاروں کو اپنا رب مانا جائے عقیدہ توحید میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ عبادت درحقیقت اللہ ہی کی ہے کیونکہ اللہ ہی ہر چیز میں حلول کئے ہوئے ہے اس فکر کو بھی ابن عربی صوفی ہی

نے عام کیا اور پھیلایا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

﴿ جو عارف کامل ہوتا ہے وہ ہر شے کو جلوہ گاہ حق جانتا ہے، انھیں جلووں کا سبب ہے کہ نادانوں نے باوجود اسم خاص کے مثلاً پتھر، درخت، حیوان، انسان، آگ، ستارے اور فرشتے کو الہ ومعبود مانا، الوہیت کیا ہے عابد کا تخیل ہے کہ فلاں کے لئے مرتبہ معبودیت ہے ☆ فصوص الحکم اردو فص ہارونیہ ص ۳۸۹ ﴾

یہی وہ فکر ہے جسے بیشتر صوفیاً نے اپنایا ہے اور اس نظریہ کی بنیاد عقیدہ حلول پر ہے وحدت الوجود کے قائلین میں کچھ لوگ ظہور کے قائل رہے ہیں اور کچھ حلول کے قائل ہیں ویسے تو دونوں ہی عقیدے اپنی اپنی جگہ زندیقیت ہیں مگر وحدت الوجود کی بدترین شکل حلول ہے یعنی یہ عقیدہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کائنات کے اندر حل ہوگیا ہے اور اب یہ کائنات ہی درحقیقت اللہ ہے یہ بہت ہی برا عقیدہ ہے مگر تبلیغی جماعت کے اکابرین اسی کے قائل رہے ہیں مثلاً اشرف علی صاحب تھانوی اپنے ملفوظات میں ظہور اور حلول میں فرق کرتے ہوئے اور نظریہ ظہور کی وضاحت اور اس سے برات کا اعلان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور ظہور وحلول میں کیا فرق ہے، فرمایا جیسے صورت کا عکس کہ آئینہ میں اسکا ظہور ہے نہ کہ حلول، باطل انسانی یعنی انسان کا سایہ کہ انسان کا ایک ظہور ہے انسان اس میں حلول کئے ہوئے نہیں، صوفیہ کی ایسی مثالوں سے نادانوں کو شبہ حلول کا ہوجاتا ہے اسی لئے مولانا اس سے تبریہ فرماتے ہیں کہ وہ اس مثال سے بھی بالاتر ہے ☆ الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ یعنی ملفوظات حکیم الامت ملفوظ ۲۸۶ ج۱ ﴾

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عقیدہ حلول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ کسی نے سید ملتانی سے توحید کی مثال پوچھی کہنے لگے جس طرح ایک مٹکے کو ریت سے بھر کر اس میں پانی ڈال دیا جائے اور وہ پانی اس ریت کے ہر ہر ذرے میں سرایت کر جائے اسی طرح ذات وحدہ لاشریک کائنات کے ہر ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہے ☆ انفاس العارفین ص ۳۷۲ ﴾

اور اگر مزید آسان طریقہ سے حلول کو سمجھنا ہو تو یوں سمجھیں کہ اگر ایک گلاس پانی میں ایک چمچہ شکر ڈال کر ملا دیا جائے تو یہ حلول ہے یعنی دو چیزوں کا ایک جان ہوجانا اس طرح کہ ان کا علیحدہ علیحدہ کوئی کوئی وجود باقی نہ رہے چنانچہ صوفیا کے نزدیک معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق میں حل ہوگئی ہے اور اب علیحدہ اسکا کوئی وجود نہیں ہے اور اس ضمن میں جو بات ہم نے ابن عربی کے حوالے سے کہی ہے اسی بات کے قائل دیوبندی علماء بھی ہیں اسکے ثبوت میں سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ''**الحمد لله رب العلمين**'' کے ضمن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کی یہ تفسیر ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ:

﴿ یعنی سب تعریفیں عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہونگی خدا ہی کے لائق ہیں، کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطاء کرنے والا وہی ہے خواہ بلا واسطہ عطاء فرمائے یا بواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا نور پہنچے تو آفتاب کا فیض ہے۔ شعر:

حمد را با تو نسبتے ست درست　　　　بر درِ ہر کہ رفت بردرِ تست

تو اب اسکا ترجمہ یہ کرنا کہ ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزا وار ہے بڑی کوتاہی کی بات ہے جس کو اہل فہم خوب سمجھتے ہیں ☆ تفسیر القرآن مطبع شاہ فہد پرنٹنگ پریس سعودیہ عربیہ ﴾

یعنی شبیر احمد صاحب عثمانی فرمارہے ہیں کہ جب سے کائنات وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کر اب تک جس کسی نے بھی کسی کی تعریف کی درحقیقت اللہ ہی کی تعریف کی جس طرح آفتاب کی پوجا کرنے والے آفتاب کی پوجا اس لئے کرتے تھے کہ ان کو آفتاب سے فیض حاصل ہوتا تھا لیکن آفتاب کی پوجا یا تعریف دراصل آفتاب کی تعریف نہیں بلکہ اللہ کی پوجا اور اللہ کی تعریف تھی اور اس سلسلہ میں جو فارسی کا شعر انھوں نے نقل کیا ہے اسکا ترجمہ اس طرح ہے کہ ''تعریف تیرے ہی لائق ہے اور جو کوئی کسی کے در پر بھی جاتا ہے وہ درحقیقت تیرے ہی در پر جاتا ہے '' اور اسکے بعد جو جملہ انھوں نے لکھا ہے وہ اس ضمن میں فیصلہ کن ہے فرماتے ہیں کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ ''ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے'' اس جملہ کا آسان مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی تعریف جو ہونی چاہیے صرف اللہ کی ہونی چاہیے لیکن شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط ہے بلکہ اس آیت کا ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ جو بھی تعریف ہوتی ہے وہ درحقیقت اللہ ہی کی تعریف ہوتی ہے اور مزید فرماتے ہیں کہ اہل فہم اسے خوب سمجھتے ہیں اور واقعی اہل فہم نے اسے بخوبی سمجھ لیا تب ہی یہ ترجمہ و تفسیر جو ان دیوبندیوں نے سعودی حکومت کو دھوکا دیکر چھپوائی تھی اس کو سعودی حکومت سے ہی ضبط کروایا اور پابندی عائد کرائی تاکہ اس ترجمہ و تفسیر کے شر سے بقیہ عوام الناس محفوظ رہ سکیں اور اب موجودہ ترجمہ و تفسیر جو سعودی حکومت کی جانب سے شائع ہوا ہے وہ مولانا محمد جوناگڑھی کے ترجمہ اور مولانا صلاح الدین یوسف کی تفسیر پر مشتمل ہے اس میں سورہ فاتحہ کی اس آیت کی جو تفسیر درج کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿ تمام تعریف اللہ کے لئے ہیں، یا اسی کے لئے خاص ہیں کیونکہ تعریف کا اصل مستحق اور سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس لئے حمد یعنی تعریف کا مستحق بھی وہی (اللہ) ہے ☆ تفسیر القرآن مطبع شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس سعودیہ عربیہ ﴾

حاصل کلام یہ کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین و دیوبندی علماء عقیدہ وحدت الوجود کے قائل رہے ہیں جو ہر اعتبار سے ایک غلط اور گمراہ کن نظریہ ہے جو توحید کے منافی اور شرک سے بھی بدتر عقیدہ ہے پس جو لوگ تبلیغی جماعت یا ان کے اکابرین سے محبت رکھتے ہیں اور ان اکابرین کے عقیدہ کو جان لینے اور سمجھ لینے کے بعد بھی اس جماعت اور اسکے متعلقین سے اعلان برأت نہیں کرتے انھیں جان لینا چاہیے کہ قیامت کے دن ان کا حشر بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا اور ان کا کوئی عمل اور کوئی محنت ان کے کسی کام نہیں آسکے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ؛

﴿ هل اتك حديث الغاشية☆وجوه يومئذ خاشعة☆ عاملة ناصبة☆تصلىٰ نارا حامية☆ سوره الغاشية آيت ١ تا ٤ ﴾

یعنی ''تم کو چھپا لینے والی قیامت کی خبر نہیں ملی جس دن بہت سے چہروں پر ذلت ہوگی اور محنتیں کرنے والے محنت کر کر کے تھکے ہوئے ہوں گے مگر وہ پھر بھی جہنم میں جائیں گے'' ان آیات کی تفسیر میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں محنتیں

کرکر کے تھکے ہوئے ہوں گے یعنی بہت عمل کرتے ہوں گے مگران کا عمل باطل مذہب کے مطابق یا بدعات پر مبنی ہوگا اس لئے عبادات اوراعمال شاقہ کے باوجود جہنم میں جائیں گے کیونکہ عمل کا تعلق عقیدہ سے ہے اگر عقیدہ درست نہیں تو کوئی بھی عمل کام نہیں آسکتا اوراگرعقیدہ درست ہے تو انشااللہ تھوڑا عمل بھی کفایت کر جائیگا۔

اکابرین تبلیغی جماعت اور عقیدہ توحید

دوسرا رخ استعانت

شرک کی ایک شکل جو اکثر اقوام میں رواج پاتی رہی وہ غیر اللہ سے استعانت ہے اوراکثر انبیاء کی دعوت کا آغاز غیر اللہ سے استعانت کی تردید سے ہی ہوتا رہاہے استعانت کے معنی ہیں امداد کا طلب کرنا اور غیر اللہ سے استعانت کا مطلب ہے کہ کوئی چیز اللہ تبارک وتعالیٰ سے براہ راست مانگنے کے بجائے کسی دوسرے کو درمیان میں واسطہ بنا کر پیش کیا جائے تا کہ وہ ہستی ہماری مطلوبہ شئے اللہ سے مانگ کرہم کو دے سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کوتوحید کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہو کہ:

﴿ **ایاک نعبد وایاک نستعین** ☆ **سورہ فاتحہ ۵** ﴾

یعنی'' اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''عقیدتوحید کے پہلے رخ وحدت الوجود کے ضمن میں قارئین نے مشاہدہ کیا کہ کس طرح شبیر احمدؒ عثمانی نے عقیدہ وحدت الوجود کوقرآن سے ثابت کیا اب آیئے اسی سورہ فاتحہ میں شرک کا اثبات بھی انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوتے شبیر احمد عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ؛

﴿ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اسکی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کراستعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے ☆ تفسیر القرآن مطبع شاہ فہد پرنٹنگ پریس سعودیہ عربیہ ﴾

یعنی شبیر احمد صاحب عثمانی یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ کوئی اگر براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگنے کے بجائے کسی انسان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ وہ اللہ کا مقرب بندہ ہے حالانکہ اللہ نے کسی کے مقرب ہونے کی کوئی سند نہیں اتاری ہے اور قطع نظر اسکے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ اس سے درخواست کرے کہ وہ اللہ سے ہماری سفارش کرے اور ہمیں ہماری مطلوبہ شئے دلوادے لیکن یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ اس سفارش کرنے والے کے اپنے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے بلکہ وہ جو کچھ بھی دلوائے گا اللہ ہی سے دلوائیگا کیونکہ اللہ ہماری سنتا مشکل سے ہے اوراسکی ردمشکل سے کرتا ہے اس لئے اگر ہم اس سے مدد طلب کرتے ہیں تو درحقیقت یہ ہم اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں شبیر احمد عثمانی کے اس بیان کو سمجھ لینے کے بعد آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ کفار مکہ کا وہ کون سا شرک تھا جس کو ختم کرنے کیلئے اسلام آیا تھا سورہ الزمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ **الا للہ دین الخالص والذین اتخذوا من دونہ اولیاء مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ ان اللہ یحکم بینھم فی ماھم فیہ یختلفون ان اللہ لا یھدی من ھوکاذب کفار** ☆ **سورہ الزمر آیت ۳** ﴾

یعنی ''جان لو کہ دین اللہ ہی کے لئے خالص ہے اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنالیا ہے وہ کہتے ہیں ہم ان معبودوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تا کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں بے شک اللہ حکم دیتا ہے اسکا جسمیں وہ اختلاف کرتے ہیں اور اللہ جھوٹے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا'' اور ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ ویعبدون من دون اللّٰہ مالایضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھولاء شفعاونا عنداللّٰہ قل اتنبئون اللّٰہ بمالایعلم فی السموات ولا فی الارض سبحنہ وتعلیٰ عما یشرکون ☆ سورہ یونس آیت۱۸ ﴾

یعنی'' اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیزوں کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو معلوم نہیں ہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے'' ان دونوں آیات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہمیں مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں، ۱۔مشرکین مکہ اللہ کو مانتے تھے اور عبادت بھی کیا کرتے تھے، ۲۔غیر اللہ کی عبادت اس مقصد کے تحت کرتے تھے کہ یہ اللہ کے قریب کر دیں گے یعنی انھیں واسطہ رحمت الٰہی سمجھتے تھے ۳۔ وہ غیر اللہ کو اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں سمجھتے تھے یعنی غیر مستقل جانتے تھے، ۴۔تمام اختیارات کا مالک صرف اللہ کو مانتے تھے اس لئے غیر اللہ سے استعانت حقیقی نہیں بلکہ ظاہری کرتے تھے، ۵۔اپنی دانست میں یہ لوگ جن کے بت بنا کر پوج رہے تھے وہ اللہ کے مقبول بندے تھے حالانکہ ان کے بارے میں ان کے مقرب ہونے کی کوئی سند اللہ نے نہیں اتاری تھی، ۶۔مشرکین کی یہ استعانت درحقیقت اللہ ہی سے استعانت تھی، مشرکین مکہ کی توحید کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے اس تلبیہ کو بھی دیکھنا ضروری ہے جو وہ حج کے موقع پر پڑھتے تھے ان کے تلبیہ کے الفاظ بھی وہی تھے جو ہم پڑھتے ہیں مگر ان مروجہ الفاظ کے بعد انھوں نے جو اضافہ کیا تھا اسکو امام مسلم اپنی صحیح میں نقل کرتے ہیں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ عن ابن عباسؓ قال کان المشرکون یقولون لبیک لاشریک لک قال فیقول رسول اللّٰہ ﷺ ویلکم قد قد فیقولون الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک یقولون ھذا وھم یطوفون بالبیت☆رواہ مسلم کتاب الحج باب التلبیۃ وسنتھا ووقتھا ﴾

گویا بالکل وہی تلبیہ پڑھتے تھے جو ہم پڑھتے ہیں مگر ان الفاظ کے اضافہ کیساتھ ''الا شریک ھو لک تملکہ و ما ملک'' یعنی تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کا مالک بھی تو ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی استعانت ہے جس کا ذکر شبیر احمد عثمانی صاحب کرر ہے ہیں پس معلوم ہوا کہ نہ عبادت کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور کی جائز ہے کیونکہ استعانت ہی درحقیقت عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے یہ استعانت خواہ کسی مقبول بندے کے واسطہ ہو یا غیر مقبول کے توسط سے، ظاہری ہو یا حقیقی اور مستقل سمجھ کر کی جائے یا غیر مستقل سمجھتے ہوئے کی جائے ہر صورت میں ناجائز اور حرام ہے لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے وہ مافوق الاسباب اور ماتحت اسباب مدد میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطہ میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور سے اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے حالانکہ اسباب کے

ماتحت ایک دوسرے کی مدد کرنا اور مدد چاہنا شرک نہیں ہے بلکہ اس طرح کی مدد تو انبیاء نے بھی طلب کی ہے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا ''من انصاری الی اللہ''، یعنی اللہ کے دین میں کون میرا مددگار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے مخاطب ہوکر فرمایا ''وتعاونوا علی البر والتقویٰ''، یعنی نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو لیکن مافوق الاسباب کسی سے مدد کا طلب کرنا ممنوع ہے جیسا کہ کسی فوت شدہ شخص کو مدد کیلئے پکارنا، اسکو اپنا حاجت روا اور مشکل کشاہ سمجھنا یا کسی کے بارے میں دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے اور مدد کو پہنچنے کا گمان رکھنا وغیرہ دراصل یہی وہ شرک ہے جس کو مٹانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے تیرہ سال مکہ میں جدوجہد کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو قتل کرنے کے درپہ ہوگئی اور آپ ﷺ کو ہجرت کرکے مدینہ جانا پڑا۔

عربی زبان میں ہر لفظ کی بنیاد کچھ خاص حروف پر ہوتی ہے جسے اس لفظ کا مادہ کہتے ہیں اور لفظ استعانت کا اصل مادہ ''ع و ن'' ہے اسی مادہ سے دو لفظ ایسے بنتے ہیں جن کا مفہوم آپس میں ملتا جلتا ہے ایک ''استعانت''، یعنی مدد طلب کرنا اور دوسرا ''تعاون''، یعنی مدد کرنا لیکن استعمال کے اعتبار سے دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے تعاون وہاں کیا جاتا ہے جہاں کوئی کام کسی کی استطاعت میں ہو مگر کسی سبب وہ اسے کر نہیں پار ہا ہو جبکہ استعانت وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی کام یا مشکل ایسی درپیش ہو جسے کسی بھی صورت میں اپنے بشری تقاضوں کے باعث کرنا ناممکن ہو چناچہ ایسے امور میں کسی ایسی ہستی کی مدد درکار ہوتی ہے جو مافوق الفطرت اور مافوق الاسباب طور سے مدد کرسکے پس اسکا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس ہستی کا حد درجہ احترام اور تشکر مدد کئے جانے والے کے دل میں پیدا ہوگا جو بالآخر عبادت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور عبادت کی تعریف بھی یہی ہے کہ ''غایۃ الحب ماغایۃ الذل والخضوع''، یعنی انتہا درجہ کی محبت میں اپنے آپ کو انتہا درجہ میں کسی کے آگے جھکا دینا عبادت ہے پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ مافوق الفطرت اور مافوق الاسباب طریقہ سے کسی سے مدد کا طالب ہونا استعانت ہے جو کہ شرک ہے اب اس شرک کو سمجھ لینے کے بعد آیئے ہم تبلیغی نصاب سے کچھ انتخاب آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں فیصلہ آپ خود کریں زکریا صاحب فضائل حج میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ حضرت ابوعمروز جاجیؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے ارادہ سے چلا اور حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے ایک درہم مجھے عطا فرمایا میں نے اسکو اپنے کمر بند میں باندھ لیا اسکے بعد جس جگہ بھی پہونچا خود بخود میرا انتظام ہوتا چلا گیا جب حج سے فارغ ہوکر حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا کہ لاؤ ہمارا درہم میں نے خدمت میں پیش کردیا فرمایا اسکی مہر کیسی پائی میں نے کہا بڑی چالو ☆ فضائل حج ص ۲۱۶ ﴾

قابل غور مقام ہے کہ جب جنید کا درھم اس قدر صاحب تصرف ہے تو خود جنید کیا ہوں گے اور اس طرح مافوق الاسباب طور پر مدد کرنے کو استعانت کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں اسکے بعد ایک قصہ اور ملاحظہ فرمایئے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ محمد بن المنکدرؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اسی اشرفیاں امانت رکھیں اور یہ کہہ کر جہاد میں چلا گیا کہ اگر ضرورت پڑے تو خرچ کرلینا میں واپس آکر لے لونگا انکے جانے کے بعد مدینہ میں تنگی زیادہ پیش آئی میرے والد نے وہ خرچ کرڈالیں جب وہ صاحب واپس آئے تو انھوں نے اپنی رقم طلب کی، والد صاحب نے کل کا وعدہ کرلیا اور رات کو قبر اطہر پر حاضر ہوکر عاجزی

کی کبھی قبر شریف کے قریب دعا کرتے کبھی منبر شریف کے متصل تمام رات یوں گذر گئی صبح کے قریب حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کے قریب دعا کر رہے تھے کہ اندھیرے میں ایک شخص کی آواز سنی وہ کہہ رہے ہیں ابو محمد یہ لے لو میرے والد نے ہاتھ بڑھایا تو انھوں نے ایک تھیلی دی جس میں اسی ۸۰ اشرفیاں تھیں ☆ فضائل حج ص ۱۳۳ ﴾

اس واقعہ سے زکریا صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اگر استعانت کی جائے تو آپ ﷺ قبر سے بھی مدد فرماتے ہیں اور اس سے زکریا صاحب اور انکے متعلقین کی توحید میں بھی کوئی فرق نہیں آتا مزید برآں اس واقعہ سے ایک تکنیکی سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ روپیہ کوئی بھی ہو خواہ نوٹ کی شکل میں یا درھم و دینار اور اشرفیوں کی شکل میں ہمشہ حکومت وقت کی مہر سے ہی جاری ہوتا ہے تا کہ ملک میں افراط زر پیدا نہ ہونے پائے اب ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ اشرفیاں جو اس شخص کو قبر سے عطاء ہوئیں وہ اصلی تھیں یا جعلی کیونکہ اگر وہ اصلی تھیں تو اسکا مطلب ہے کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ نے ان اشرفیوں کو سرکاری خزانہ سے یا کہیں اور سے چرایا تھا اور اگر نہیں چرایا تو اس کا مطلب جعلی تھیں کیونکہ وہ حکومت وقت کی منظوری سے جاری نہیں ہوئیں تھیں اور ان پر جو مہر تھی وہ سرکاری نہیں تھی پس اس قسم کی بے سروپا کہانیاں لکھنے سے قبل اور تبلیغی جماعت کے مبلغین کو مسجد میں بیٹھ کر سنانے سے قبل سوچ لینا چاہیے کہ کہیں وہ تبلیغ کی آڑ میں اللہ کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی توہین کے مرتکب تو نہیں ہو رہے ہیں بہر کیف واقعات اس نوعیت کے بہت سے ہیں مگر ہم صرف ایک اور نقل کر کے اس موضوع کو یہاں ہی ختم کرتے ہیں زکریا صاحب فضائل صدقات میں ایک طویل قصہ نقل کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ:

﴿ ایک شخص پانی پت کا رہنے والا تھا جس پر خون کا مقدمہ کرنال میں تھا اور جمنا میں طغیانی کا بہت زور تھا وہ ایک ایک ملاح کی خوشامد کرتا رہا مگر ہر شخص کا ایک ہی جواب تھا کہ ''اس میں تیرے ساتھ اپنے کو بھی ڈبوئیں گے'' یہ بیچارہ غریب پریشان روتا پھر رہا تھا، ایک شخص نے اس کی بد حالی دیکھ کر کہا کہ اگر میر نام نہ لے تو ترکیب میں بتلاؤں، جمنا کے قریب فلاں جگہ پر ایک جھونپڑی پڑی ہوئی ہے اس میں ایک صاحب مجذوب قسم کے رہتے ہیں، ان کے جا کر سر ہو جا، خوشامد، منت سماجت جو کچھ تجھ سے ہو سکے کسر نہ چھوڑنا، اور جتنا بھی برا بھلا کہیں حتی کہ تجھے ماریں بھی تو تو منہ نہ موڑنا چناچہ یہ شخص ان کے پاس گیا اور ان سے خوشامد درآمد کی اور انھوں نے اپنی عادت کے موافق خوب ملامت کی کہ میں کیا کر سکتا ہوں میں کوئی خدا ہوں مگر جب یہ روتا ہی رہا تو ان بزرگ نے کہا جمنا سے جا کر کہہ دے کہ اس شخص نے بھیجا ہے جس نے نہ عمر بھر کچھ کھایا ہے نہ بیوی کے پاس گیا ہے مجھے راستہ دیدے چناچہ یہ گیا اور جمنا نے راستہ دے دیا ☆ فضائل صدقات ص ۵۲۸ ﴾

اس قصے میں قابل اعتراض نکات تو بہت سے ہیں مگر ہم اپنی بات کو موضوع تک محدود رکھتے ہوئے صرف اتنا ہی کہیں گے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے مصر سے نکلے تھے اور راستہ بھٹک کر سمندر کے غلط مقام پر جا نکلے تھے تو انھوں نے نبی ہونے کے باجود سمندر کو راستہ چھوڑ دینے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اللہ کے حکم کا انتظار کیا تھا اور جب اللہ کا حکم آیا کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو سمندر تمہیں راستہ دیدے گا تب انھوں نے ایسا کیا لیکن زکریا صاحب کے قصہ میں مجذوب صاحب نے براہ راست دریا کو حکم دیدیا اور دریا تھم گیا اس قسم کی

استعانت کے تو کفار مکہ بھی قائل نہیں تھے بلکہ وہ بھی اپنے اولیا کو اللہ کے حکم کا پابند مانتے تھے اوران کا عقیدہ تھا کہ ان بتوں کی اپنی کوئی طاقت نہیں بلکہ یہ اللہ کے حکم سے ہماری مدد کرتے ہیں قرآن میں متعدد مقامات پر اس بات کا اثبات موجود ہے جبکہ زکریا صاحب تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بلکل ہی معطل کر کے رکھا دیا ہے اسی طرح کی ایک دوسری مثال بھی ملاحظہ فرمائیے جس سے استعانت کا مسئلہ مزید واضح ہو کر قارئین کے سامنے آجائے گا لکھا ہے کہ:

﴿ ایک صاحب حضرت حاجی امداداللہ صاحب چشتی صابری تھانوی ثم المکی سلمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت تھے حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جاتے تھے بمبئی سے آگبوٹ میں سوار ہوئے آگبوٹ نے چلتے چلتے ٹکر کھائی اور قریب تھا کہ چکر کھا کر غرق ہوجائے یا دوبارہ ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے، انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ کونسا وقت امداد کا ہوگا اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر کارساز مطلق ہے اسی وقت ان کا آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں نے نجات پائی، ادھر تو یہ قصہ پیش آیا، ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر تو دباؤ نہایت درد کرتی ہے خادم نے کمر دباتے دباتے پیرہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے، پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے کمر کیوں کر چھلی، فرمایا کچھ نہیں پھر پوچھا آپ خاموش رہے تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے، فرمایا ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا اس میں تمہارا دینی اور سلسلہ کا بھائی تھا اسکی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا، آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر اٹھایا جب آگے چلا اور بندگان خدا کو نجات ملی اسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر کسی نہ کرنا ☆ کرامات امدادیہ ص ۳۶ ﴾

اسی واقعہ کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ مولانا اشرف علی تھانوی نے ارواح ثلاثہ حکایت نمبر ۱۵۴ ص ۱۹۳ پر بھی تحریر کیا ہے مگر وہاں یہ صراحت ہے کہ جب وہ مرید حاجی امداداللہ صاحب سے ملا اوران کو سارا واقعہ بیان کیا کہ مشکل کے وقت کس طرح آپ نے میری مدد کی تھی تو حاجی صاحب نے کہا کہ '' اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے کسی بندے کی صورت سے کام لے لیتے ہیں'' ۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ توحید

تیسرا رخ وسیلہ

شرک کی جو شکلیں مختلف ادوار میں متعدد اقوام میں رائج رہی ہیں ان میں سے ایک وسیلہ بھی ہے اس نوعیت کے وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی چیز براہ راست اللہ سے طلب کرنا مگر اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے کسی کی سفارش کو بھی اپنی دعا کے ساتھ منتھی کر دینا شرک کی یہ شکل بہت قدیم ہے اور آج کے مسلمانوں میں بھی شرک کی یہ شکل جوں کی توں موجود ہے اسکے ممنوع نہ ہونے کی دلیل آج کے مسلمان قرآن سے لیتے ہیں سورہ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ یاایھاالذین امنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ☆ سورہ المائدہ ۳۵ ﴾

یعنی'' اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اسکی جانب وسیلہ تلاش کرو اور اسکی راہ میں جہاد کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو'' یہاں وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اسکے قرب کا ذریعہ ہو'' اللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ تلاش کرو'' کا مطلب ہوگا ایسے اعمال اختیار کئے جائیں جن سے اللہ کی رضا اور اسکا قرب نصیب ہو جائے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ:

﴿ ان الوسیلۃ : التی ھی القربۃ ، تصدق علی التقویٰ و علی غیرھا من خصال الخیر، التی یتقرب العباد بھا الی ربھم ☆ تفسیر سورہ المائدہ آیت ۳۵ از صلاح الدین یوسف مطبع السعودیہ العربیۃ ﴾

یعنی'' وسیلہ جو قربت کے معنی میں ہے، تقویٰ اور دیگر خصال خیر پر صادق آتا ہے جن کے ذریعے سے بندے اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں'' اسی طرح منہیات و محرمات کے اجتناب سے بھی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اس لئے منہیات و محرمات کا ترک بھی وسیلہ ہے مزید برآں حدیث میں مقام محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو جنت میں نبی کریم ﷺ کو عطاء فرمایا جائے گا اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان اذان کے بعد میرے لئے دعائے وسیلہ کرے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا مستحق ہوگا اس دعا کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلواۃ القائمۃ آت محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ ☆ رواہ البخاری و مسلم ﴾

یعنی'' اے اللہ! یہ اذان اور اسکے نتیجہ میں کھڑی ہونے والی نماز سے محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطاء فرما اور انھیں مقام محمود پر پہنچا دے جس کا کہ تو نے وعدہ کیا ہے'' پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں وارد لفظ'' وسیلہ'' سے مراد یا تو اللہ کا قرب بذریعہ عمل ہے یا جنت کا ایک مقام ہے لیکن زکریا صاحب اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ واحدی، بغدادی اور زمخشری سے بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے کہ وسیلہ ہر وہ چیز ہے جس سے تقرب حاصل کیا جاتا ہو، قرابت ہو یا کوئی اور عمل، اور اس قول میں نبی کریم ﷺ سے توسل کرنا بھی داخل ہے، علامہ جزریؒ نے حصن حصین میں آداب دعاء میں لکھا ہے کہ'' وان یتوسل الی اللہ تعالیٰ بانبیاء'' یعنی توسل حاصل کرے اللہ جل شانہ کی طرف اسکے انبیاء کے ساتھ اور اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ جیسا کہ بخاری سے معلوم ہوتا ہے ☆ فضائل درود ص ۴۹ ﴾

یہاں زکریا صاحب صحیح بخاری کے جس توسل کا حوالہ دے رہے ہیں آیئے ہم اس کی تفصیل دیکھتے ہیں صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ:

﴿ ان عمر بن الخطابؓ کان اذا قحطوا استسقیٰ بالعباس ابن عبدالمطلبؓ عنہ فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا ﷺ فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم بنبینا فاسقنا قال فیسقون ﴾

یعنی'' عمر فاروقؓ قحط کے موقعہ پر عباسؓ بن عبدالمطلب سے دعائے استسقاء کرواتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے اللہ! پہلے ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعاء استسقاء کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے دعائے استسقاء

کرتے ہیں، پس ہمیں سیراب کردے، اس پر خوب بارش ہوئی ''امام بخاری اس حدیث کو کتاب المناقب میں ابن عباسؓ کے مناقب کے ضمن میں لائے ہیں اور اسی حدیث کو دوسری جگہ کتاب الجمعہ میں ''سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا''یعنی قحط کے موقعہ پر امام کا لوگوں سے استسقاء کے لئے درخواست کے عنوان کے تحت لائے ہیں لیکن امام بخاری نے کہیں بھی اس حدیث سے بزرگوں سے وسیلہ پر استدلال نہیں کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث میں موجود لفظ ''توسل'' سے مراد اپنی قوم میں موجود کسی بزرگ ہستی سے دعا کی درخواست ہے اور یہ حدیث اس بات کی قوی دلیل ہے کہ عمر فاروقؓ نبی کریم ﷺ کو زندہ نہیں مانتے تھے ورنہ دعا کی درخواست ابن عباسؓ کے پاس لے جانے کے بجائے نبی کریم ﷺ کی قبر پر لے جاتے یا توسل حاصل کرنا چاہتے اور یہ یقین رکھتے کہ دنیا سے رخصت ہو جانے والے کا بھی توسل حاصل کیا جا سکتا ہے تو یہ نہ کہتے کہ اے اللہ پہلے ہم تیرے نبی ﷺ کا توسل حاصل کرتے تھے اب ان کے چچا کو توسل بنارہے ہیں جبکہ زکریا صاحب کی ساری کوشش اسی مؤقف کو ثابت کرنے میں لگی ہوئی ہے کہ مردوں سے توسل جائز ہے حالانکہ خود احناف اس مسئلہ میں بریلویوں کا رد کرتے رہے ہیں ہیں مثلاً سورہ المائدہ کی اس آیت سے چونکہ بریلوی وسیلہ پر استدلال کرتے ہیں لہذا ان کی نفی کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب بیان القرآن کے مسائل السلوک میں اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ اس آیت میں وسیلہ سے مراد تقرب ہے اور توسل بالصالحین اس سے ثابت نہیں ہوتا ﴾

اسکے علاوہ علامہ طحاوی حنفی نے وسیلہ کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کا جو قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿ ولهذا قال ابو حنيفة وصاحباه رضى الله عنهم يكره ان يقول الداعى اسالک بحق فلان اوبحق انبيائک ورسولک و بحق بيت الحرام و مشعر الحرام و نحو ذالک حتى كره ابوحنيفةو محمد رضى الله عنهما ان يقول الرجل اللهم انى اسالک بمعقدالعزمن عرشک ☆ شرح عقيده طحاوية ص۲۳۷ ﴾

یعنی'' امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین نے اس بات کو ناجائز کہا ہے کہ اپنی دعا میں اس طرح کہے کہ اے اللہ فلاں کے واسطہ سے میری دعا قبول فرما یا یوں کہے کہ اپنے انبیاء اور رسولوں کے واسطہ سے یا یہ کہے کہ بیت اللہ الحرام اور مشعر الحرام کے واسطہ سے یہ دعا قبول فرما حتی کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے اس طرح بھی دعا کرنے سے منع فرمایا اور مکروہ جانا کہ اے اللہ میں تجھ سے تیرے عرش کی عزت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں''، یعنی سلف میں اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ بزرگوں کے وسیلہ سے دعا کرنا بدعت ہے لیکن زکریا صاحب تبلیغی نصاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حاجی (نبی کریم ﷺ) کی قبر پر سلام کے بعد اللہ جل شانہ سے حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے اور حضور ﷺ سے شفاعت کی دعا کرے بعض علماء نے توسل سے منع فرمایا ہے لیکن جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں ☆ فضائل حج فصل ۹ آداب زیارت ﴾

معلوم ہوتا ہے کہ زکریا صاحب امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کو بھی جمہور علماء کی فہرست سے خارج تصور کرتے ہیں ورنہ ایسی بات کبھی نہ لکھتے تبلیغی جماعت کے اکابرین میں سے ایک اور بڑی شخصیت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی ہے وہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء، صلحاء، اولیا، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی حیات میں یا بعد از وفات بایں طور کہ کہے یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں یا اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اسکی تصریح فرمائی ہمارے شیخ مولانا محمد اسحاق دہلوی ثم المکی نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اسکو بیان فرمایا ہے ☆ المہند علی المفند یعنی عقائد علمائے دیوبند ص ۳۷ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ دیوبندی علماء کے عقائد امام ابوحنیفہؒ سے بہت مختلف ہیں بہرکیف جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے انھوں نے وسیلہ کے حقیقی مفہوم کو چھوڑ کر اس قسم کے توسل کو اپنا نصب العین بنالیا ہے اور اس حقیقی وسیلہ کو چھوڑ کر قبروں میں مدفون لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ جن لوگوں کو یہ اپنا وسیلہ سمجھتے ہیں ان کے بارے میں قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ:

﴿ اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلة ایھم اقرب و یرجون رحمتہ و یخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذورا ☆ سورہ الاسراء ۵۷ ﴾

یعنی ” جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ لوگ تو خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہوجائے، وہ اسکی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اسکے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں بے شک تمہارے رب کا عذاب ہی ڈرنے کی چیز ہے“ کفار مکہ کے اکثر معبود فرشتے اور جنات تھے یہاں اس آیت میں اسی چیز کا بیان ہو رہا کہ وہ تو خود اپنے رب کا تقرب تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں تمہیں ان کے تقرب سے بھلا کیا فائدہ ہوسکتا ہے پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا جس کی مشرکین عبادت کیا کرتے تھے وہ محض پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں بلکہ وہ انبیاء، صالحین، فرشتوں اور جنات وغیرہ کے مجسمے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی بابت فرمایا کہ وہ کسی کے لئے کچھ نہیں کرسکتے کیونکہ اگر وہ فرشتے اور جنات ہیں تو وہ تو خود اپنے رب کی رضا اور تقرب کی تلاش میں ہیں اور اگر انبیاء اور صالحین ہیں تو دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کا عمل منقطع ہوگیا ہے اور دعا یا سفارش بھی چونکہ ایک عمل ہے لہذا موت کے بعد ممکن نہیں کہ وہ کسی سفارش کرسکیں بلکہ قرآن نے دوسرے مقامات پر اسکی بھی صراحت کردی ہے کہ وہ تو تمہاری پکار تک سننے کے قابل نہیں ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ انک لاتسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین ☆ النمل ۸۰ ﴾

یعنی ” بے شک آپ ﷺ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں خاص طور سے جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں“ لیکن جن لوگوں کے دل میں شرک کا مرض جڑ پکڑ چکا ہے وہ سمع موتہ پر ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو مردوں کے سننے کے بارے میں ہیں حالانکہ اگر کسی خاص موقعہ پر اللہ تعالیٰ مردوں کو کچھ سنوادے تو یہ عام قاعدہ کے خلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ ایک معجزہ شمار ہوگا اور معجزہ کہتے ہی اسکو ہیں جو خلاف عادت ہو اور عام اصول سے ہٹ کر ہو اس لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ ومایستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور ☆ سورہ فاطر ۲۲ ﴾

یعنی ” زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوسکتے، اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے، اور آپ ﷺ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں“

اب جو سن ہی نہ سکتا ہو وہ بھلا کسی کا توسل اور وسیلہ کیوں اور کیسے بن سکتا ہے پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی شخص کے لئے کوئی چیز اگر وسیلہ بن سکتی ہے تو وہ اسکا اپنا ذاتی عمل ہے اور جو لوگ قبروں پر جا کر مراقبے،طواف،نذر نیاز،قربانی اور احتراماً قیام کرتے ہیں وہ توسل کا ذریعہ ہرگز نہیں بن سکتا بلکہ یہ تمام اعمال شرکیہ ہیں اور اسلام میں ان چیزوں کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن تبلیغی جماعت اپنے متعلقین کو جو تعلیم دیتی ہے اس کی چند مثالیں آپ کے لئے پیش خدمت ہیں زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ جب حضرت آدم علیہ السلام سے دانہ کھانے کی خطا صادر ہوئی تو انھوں نے اللہ جل شانہ سے حضور ﷺ کے طفیل دعا کی اللہ جل شانہ نے دریافت کیا کہ آدمؑ تم نے کیسے جانا ابھی تو میں نے ان کو پیدا ابھی نہیں کیا تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا یا اللہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا اور مجھ میں جان ڈالی تھی تو میں نے عرش کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے پاک نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے وہ ساری مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا بے شک وہ ساری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور جب تم نے اسکے طفیل مغفرت طلب کی تو میں نے تمہاری خطاء معاف کردی ☆ فضائل حج ص ۱۱۵ ﴾

یہاں زکریا صاحب نے اپنے عقیدہ توسل کو ثابت کرنے کے لئے آدم علیہ السلام کو بھی ایک جھوٹی روایت کی بنیاد پر توسل کے شرک میں ملوث کردیا اور یہی نہیں بلکہ امام مالکؒ کی جانب بھی ایسی ہی ایک جھوٹی روایت سے وسیلہ کا مشروع ہونا ثابت کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ خلفاء عباسیہ میں سے منصور عباسی نے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ دعا کے وقت حضور اقدس ﷺ کی طرف چہرہ کروں یا قبلہ کی طرف تو حضرت امام مالک نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی طرف سے منہ ہٹانے کا کیا محل ہے جبکہ آپ ﷺ تیرا بھی وسیلہ ہیں اور تیرے باپ آدمؑ کا بھی وسیلہ ہیں ☆ فضائل حج ص ۱۱۴ ﴾

حالانکہ امام مالک اپنی مؤطا میں ایک حدیث لائے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ ان رسول اللہ ﷺ قال اللھم لاتجعل قبری وثنایعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد ☆ رواہ مؤطامالک کتاب نداء للصلاۃ باب جامع الصلاۃ ﴾

یعنی ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنے دینا کہ اسکی پوجا کی جائے،اللہ کا غضب اس قوم پر سب سے زیادہ ہوتا ہے جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتی ہے“ معلوم ہونا چاہیے کہ دعا بھی عبادت ہی ہے بلکہ ایک حدیث میں آیا کہ دعا عبادت کا مغز ہے اور ایک جگہ آیا کہ دعا ہی اصل عبادت ہے پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ امام مالک اس حدیث کو اپنی مؤطا میں نقل کریں اور فتویٰ اسکے برخلاف دیں اور معلوم ہونا چاہیے کہ اس موجودہ دور تک بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی قبر کو اس عبادت سے بچائے رکھا ہے آج

بھی وہاں ہر وقت محافظین موجود رہتے ہیں اور اگر کوئی شخص بھی نبی کریم ﷺ کی قبر کی طرف منہ کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو وہ محافظین اسکا چہرہ فوراً قبلہ کی جانب پھیر دیتے ہیں اس ضمن میں یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ ہمارے بعض ممالک میں یہ وبا بہت عام ہے کہ لوگ جب کسی قبر پر جاتے ہیں تو وہاں قبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ غلط ہے اسکے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ قبر پر ہاتھ اٹھائے بغیر سورہ فاتحہ کے بجائے وہ دعا پڑھی جائے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہی ہو تو اسکے لئے قبلہ رخ ہونے کا اہتمام لازم کیا جائے نیز کسی کو ولی یا صالح سمجھ کر اس سے دعا نہ کی جائے بلکہ اسکی مغفرت اور جنت میں درجات کی بلندی کے لئے اس میت کے حق میں دعا کی جائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہود قبر کی طرف اور مشرکین مورتیوں کی طرف منہ کر کے صرف اللہ سے دعا ہی مانگتے ہیں مگر اسکے باوجود وہ کافر کہلائے جاتے ہیں تو مسلمانوں کو یہ اجازت کس نے دی ہے کہ وہ قبر پر کھڑے ہو کر اپنے لئے دعا کریں یہی عمل تو اصل شرک ہے اگر اسی کو باقی رہنے دیا جائے تو پھر الحاد سے کیونکر بچا جا سکتا ہے اور جب ایک مرتبہ وسیلہ دروازہ کھول دیا جائے تو انسان اعمال حسنہ کی مشکل راہ کو چھوڑ کر وسیلہ کی تلاش میں دربدر بھٹکتا پھرتا ہے اور اپنی دانست میں اپنے بزرگوں میں سے جس کو بھی ولی اللہ سمجھتا ہے اس کا وسیلہ اختیار کرتا ہے مثلاً تبلیغی نصاب کے آخر میں شامل خصوصی ضمیمہ میں محمد احتشام الحسن تبلیغی جماعت کے اکابرین کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے میری بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی پردہ پوشی فرما دیں اور مجھے اور آپ کو ان مقدس ہستیوں کے طفیل سے اچھے کردار نصیب فرما دیں ☆ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج ص۲ ﴾

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا احتشام صاحب پر وحی آئی ہے کہ ان کے اکابرین مقدس ہستیاں ہیں حالانکہ قارئین دیکھ ہی رہے ہیں کہ ان اکابرین نے کیسے کیسے غلط عقیدے پھیلا کر امت کو گمراہ کیا ہے یعنی جب ہم کسی غیر نبی کے بارے میں جانتے ہی نہیں کہ اسکا اپنے رب کے یہاں کیا مقام ہے تو پھر اس سے وسیلہ پکڑنا کیا معنی رکھتا ہے اور جہاں تک انبیاء کی بات ہے تو ان کا یقیناً اپنے رب کے یہاں بہت اونچا مقام ہے مگر انھوں نے اپنی امت لئے وسیلہ نہیں بلکہ اتباع چھوڑی ہے جسکو اپنا کر اپنے مقام کو بلند کیا جا سکتا ہے خلاصہ یہ کہ بزرگوں کا وسیلہ اختیار کرنا شرک ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے پس اس سے بچنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ توحید اسماء وصفات

توحید اسماء وصفات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں ان کو بغیر کسی تاویل و تحریف کے تسلیم کیا جائے اور ان میں سے وہ صفات جو مخلوق میں بھی پائی جاتی ہیں جیسا کہ سماعت، بصارت، چہرہ اور ہاتھ وغیرہ ان کو ان ہی ناموں سے پکارا جائے البتہ یہی صفات جب مخلوق میں ہوں گی تو محدود اور ناقص ہونگی لیکن جب خالق میں ان صفات کا اثبات کیا جائے گا تو یہی صفات غیر محدود اور غیر ناقص شمار کی جائیں گی لیکن جماعت دیوبند کے غلط عقائد میں ایک عقیدہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے انکار کا بھی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مشابہت لازم آتی ہے جیسے کہ اللہ کا ہاتھ، اللہ کا پاؤں اور اللہ کا چہرہ وغیرہ جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے لیکن دیوبندی علماء اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا انکار کرتے ہوئے ان کی تاویل صفتِ قدرت سے کرتے ہیں جسکی ایک مثال تبلیغی نصاب میں بھی

موجود ہے قرأت قرآن کے آداب وشرائط کے ضمن میں شرائط کا بیان کرتے ہوئے ذکریا صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ نویں علم عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جنکے ظاہری معنی کا اطلاق حق سبحانہ وتقدس پر صحیح نہیں ہے اسلئے اس میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے کہ'' ید اللہ فوق ایدیھم '' (یعنی اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے) ☆ فضائل قرآن ص ۱۹ ﴾

یعنی زکریا صاحب یہاں اپنا اور اپنی جماعت دیوبند کا یہ عقیدہ بیان فرما رہے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا انکار کرتے ہیں جن کو تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ پر مخلوق کی مشابہت لازم آتی ہے اس عقیدہ کی بنیاد قرآن کی اس آیت پر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ **لیس کمثله شئی وهوالسمیع البصیر** ☆ **سوره الشوریٰ ۱۱** ﴾

یعنی'' اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ دیکھتا اور سنتا ہے'' عجیب بات ہے کہ پورے قرآن میں صرف یہی ایک آیت ہے جو اللہ کے مثل کسی چیز کے ہونے کی نفی کرتی ہے جبکہ بقیہ پورا قرآن اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے بھرا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اسکی مخلوق میں مشترک ہیں بلکہ اسی آیت کا اگلا حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان صفات کا اثبات کر رہا ہے جو مخلوق میں بھی پائی جاتی ہیں یعنی سمع اور بصر دو ایسی صفات ہیں جو مخلوق میں سے اکثر میں پائی جاتی ہیں پس ایسی صورت میں اس آیت کریمہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس آیت سے قرآن کی اصل مراد کیا ہے۔

جو لوگ اس آیت کا یہ معنی کرتے ہیں کہ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں'' وہ اس آیت میں لفظ '' کمثله'' میں '' ک ''کو زائد مانتے ہیں کیونکہ ''ک '' کے معنی بھی مثل ہوتے ہیں اور ''مثل'' کے معنی بھی مثل ہوئے ''ک'' کو مثل کے معنی میں استعمال کرنے کی قرآن میں متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً ایک جگہ آیا ہے کہ:

﴿ **واذ قیل لهم امنو کما امن الناس قالو انو من کماامن السفهاء** ☆ **البقرة ۱۳** ﴾

یعنی'' جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ان لوگوں کے مثل تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ان لوگوں کے مثل ایمان لائیں جو بے وقوف ہیں'' اور لفظ'' کمثل'' بھی قرآن میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے اور تقریباً ہر جگہ یہ لفظ ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دینے کے لئے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ **ان مثل عیسیٰ عندالله کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون** ☆ **سوره آل عمران ۵۹** ﴾

یعنی'' اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی مثال کے مثل ہے جسے مٹی سے بنا کر کہا ہو جا پس وہ ہو گیا'' اس وجہ سے بعض لوگ مثل کا اس نوعیت کا استعمال بطور مبالغہ کے کہتے ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ ''ک'' مثل کے معنی میں اور مثل بطور زائد استعمال ہوا ہے لیکن اس طرح کی تمام تاویلات سے قرآن کے جامع الکلام ہونے پر زد آتی ہے کیونکہ کسی بھی کلام میں کسی حرف کا زائد ہونا اسکے ناقص ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ قرآن کلام اللہ ہونے کے سبب ہر قسم کے نقص سے پاک ہے چنانچہ اس آیت کی جو تشریح

ابوحیان اندلسی نے تفسیر البحر المحیط میں کی ہے وہ سب سے زیادہ صحیح اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے عین مطابق ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ ویحتمل أیضاً ان یراد بالمثل الصفة و ذالک سائغ یطلق المثل بمعنی المثل و ھوا الصفة فیکون المعنی لیس مثل صفته تعالیٰ شئي من الصفات التی لغیره و ھذا محل سھل و الوجه الاول اعوص ﴾

یعنی'' اور احتمال یہ ہے کہ لفظ مثل بمعنی صفت کے ہو کیونکہ مثل کا صفت کے معنی میں استعمال ہونا لغت عرب میں معروف و مشہور ہے اکثر اوقات لفظ مثل بولا جاتا ہے اور اس سے صفت مراد لی جاتی ہے پس آیت لیس کمثلہ شئي کا معنی ہوگا اس کی صفت جیسی کسی مخلوق کی صفت نہیں، وہ اپنی تمام صفات میں واحد و منفرد ہے اور اس کی صفات مخلوق کی صفات سے مکمل الگ اور جدا ہیں، اور آیت کو اس معنی پر محمول کرنا آسان ہے جبکہ دوسری توجیہات صعب اور مشکل ہیں'' یعنی اس آیت کی یہ تشریح عقیدہ توحید سے مکمل طور پر آہنگ ہے اور دوسری توجیہات اس طرح نہیں ہیں ان پر اعتراضات بہت ہیں مثلاً جو لوگ صفات کی تاویل کرتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات واحد ہے اور صفت بھی واحد ہے اسکی تمام صفات ایک ہی صفت کے تابع ہیں لیکن یہ قول اس وجہ سے صحیح نہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں اپنی صفات کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے تو ہم محض کسی عقلی دلیل کی بنیاد پر کس طرح اسکی صفات کو یکجا کر سکتے ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اسکی ذات کے ساتھ بیک وقت اور ہمہ وقت موجود ہوتی ہیں خواہ وہ متضاد صفات ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ الرحمٰن الرحیم بھی ہے اور القہار بھی اور یہ دونوں ہی صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ بیک وقت موجود تسلیم کی جائیں گی جبکہ انسان میں متضاد صفات بیک وقت نہیں پائی جاتیں پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ نوعیت کے اعتبار سے اسکی صفات جیسی کسی مخلوق کی صفات نہیں ہیں

حاصل کلام یہ کہ اللہ کی صفات کی نوعیت اور کیفیت کو مخلوق میں کسی سے کوئی نسبت نہیں ہے باوجود اس کے کہ مخلوق کی صفات اور خالق کی صفات آپس میں ہم نام ہیں غالباً اسی سبب حافظ ابن کثیر نے اس آیت میں وارد نفی کا تعلق اسی آیت کے گذشتہ بیان سے جوڑا ہے یہ آیت مکمل طور پر اس طرح ہے کہ:

﴿ فاطر السموات والارض جعل لکم من انفسکم ازواجا ومن الانعام ازواجا یذروکم فیه لیس کمثله شئی وھو السمیع البصیر ☆ سوره الشوریٰ ۱۱ ﴾

یعنی'' وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں اور چوپایوں کے جوڑے بنا دیئے وہ تمہیں اس میں پھیلا رہا ہے اس کے مثل کوئی نہیں ہے اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے'' حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے'' لیس کمثله شئی'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ أي لیس کخالق الازواج کلھا شئی لأنه الفرد الصمد الذی لا نظیر له ﴾

یعنی'' اس جیسا خالق کوئی نہیں جس نے ہر شئے کا جوڑا پیدا کیا وہ اپنی صفت تخلیق میں منفرد ہے اسکی کوئی نظیر نہیں ہے'' اسکا مطلب یہ ہوا کہ یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام صفات کا نہیں بلکہ صرف صفت تخلیق کا بیان ہو رہا ہے کہ اس جیسی تخلیقی صفت کسی میں نہیں ہے اور اگر اس آیت کا اطلاق تمام صفات پر کیا جائے تب بھی یہی کہا جائے گا کہ مخلوق کی صفات اللہ کی صفات کے مشابہ ہونے کے باوجود اللہ کی صفات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں جیسا کہ ہم مخلوق ہی میں آپس میں اگر تقابل کریں تو ایک مخلوق کی وہی صفت دوسری مخلوق میں بالکل مختلف نظر آتی ہے مثلاً سنتا انسان بھی ہے اور جانور بھی سنتا ہے مگر باوجود صفت سمع میں مشابہت ہونے کے

دونوں کے سننے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے اسی طرح کی نوعیت اور نسبت دوسری تمام صفات میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اسی چیز کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جنت اور اسکی نعمتیں ایک ایسی جگہ ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل پر کبھی اسکا شائبہ تک گذرا جبکہ'' قرآن کریم نے جنت کا بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

﴿ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنیوالوں کو جنت کی خوشخبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہیں جو ہم پہلے بھی استعمال کرچکے ہیں ☆ سورہ البقرۃ آیت ۲۵ ﴾

یعنی وہ پھل مشابہ ہوں گے ان پھلوں کے جو وہ دنیا میں بھی استعمال کرچکے ہوں گے لیکن اپنے ذائقہ کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوں گے پس اسی طرح اللہ صفات بھی بظاہر مخلوق کی صفات کے مشابہ ہونے کے اپنی کیفیت اور وقوع کے اعتبار سے قطعی مختلف شمار ہوں گی یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ رہا ہے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں جو توحید کا باب قائم کیا ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے قرآن میں مذکور تمام صفات کا اثبات کیا ہے اور خاص طور سے ان صفات کے اثبات میں احادیث لائے ہیں جن صفات کی مخلوق سے مشابہت کی بنا پر بعض لوگوں نے تاویل کی ہے جیسا کہ اللہ کا ہاتھ، اللہ کی آنکھیں اور اللہ کا چہرہ وغیرہ پس معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اسکی تمام صفات کے ساتھ بلا کسی تاویل ماننا صحیح توحید اسماء وصفات ہے۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ استویٰ علی العرش

عام مشاہدے کی بات ہے کہ ہمارے یہاں جب کوئی شخص عدالت میں گواہی دینے کے لئے پیش ہوتا ہے تو اس سے قرآن پر ہاتھ رکھوا کر یہ حلف لیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کو حاضر وناظر جان کر جو کچھ کہے گا سچ کہے گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہے گا یعنی اس شخص سے یہ قسم لی جاتی ہے کہ وہ کچھ بھی کہے اس بات کا یقین رکھتے ہوئے کہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بذاتہ وہاں موجود ہے اور اسے دیکھ رہا ہے حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے کوئی بھی نام حاضر یا ناظر نہیں ہے اسکے بجائے قریب اور بصیر اللہ کے دو صفاتی نام ہیں جو حاضر و ناظر سے ملتا جلتا مفہوم دیتے ہیں مگر ان دونوں ناموں میں اللہ کے بذاتہ موجود ہونے کا مفہوم نہیں پایا جاتا جبکہ حاضر اور ناظر میں بذاتہ موجود ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے اس اعتبار سے حاضر وناظر، قریب وبصیر کے متبادل کے طور پر استعمال نہیں ہوسکتے نیز معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام نام توقیفی یعنی قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان توقیفی اسماء کے علاوہ اپنی جانب سے گھڑا ہوا کوئی نام استعمال کرنا جائز نہیں ہے پس معلوم ہونا چاہیے کہ جو لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے حاضر وناظر کے نام استعمال کرتے ہیں اسکی بنیاد دراصل اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کے عقیدہ پر ہے جو کہ مسلک دیوبند کے فاسد عقائد میں سے ایک ہے اس عقیدہ کی تائید تبلیغی نصاب میں موجود زکریا صاحب کے بیان کردہ ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ ہمارے حضرت مولانا الشاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہ کے خدام میں ایک صاحب تھے جو کئی کئی روز اس وجہ سے استنجے نہیں جاسکتے تھے کہ ہر جگہ انوار نظر آتے تھے اور بھی سینکڑوں ہزاروں واقعات اس قسم کے ہیں جن میں کسی قسم کے تردد کی گنجائش نہیں کہ جن لوگوں کو کشف سے

کچھ حصہ ملتا ہے وہ اس حصہ کے بقدر احوال معلوم کر لیتے ہیں ☆ فضائل ذکر ص ۱۷۱ ﴾

اس واقعہ پر اعتراض کرتے ہوئے ایک کسی صاحب نے زکریا صاحب کو اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا کہ:

﴿ استنجاء میں نہ جا سکنے کا واقعہ کیا ہی عجیب ہے، بیت الخلاء بھلا انوار کی جگہ کیسے ہو سکتا ہے وہ تو جنات اور خبائث کا مرکز ہے ﴾

اس کا جواب دیتے ہوئے زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ بیت الخلاء کا محل خباثت و جنات ہونا بندہ کے خیال میں اسکے تو منافی نہیں کہ وہاں انوار نہیں ہو سکتے کون سی جگہ ایسی ہوگی جہاں اللہ کا نور نہ ہو " **الله نورالسموات والارض** " کی تفسیر بیان القرآن حصہ مسائل السلوک میں ملاحظہ فرمالیں ☆ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۲۲۰ ﴾

زکریا صاحب کی ہدایت کے بموجب ہم نے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی تفسیر بیان القرآن کی جانب رجوع کیا اور وہاں جو کچھ پایا ہے اسے جوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جسے پڑھ کر قارئین خو فیصلہ کریں کہ کیا اسطرح کا عقیدہ رکھنے والوں کو اہلسنت والجماعت میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ سورہ نور کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تھانوی صاحب مسائل السلوک کے تحت لکھتے ہیں کہ:

﴿ امام غزالی نے نور کی تفسیر ظاہر بنفسہ ومظہر لغیرہ سے کر کے اسکا مصداق وجود کو ٹھہرایا ہے تو نور السموات والارض کے معنی وجود السموات والارض ہوئے اور حاصل مسئلہ وحدت الوجود کا یہی ہے ☆ تفسیر بیان القرآن مسائل السلوک سورہ نور آیت ۳۵ ﴾

یہاں اشرف علی تھانوی صاحب نے جو بات کہی ہے یہی بات دراصل سارے فساد کی جڑ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا عقیدہ ہی درحقیقت عقیدہ وحدت الوجود تک جانے کا راستہ ہے پس جو کوئی بھی یہ عقیدہ رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ ہر جگہ موجود ہے اور پھر اپنے اس عقیدہ پر غور فکر کرتا رہے گا وہ بالآخر عقیدہ وحدت الوجود پر جا کر ہی دم لے گا کیونکہ جب کوئی یہ سوچے گا کہ ہر جگہ اللہ موجود ہے یعنی کائنات کے ہر ہر ذرہ میں اللہ موجود ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ پتھر میں بھی اللہ ہے، درخت میں بھی اللہ ہے، جانور میں بھی اللہ ہے اور خود میرے اندر بھی اللہ ہے پھر کسی بھی چیز کی عبادت کی جائے اللہ ہی کی عبادت ہوگی، تبلیغی جماعت کے اکابرین اللہ تعالیٰ کو عرش پر مستوی نہیں بلکہ ہر جگہ مانتے جیسا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری اپنی جماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے اور ان آیات کی تاویل کرتے ہوئے جن میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے اثبات ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ اس قسم کی آیات میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت سے بحث نہیں کرتے یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مخلوق کے اوصاف سے منزہ اور نقص سے پاک و حدوث کی علامات سے مبرا ہے جیسا کہ ہمارے متقدمین کی رائے ہے اور ہمارے متاخرین اماموں نے ان آیات میں جو صحیح اور لغت وشرح کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں تا کہ کم فہم سمجھ لیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت ہو تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے البتہ

جہت ومکان کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ہم جائز نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت ومکانیت اور جملہ علاماتِ حدوث سے منزہ وعالی ہے ☆ المہند علی المفند یعنی عقائد علمائے دیوبند ص ۴۸ ﴾

اسی عقیدہ کو مولانا زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے جو حصہ حضور ﷺ کے بدن سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ سے افضل ہے، عرش سے افضل ہے، کرسی سے افضل ہے حتیٰ کہ آسمان وزمین کی ہر جگہ سے افضل ہے ☆ فضائل حج ص ۱۰۹ ﴾

زکریا صاحب کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ:

﴿ ایک مؤمن کی عزت اللہ کے نزدیک کعبہ سے افضل ہے پس نبی کریم ﷺ بدرجہ اولیٰ افضل ہوئے اور انکی قبر کی جگہ بھی کعبہ سے افضل ہوئی اور چونکہ حضور ﷺ کا جسد اطہر موافقین ومخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے کیونکہ عرش پر معاذ اللہ حق تعالیٰ سبحانہ بیٹھے ہوئے نہیں ہیں اگر بیٹھے ہوئے ہوتے تو وہ جگہ سب سے افضل ہوتی ☆ امداد الفتاویٰ، کتاب العقائد والکلام ص ۱۱۳ ج ۶ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغی جماعت کے تمام دیوبندی اکابرین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بذاتہ عرش پر موجود نہیں بلکہ ہر جگہ موجود ہے اب جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ بذاتہ موجود ہے وہ قرآن کی بعض آیات سے دلیل لیتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا اشاد ہے کہ:

﴿ ولقد خلقنا الانسان ونعلم مايوسوس به نفسه ونحن اقرب اليه من حبل الوريد ☆ سوره ق آيت ۱۶ ﴾

یعنی ''ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اسکے دل میں جو خیال اٹھتے ہیں ہم ان سے بھی واقف ہیں اور ہم اسکی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں'' اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ دلیل لی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بذاتہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل قریب ہیں کہ اس کی نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں، حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں '' نحن'' سے مراد فرشتے ہیں یعنی اللہ فرماتا ہے کہ ہمارے فرشتے انسان کی رگ جاں سے بھی قریب ہیں کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں وہ انسان کی ہر بات اور ہر عمل نوٹ کرتے ہیں اور امام شوکانیؒ نے اسکا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام اعمال کو جانتے ہیں، بغیر اسکے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسان کے اعمال واقوال لکھنے کے لئے مقرر کیا ہے اور یہ فرشتے تو صرف اتمام حجت کے لئے مقرر کئے گئے ہیں ملاحظہ فرمائیے تفسیر القرآن مولانا یوسف صلاح الدین بحوالہ فتح القدیر اس کے علاوہ قرآن میں اور بھی مقامات ہیں جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی دوسرے کے فعل کی نسبت اپنی جانب کی ہے مثلاً سورہ الزمر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا '' یعنی اللہ تعالیٰ تمام روحوں کو قبض فرماتا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ روح کا قبض کرنا ملک الموت کا کام ہے اور اسی بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسرے مقام پر بیان بھی کیا سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا کہ '' **قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم** '' یعنی اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ تم کو وفات دے گا اللہ کا وہ فرشتہ جو اس کام کے لئے مقرر ہے پس معلوم ہوا کہ یہ آیت اس مسئلہ میں حجت نہیں ہے اس کے علاوہ ایک آیت جس سے اس مسئلہ میں استدلال کیا جاتا ہے اس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ **هو الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش یعلم مایلج فی الارض ومایخرج منها وما ینزل من السماء ومایعرج فیها وهو معکم این ماکنتم واللہ بما تعملون بصیر ☆ سورہ الحدید آیت ٤** ﴾

یعنی'' وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہو گیا وہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے گی اور جو اس سے نکلے گی اور جو کچھ آسمان سے نیچے آئے گا اور جو کچھ اس میں چڑھ کر جائے گا اور جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے دیکھتا ہے'' یعنی اس آیت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے استویٰ علی العرش کا اثبات کیا ہے اور اسکے بعد ان خدشات کی نفی کی ہے جو کہ استویٰ علی العرش کا عقیدہ رکھنے کے بعد انسانی ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں فرمایا کہ وہ عرش پر مستوی ہونے کے باوجود بھی آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جو کچھ بھی تغیر وتبدل اس کائنات میں ہوتا ہے وہ اسکی تمام تر جزیات سے بھی باخبر ہے اور تمہاری بھی ہر حرکت سے گویا کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے تمہارے ہر ہر قول وفعل کو بذاتہ جانتا ہے اور تم پر ہر وقت نظر رکھے ہوئے ہے دراصل ماضی میں دین میں عقل کو دخل دینے والوں کے لئے یہ تصور بھی محال تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر رہتے ہوئے کس طرح بندوں پر نظر رکھ سکتا ہے اس لئے انھوں نے یہ عقیدہ گھڑا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے مگر آج اس چیز کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کیمرے کی مدد سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر بھی کسی شخص پر نظر رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کیونکر ناممکن ہو سکتا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہونے کے باوجود تمام مخلوق پر نظر رکھ سکے اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب استویٰ علی العرش اور اسماء وصفات کی جو تاویل انکی جماعت کرتی ہے اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ید یعنی ہاتھ اور حدیث میں قدم یعنی پاؤں رکھنا وارد ہے اور ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤں اعضاء جسمانیہ ہیں تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اعضائے جسمانیہ ہیں اسکا صحیح جواب بھی سلف کے طریقہ پر یہ ہے کہ ید اور قدم تو ہیں مگر ہماری طرح کے نہیں ہیں مگر اس کا سمجھنا بھی عوام کو مشکل ہے ان کا ذہن تو ان مفہومات سے تجسیم اور تشبیہ ہی کی طرف جاتا ہے اور اس عقیدہ تجسیم وتشبیہ سے بچانا واجب تھا اس لئے علمائے خلف (موجودہ دور کے علماء) نے اسکی یہ تدبیر کی کہ ایسی حقائق کی ایسے طریق سے تاویل کر دی کہ نہ قرآن وحدیث متروک ہوا اور نہ عقیدہ تجسیم وتشبیہ میں کوئی مبتلا ہوا مثلاً استوا علی العرش کو کنایہ تنفیذ احکام سے کہہ دیا اور ید کے معنی قدرت کے کہہ دیئے وضع قدم کے معنی مقہور کر دینے کے کہہ دیئے اور یہ ضرورت حضرات سلف کو اس لئے پیش

نہیں آئی کہ ان کے خواص یہ تھے کہ وہ اللہ کے احکام کے بارے میں غور کرتے تھے اللہ کی ذات کے بارے میں خوض نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی وسوسہ آتا بھی تھا تو اسکو دفع کر دیتے تھے اور عوام اس لئے محفوظ تھے کہ اس زمانے میں یہ مبتدعین کے مضامین نہ تھے اس لئے ایسے شبہات ان کے کانوں میں نہ پڑتے تھے ان کا ذہن خالی رہتا تھا اور ایسے مفہومات پر اجمالاً عقیدہ رکھتے تھے اور تفتیش کی تشویش میں نہیں پڑتے تھے اور اگر کوئی شاذ و نادر اس قسم کا کلام کرتا تھا تو خلافت راشدہ اس کا انسداد کرتی تھی تو فساد متعدی نہ ہونے پاتا تھا ☆ امداد الفتاویٰ، کتاب العقائد والکلام ص۲۸ ج۶ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ استویٰ علی العرش اور اسماء وصفات کی تاویل کی بدعت ان موجودہ دیوبندی علماء کی اپنی ایجاد کی ہوئی ہے اور خود ان کے اسلاف اس عقیدہ کے قائل نہیں تھے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کافر کہتے تھے جیسا کہ امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں کہ:

﴿ انه سأل اباحنيفة عمن قال :لا اعرف ربی فی السماء ام فی الارض؟ فقال : قد كفر، لأن الله يقول : الرحمٰن على العرش استوىٰ : وعرشه فوق سبع سمواته قلت : فان قال انه على العرش، ولكن يقول: لا ادری العرش فی السماء ام فی الارض؟ قال : هوكافر، لأنه انكرانه فی السماء ، فمن أنكر انه فی السماء فقد كفر ☆ شرح العقيده الطحاوية ص۲۸۸ ﴾

یعنی '' امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا رب کہاں ہے آسمان میں یا زمین میں؟ تو انھوں فرمایا اس نے کفر کیا! کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے پھر سائل نے پوچھا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے مگر میں نہیں جانتا کہ عرش آسمان میں ہے یا زمین میں؟ تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ وہ کافر ہے! کیونکہ جس نے عرش کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا اس نے اللہ کے آسمان میں ہونے انکار کیا پس جان لو کہ وہ کافر ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ دیگر تمام اسلاف کی طرح اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کے قائل تھے اور جو لوگ بھی اللہ کے عرش پر ہونے کا انکار کرتے ہیں ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیتے تھے لیکن موجودہ احناف کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور جو کوئی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر جگہ حاضر نہ مانے اسے یہ لوگ کافر قرار دیتے ہیں چنانچہ فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب میں ہے کہ:

﴿ وصف الله بحضرة زوجته فقالت كنت ظننت ان الله فی السماء كفرت ☆ الاشباه و النظائر ص۱۹۱ ﴾

یعنی '' خاوند نے بیوی کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ حاضر ہونے کا بیان کیا اور بیوی نے کہا کہ میں تو سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے تو اس کلمہ کے کہنے سے وہ عورت کافر ہو جائے گی '' یعنی حنفیہ کے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ کو عرش پر ماننا کفر ہے اور فقہ حنفی کی اس کتاب کے معتبر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کتاب کے اول صفحہ پر درج ہے کہ:

﴿ الاشباه والنظائر على مذهب ابی حنيفة النعمان ﴾

اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اپنی تفسیر میں بعنوان مسائل السلوک لکھتے ہیں کہ:

﴿ قوله تعالىٰ : فاينما تولوا فثم وجه الله ☆ البقرة ۱۱۵ بيان القران ص۳۶ ﴾

﴿ اس میں دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں خاص نہیں ہے (یعنی ہر جگہ پر ہے) اور اسی آیت

کے ضمن میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر القرآن میں لکھا ہے کہ: یہ بھی یہود ونصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر ایک اپنے قبلہ کو بہتر بتا تا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ مخصوص کسی طرف نہیں ہے بلکہ تمام مکان و جہت سے منزہ ہے ملاحظہ فرمائیے ص ۲۲ حاشیہ ۷ ﴾

حالانکہ یہ آیت سفر کے موقعہ پر نازل ہوئی اور اس آیت میں دوران سفر قبلہ رخ ہونے کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں آتا ہے ان احادیث کو امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ اور امام احمدؒ نے اس آیت کے شان نزول میں نقل کیا ہے مثلاً صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ عن ابن عمر قال كان رسول الله ﷺ يصلى وهو مقبل من مكة الى مدينة على راحلته حيث كان وجهه قال وفيه نزلت : فاينما تولوا فثم وجه الله ☆ رواه مسلم ﴾

یعنی ’’ ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی جب آپ مکہ سے مدینہ کی جانب جارہے تھے اور سواری پر تھے (یعنی مکہ کی جانب آپ ﷺ کی پیٹھ تھی) تو اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی‘‘ پس اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ ہونے پر استدلال غلط اور تحریف فی القرآن ہے اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے پر قائم اجماع امت کی خلاف ورزی ہے لہذا معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر جگہ حاضر ماننا غلط عقیدہ ہے اور قرآن وسنت کے خلاف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو عرش پر مستوی ماننا ضروری ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ ختم نبوت

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

﴿ ماكان محمد ابااحد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبين وكان الله بكل شئى عليما ☆ سورة الحزاب ٤٠ ﴾

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی حاشیہ قرآن میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ یعنی آپ ﷺ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی اب کسی کو نبوت نہیں دی جائیگی بس جن کو ملنی تھی مل چکی اس لئے آپ ﷺ کی نبوت کا دور سب نبیوں کے بعد رکھا گیا جو قیامت تک چلتا رہے گا حضرت مسیح علیہ السلام اخیر زمانے میں بحیثیت آپ ﷺ کے ایک امتی کے آئینگے خود ان کی نبوت ورسالت کا عمل اس وقت جاری نہ ہوگا جیسے آج تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری وساری ہے حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام زمین پر زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میری اتباع کے چارہ نہ تھا بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیاء سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم انبیاء کی روحانیتِ عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا اور جس

طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ﷺ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے ☆ سورہ احزاب حاشیہ ۳ ﴾

معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا محمود الحسن صاحب نے لفظ خاتم النبیین میں خاتم کا معنی ''مہر'' کیا ہے اور اسی مناسبت سے شبیر احمد صاحب نے تمام انبیاء سابقین کی نبوتوں کو آپکی مہر سے وابستہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان سب کو آپ کی مہر لگ کر نبوت ملی اس مقام پر مولانا شبیر احمد صاحب نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ آپ ﷺ رتبی اور زمانی ہر لحاظ سے خاتم النبیین ہیں۔ یہاں زمانی لحاظ سے کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے بعد آئے ہیں اور رتبی لحاظ سے کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ تمام انبیاء کی نبوتیں ظلی اور بروزی ہیں حقیقی نہیں ہیں کیونکہ وہ آپ کی نبوت کا جز و حصہ ہیں اس لحاظ سے ان کی نبوت آپ ﷺ کی نبوت سے الگ یا علیحدہ یا جدا نہیں ہے اسکا مطلب یہ ہوا کہ گویا آپ ﷺ کے علاوہ کوئی مستقل اور اصلی و حقیقی نبی آیا ہی نہیں اور آپ ﷺ جیسا کہ آخر کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں اسی طرح اول کے لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں اس معنی کی وضاحت میں مدرسہ دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی اپنے رسالہ ''تحذیر الناس'' میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ آپ ﷺ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ ﷺ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض، اوروں کی نبوت آپ ﷺ کا فیض ہے پر آپ ﷺ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں غرض آپ ﷺ جیسے نبی الامت ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں ☆ ص ۶ ﴾

اور اسی رسالہ میں موصوف ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

﴿ غرض اگر اختتام بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ ﷺ کے زمانے میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ ﷺ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے ☆ ص ۱۸ ﴾

اور اسی رسالہ میں ایک دوسری جگہ رقم فرماتے ہیں کہ؛

﴿ اور اسی طرح فرض کیجئے آپ ﷺ کے زمانے میں بھی اس زمین یا کسی اور زمین یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ اس وصف نبوت میں آپ ﷺ کا ہی محتاج ہوگا ☆ ص ۱۷ ﴾

اسکے بعد مولانا قاسم نانوتوی صاحب نے جو لکھا اس سے تو نبوت کا دروازہ مکمل طور پر کھل جاتا ہے فرماتے ہیں کہ:

﴿ اگر آپ ﷺ کے بعد بھی بالفرض کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا ☆ ص ۳۴ ﴾

قابل غور مقام ہے کہ بانی مدرسہ دیوبند مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے بیان کے مطابق اگر آپ ﷺ کے بعد بھی نبی آ جائے تب بھی آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہونگے تو ایسی صورت میں مرزا غلام احمد قادیانی و دیگر جھوٹے نبیوں کے دعوائے نبوت کو ختم نبوت کے خلاف

سمجھنے کا آخر کیا جواز رہ جاتا ہے اور جماعت دیوبند جب آپ ﷺ کے بعد ہر قسم کے نبی کے آنے کو ختم نبوت کے خلاف نہیں سمجھتی تو وہ مجلس تحفظ ختم نبوت کیوں بنا کر بیٹھی ہے؟ اور جب یہ جماعت ہر جھوٹے نبی کے آنے کے لئے دروازہ کھول کر بیٹھی ہے تو پھر دنیا میں کسی مدعی نبوت کے خلاف شور کس لئے مچاتی ہے؟ کیا اس جماعت کی مثال یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے دینا غلط ہوگا جو عمداً یوسف کو کنویں میں ڈال کر شام کے وقت باپ کے پاس روتے ہوئے آئے کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھالیا ہے اس جماعت کی مثال اس قوم کی ہے جس نے حسینؓ بن علیؓ کو شہید کیا اور اپنے اس جرم کو چھپانے کے لئے آج تک ماتم برپا کئے ہوئے ہے قبل اس کے کہ ہم ان سوالوں کا جواب حاصل کریں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ حنفیہ کے اندر دیوبندی اور بریلوی اختلاف کب اور کیوں پیدا ہوا کیونکہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اس چیز کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

ابتداء میں دیوبندی اور بریلوی دونوں ایک جماعت تھے اور یہ دیوبندی اور بریلوی نام کی دو علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں اس وقت منقسم ہوئے جب علماء دیوبند نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں اوپر والی زمین میں آپ ﷺ نبی تھے اور اس زمین سے نیچے والی چھ زمینوں میں آپ ﷺ جیسے چھ نبی اور تھے ان کا نام بھی محمد ﷺ تھا گویا ایک ہی وقت میں سات زمینوں میں سات نبی ﷺ موجود تھے اور سب محمد ﷺ نام ہی کے تھے ایسا فتویٰ دینے والے علماء جو بعد میں دیوبندی کہلائے پر بریلوی علماء نے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور کہا کہ تمہارا یہ عقیدہ ختم نبوت کے اجماعی عقیدے کے خلاف و برعکس ہے اور تم انکار ختم نبوت کے سبب سے کافر ہو گئے ہو علمائے دیوبند کا یہ فتویٰ دراصل ایک موقوف حدیث سے ماخوذ تھا اس لئے انھوں نے اس فتویٰ سے رجوع کرنے سے انکار کر دیا اور مولانا قاسم نانوتوی نے ایک رسالہ تحذیر الناس جسکا ہم اوپر حوالہ نقل کر چکے ہیں اپنے اس موقف کی تائید میں لکھ دیا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا جس کے نتیجہ میں یہ دو جماعتیں دیوبندی اور بریلوی کے نام سے وجود میں آئیں اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا حکیم محمود صاحب اپنی کتاب علمائے دیوبند کا ماضی میں لکھتے ہیں کہ مولانا احسن نانوتوی نے جو علمائے دیوبند کے اکابرین میں سے تھے ایک فتویٰ دیا کہ حضرت محمد ﷺ جیسے اور محمد چھ زمینوں میں موجود ہیں اس پر مولانا نقی علی بریلوی نے جو مولانا احمد رضا خان صاحب کے مورث اعلیٰ تھے مولوی احسن نانوتوی پر کفر کا فتویٰ لگایا اس فتویٰ کی تائید مولوی عبدالحی فرنگی محلّہ اور مولانا سعد اللہ مراد آبادی نے کی محمد احسن نانوتوی کے اس فتویٰ سے بریلی میں اشتعال پھیل گیا مولانا احسن نانوتوی نے جو مدت دراز سے بریلی میں عید کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور مولوی نقی علی ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے مولوی نقی علی کو پیغام بھجوایا اور پسپائی اختیار کی اور کہلا بھیجا میں نماز پڑھنے آیا ہوں پڑھانا نہیں چاہتا تشریف لائیے اور جسے چاہے امام کیجئے اس کی اقتدا کر لوں گا لیکن مولوی نقی علی صاحب ان بھروں میں آنے والے نہ تھے وہ ان چکنی چپڑی باتوں سے مطمئن نہ ہوئے کیونکہ ان کے خیال میں مولوی احسن علی نانوتوی منکر خاتم النبیین ٹھہرے تھے چنانچہ مولوی نقی علی صاحب نے رامپور کے علماء سے فتویٰ منگوایا جس کی رو سے مولانا محمد احسن کو کافر کہا گیا اور اس کی خوب تشہیر کی گئی اسکے بعد اپنے اس موقف کی وضاحت کے لئے مولوی قاسم نانوتوی نے رسالہ تحذیر الناس تحریر فرمایا جس نے بریلوی علماء کے دیئے گئے فتویٰ پر مہر تصدیق ثبت کر دینے کا کام کیا مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے علمائے دیوبند کا ماضی ص ۴۳ تا ۴۷ اور محمد احسن نانوتوی ص ۴۳، ۸۶ اور ۸۸ ۔

اس تمام قصہ کو معلوم کر لینے کے بعد اب دیوبندی علماء کی جانب سے مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام کا سبب کھل کر ہمارے سامنے آجاتا ہے اور وہ سبب ہے خوف! یعنی قادیانیوں کو کافر قرار دیئے جانے کے بعد ختم نبوت کے مسئلہ میں اپنے سیاہ ماضی جس کا کچھ بیان ہم

آگے کریں گے کو دیکھتے ہوئے دیوبندی علماء کو یہ خوف لاحق ہوا کہ بریلوی حضرات ان کے خلاف بھی کہیں کافر قرار دیئے جانے کی کوئی مہم نہ شروع کر دیں جسکے نتیجہ میں انھیں کافر تو بہرحال نہیں قرار دیا جاسکے گا کیونکہ دیوبندی اپنے بیشتر عقائد میں شیعوں کی طرح تقیہ کرتے ہیں مگر جو تحریریں ان کی کتابوں میں موجود ہیں وہ عوام الناس کے سامنے آجائیں گی جس سے مسلک دیوبند کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا چنانچہ حفظ ما تقدم کے طور پر دیوبندیہ نے مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی گویا مجلس تحفظ ختم نبوت کو اگر مجلس تحفظ مسلک دیوبند کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ختم نبوت کے سلسلہ میں مسلک دیوبند کا عقیدہ اہل سنت والجماعت سے موافق نہیں ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے دعویٰ کے اصل ذمہ دار یہ دیوبندی علماء ہی ہیں کیونکہ قادیانی مذہبی اعتبار سے حنفی دیوبندی ہیں اور عقیدہ ختم نبوت کے ضمن میں ان کی اس لغزش کا اصل سبب دیوبندی علماء کی کتابیں ہیں ان ہی کتابوں سے کچھ اقتباسات ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

﴿ مولانا رشید احمد گنگوہی کو حاجی امداد اللہ کی وفات پر کئی روز تک دست آتے رہے، اس قدر صدمہ اور رنج ہوا تھا بظاہر معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس قدر محبت حضرت کے ساتھ ہوگی، حضرت گنگوہی حضرت کی نسبت بار بار رحمت للعلمین فرماتے تھے ☆ ملفوظات اشرفیہ ص ۱۰۷ بحوالہ دین تصوف از محمد یحیٰ گوندلوی ص ۱۰۵ ﴾

معلوم ہونا چاہیے کہ رحمت للعلمین کا لقب نبی کریم ﷺ کے لئے خاص ہے اور کسی دوسرے نبی کے لئے بھی اسکو استعمال کرنا جائز نہیں چہ جائیکہ اس لقب کو کسی غیر نبی کے لئے استعمال کیا جائے یقیناً یہ بہت بڑی جسارت اور گستاخی ہے اور دعویٰ نبوت کی جانب پیش رفت ہے مگر اسکے بعد اس سے بھی بڑی پیش رفت یہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ قاسم نانوتوی نے حاجی امداد اللہ سے جو ان کے پیر و مرشد تھے شکایت کی کہ جب بھی میں تسبیح اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں تا کہ اللہ کا ذکر کروں تو بہت بڑی مصیبت میرے اوپر آن پڑتی ہے اور وزن و بوجھ اتنا زیادہ اپنے دل پر محسوس کرتا ہوں کہ گویا میرے اوپر کئی کئی سو من کے پتھر رکھ دیئے گئے اور میرا دل اور زبان دونوں رک جاتے ہیں، تو حاجی امداد اللہ نے کہا یہ بوجھ تمہارے دل پر فیضان نبوت کا ہے اس طرح کا بوجھ رسول اللہ ﷺ اپنے اوپر بوقت وحی محسوس فرماتے تھے ☆ سوانح قاسمی ص ۲۵۸، ۲۵۹ ﴾

اب جس پر نبوت کا اتنا فیضان ہو کہ دل اور زبان تک بند ہو جائیں جو کہ نبی کریم ﷺ کی بھی نہیں ہوتی تھیں اسے نبی نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے کیونکہ جب آپ ﷺ پر وحی آتی تو آپ ﷺ کو سخت سردی کے موسم میں بھی پسینہ آجاتا اور آپ ﷺ کی زبان سے نازل ہونے والی وحی کے الفاظ جاری ہو جاتے تھے جبکہ قاسم نانوتوی پر نبوت کے فیضان سے دل اور زبان دونوں ہی بند ہوئے جا رہے ہیں لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اسکے بعد بھی نبوت کا دعویٰ کرنے میں کوئی کسر باقی رہ جاتی ہے تو یہ قصہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ ایک مرید نے اشرف علی تھانوی کو لکھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کلمہ شہادت پڑھنے کی

کوشش کر رہا ہوں مگر میرے منہ سے یہ کلمہ اس طرح نکلتا ہے کہ ’’لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ‘‘ مولانا اشرف علی صاحب نے ان کو جواب میں لکھا کہ چونکہ آپ کو مجھ سے حد درجہ محبت ہے چناچہ یہ اسی محبت کا نتیجہ ہے ☆ رسالہ برہان شمارہ فروری ۱۹۵۲ دہلی ص ۷ ﴾

﴿ یہی مرید اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی لکھتا ہے کہ خواب سے جب میں جاگا تو سوچا کہ خواب میں جو کچھ دیکھا ہے اسکا ازلہ کردوں اس لئے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا چاہا تو میرے منہ سے نکلا ’’ اللھم صلی علی سیدنا و مولانا اشرف علی ‘‘ حالانکہ اس وقت میں نیند میں نہیں تھا بلکہ جاگ رہا تھا اور جب بھی کوشش کرتا کہ نبی کریم ﷺ پر صحیح درود پڑھوں تو زبان سے وہی کلمہ نکلتا کہ ’’اللھم صلی علی سیدنا ومولانا اشرف علی‘‘ مولوی اشرف علی تھانوی نے مرید کو جواب دیا اس کا مطلب ہے کہ تمہارا پیرو شیخ متبع سنت ہے ☆ رسالہ الامداد ص ۳۴،۳۵ ﴾

اس نوعیت کے واقعات صادق گنگوہی، معین الدین چشتی اور بعض دیگر احناف کے بھی ملتے ہیں مگر ہم نے یہاں صرف ان ہی حضرات کے واقعات تحریر کرنے پر اکتفا کیا ہے جو تبلیغی جماعت میں معروف ومشہور ہیں امید ہے کہ اب قارئین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ مسلک دیوبند کی جانب سے مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کرنے کا اصل مقصد کیا تھا۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ روح انسانی

سورہ الاسراء میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ ویسلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وماأوتیتم من العلم الا قلیلا ﴾

مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب دیوبندی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے روح کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ بھی کوئی اور چیز موجود ہے جسے روح کہتے ہیں وہ عالم امر کی چیز ہے اور خدا کے حکم وارادہ سے فائض ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ قل الروح من امر ربی ☆

﴿ خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون ☆

﴿ ثم انشاناه خلقا آخر ☆

﴿ انما قولنا لشئی اذا أردناه أن نقول له کن فیکون ☆

روح انسانی خواہ علم وقدرت وغیرہ صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتی کے اپنے ہم جنسوں سے گوسبقت لے جائے پھر بھی اسکی صفات محدود ہی رہتی ہیں صفاتِ باری تعالیٰ کی طرح لامحدود نہیں ہوجاتیں اور یہی بڑی دلیل ہے اسکی کہ آریوں کے عقیدہ کے موافق روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم وغیر مخلوق ہستی نہیں ہوسکتی ورنہ تحدید کہاں سے آئی کتنی ہی بڑی کامل روح ہو حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اسکے کمالات سلب کرلے گو اسکے فضل ورحمت سے ایسا کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے یہ چند اصول جو ہم نے نقل کئے ہیں اہل فہم کو نسق آیات میں ادنی تأمل کرنے سے معلوم ہوسکتے ہیں، صرف عالم امر کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے

سمجھنے سے امید ہے روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی،لفظ امر قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے اوراس کے معنی کی تعیین میں علماء نے کافی کلام کیا ہےلیکن میری غرض اس وقت سورہ عراف کی آیت ''**الالـه الـخـلـق والامر**'' کی طرف توجہ دلانا ہے جہاں امرکو خالق کے مقابل رکھا ہے جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مدیں بلکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک خلق دوسرا امر دونوں میں کیا فرق ہےاس کوہم سیاق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں پہلے فرمایا کہ:

﴿ **ان ربکم الله الذی خلق السموات والارض فی ستة أيام ☆اعراف رکوع ۷** ﴾

یعنی تمہارااللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں بنایا، یہ توخلق ہوا، درمیان میں استواء علی العرش کا ذکرکرکے جو شان حکمرانی کوظاہرکرتا ہےفرمایا کہ:

﴿ **يـغـشـی الـلـيـل والـنـهـار يطلبه حثيثاو الشمس والقمر و النجوم مسخرات بأمره ☆ اعراف رکوع ۷** ﴾

یعنی رات کودن میں چھپادیتا ہےاوردن کورات میں،اسی نے پیدا کیا ہے سورج کو، چاندکواورستاروں کو جومسخر ہیں اسکے امر سے ،یعنی ان مخلوقات کوایک معین اومحکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیروتصریف کہتے ہیں یہ امر ہوا۔

﴿ **الله الـذی خـلـق سبع سموات ومن الارض مثلهن يتنزل الامر بينهن ☆ طلاق رکوع ۲** ﴾

یعنی اللہ ہی نے سات آسمانوں کو پیدافرمایااورزمینوں کوبھی اسی قدر،ان آسمانوں اورزمینوں میں اسی کا امر چلتا ہے گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانے کی سمجھوجسمیں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں کوئی کپڑا بن رہی ہے،کوئی آٹا پیس رہی ہے،کوئی کتاب چھاپ رہی ہے،کوئی شہرمیں روشنی پہنچارہی ہےاورکسی سے پنکھے چل رہے ہیں وغیرہ ذالک ہرایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جومشین کی غرض وغایت کالحاظ کرکے ایک معین اندازے میں ڈھالے جاتے اورلگائے جاتے ہیں پھرسب پرزے جوڑکرمشین کوفٹ کیا جاتا ہے جب تمام مشینیں فٹ ہوکرکھڑی ہوجاتی ہیں تب ایک الیکٹرک (بجلی) کےخزانہ سے ہرمشین کی طرف جداجداراستے سے کرنٹ چھوڑدیا جاتا ہے آن واحد میں ساکن وخاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کےموافق گھومنےاورکام کرنے لگ جاتی ہیں بجلی ہرمشین وپرزہ کواس کی ساخت و غرض کے مطابق گھماتی ہےحتی کہ جوقلیل وکثیربجلی روشنی کے لیمپوں اورقمقموں میں پہنچتی ہے وہاں پہنچ کرانہی قمقموں کی ہیئت اوررنگ اختیار کرلیتی ہے۔

اس مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیارکرنا اسکے کل پرزوں کوٹھیک اندازہ پررکھنا پھرفٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعدمشین چالوکرنے کے لئے ایک دوسری چیزبجلی یا اسٹیم کواسکےخزانہ سے لانے کی ضرورت ہے اسی طرح سمجھوحق تعالیٰ نے اول آسمان وزمین کی تمام اشیأ بنائیں جس کوخلق کہتے ہیں ہر چھوٹابڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیارکیا جسے تقدیر کہتے ہیں''**قدره تقديراً**''سب پرزوں کوجوڑکرمشین کوفٹ کیا جسےتصریف کہتے ہیں'' **خلقناكم ثم صورناكم ☆اعراف رکوع۲**'' یہ سب افعال خلق کی مدمیں تھےاب ضرورت تھی کہ جس مشین کوجس کام میں لگانا ہےلگادیا جائے آخرمشین کوچالوکرنے کے لئے امرالٰہی کی بجلی چھوڑدی گئی شایداسکاتعلق اسم باری سے ہے '' **الـخـالـق الـبـاری المصور** '' غرض ادھرسےحکم ہوا چل فوراً چلنےلگی اسی امرالٰہی کو فرمایا'' **انـمـا امـره اذاأرادشيـئـا أن يقول له كن فيكون** '' دوسری جگہ پرنہایت وضاحت کےساتھ امرکن کوخلق جسد پرمرتب

کرتے ہوئے ارشاد ہوا" خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون" بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں کن فیکون کا مضمون جتنی مواضع میں آیا ہے عموماً خلق وابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ کن کا خطاب خلق کے بعد تدبیر وتصریف وغیرہ کے لئے ہوتا ہوگا واللہ اعلم، بہر حال یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں امر کے معنی حکم کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ "کن" سے تعبیر کیا گیا ہے اور کن جنس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جس طرح ہم اسکی تمام صفات جیسے حیات، سمع اور بصر وغیرہ کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں کلام اللہ وکلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا چاہیے خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ روح کیساتھ اکثر جگہ قرآن میں امر کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے "قل الروح من امر ربی" اور "وکذالک اوحینا الیک روحامن امرنا" اور " یلقی الروح من امره علی من یشاء من عباده " اور "ینزل الملائکة باالروح من امره علی من یشاء من عباده " پہلے گذر چکا ہے کہ امر عبارت کلمہ کن سے ہے یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر وتصریف اس طریقہ پر کی جائے جس پر غرض ایجاد وتکوین مرتب ہو لہٰذا ثابت ہوا کہ روح کا مبدأ حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے جو صفت علم کے ماتحت ہے شاید اسی لئے " نفخت فیه من روحی" میں اسے اپنی طرف منسوب کیا کلام اور امر کی نسبت متکلم اور امر صادر ومصدور کی ہوتی ہے مخلوق وخالق کی نہیں ہوتی اسی لئے "الا له الخلق والامر" میں امر کو خلق کے مقابل رکھا ہاں یہ بات ممکن ہے کہ امر جوہر مجرد کے لباس میں یا ایک ملک اکبر اور روح اعظم کی صورت میں ظہور پکڑے جسے ہم کہربائیہ روحیہ کا خزانہ کہہ سکتے ہیں گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوالارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں اور الارواح جنود مجندہ کے بیشمار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ مشین سے اسکی بناوٹ اور استعداد کے مطابق کام لیتا ہے اور اسکی ساخت کے مطابق حرکت دیتا ہے بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں بجلی پہنچتی ہے انہی کے مناسب رنگ وہیت اختیار کر لیتی ہے، رہی یہ بات کہ کن کا حکم جو قسم کلام سے ہے جوہر مجرد یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے اسے یوں سمجھیں کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال وصور دیکھتے ہیں بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر اور بھیڑیے وغیرہ کی شکلوں میں ہمیں نظر آتے ہیں اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جواہر واجسام کیونکر بن گئے اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازمات وخواص پیدا ہو گئے یہاں تک کہ بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی اسکے آثار جدا نہیں ہوتے فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوت مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے مطابق غیر مجسم خیالات کو جسمی سانچہ میں ڈھال لے اور ان میں وہی خواص وآثار باذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو بھی علیحدہ نہیں ہوئے ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصور برحق جل وعلا کا امر بے کیف "کن" باوجود صفت قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں وہ ارواح وملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں امر الہیٰ بحالہ قدیم رہے امکان وحدوث کے آثار واحکام ارواح تک محدود رہیں اور امر الہیٰ ان سے پاک وبرتر ہو جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت میں احراق سوزش گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ آثار محسوس نہیں ہوتے پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی خواہ جوہر مجرد ہو یا جسم لطیف

نورانی امر ربی کا مظہر ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ مظہر کے سب احکام وآثار ظاہر پر جاری ہوں رہا یہ مسئلہ کہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکماء قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف ہے جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف علامہ سید انور شاہ کاشمیری نے فرمایا ہے باالفاظ عارف جامی یہاں تین چیزیں ہیں:

۱ ۔ وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ،

۲ ۔ وہ جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ اجسام مثالیہ کہتے ہیں،

۳ ۔ وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ارواح یا حکماء جوہر مجرد کے نام سے پکارتے ہیں،

جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک بدن مثالی سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے یہ روح بدن سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی گویا علیؓ کے قول کے موافق جو بغوی نے "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا" کی تفسیر میں نقل کیا ہے اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اسکی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب ہوتی ہے جیسے سورج لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے یا جیسے آج ہی میں نے اخبار میں ایک خبر پڑھی کہ حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوابازوں کے بغیر ہوائی جہاز چلانے کے تجربے کیے ہیں اور تعجب انگیز نتائج رونما ہوئے ہیں آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انھوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا بہر حال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس سے انکار نہیں بلکہ وہ اسکے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جسمیں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اگر اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں یہ کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر امر ربی کی وحدت پر منتھی ہو جائے گا تو انکار کی ضرورت نہیں مذکورہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو کن کی مخاطب ہوئی روح حیات پائی جائے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ہر نوع کو اسکی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے جس کام کے لئے وہ چیز پیدا کی گئی ہے ڈھانچہ تیار کر کے اسکو حکم دینا "کن" اس کام میں لگ جا بس یہی اسکی روح حیات ہے جب تک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اسکی حد تک زندہ سمجھی جائے گی اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی اسی قدر موت کے نزدیک یا مردہ کہلائے گی ملاحظہ فرمائیے قرآن کریم مترجم مولانا محمود الحسن دیوبندی حاشیہ۴ سورہ الاسراء آیت ۸۵ ۔

مولوی شبیر احمد عثمانی علماء دیوبند کے مشہور ترین علماء میں سے ہیں لیکن اس جگہ پر روح کی جو تفسیر کی ہے وہ خالص صوفی نقطہ نظر سے تعلق رکھتی ہے علماء حدیث وائمہ اہل سنت کے نقطہ نظر کے یہ تفسیر بالکل برعکس ہے علمائے حدیث وائمہ اہل سنت کے نزدیک روح مخلوق ہے جبکہ صوفیہ اور بعض دوسرے بدعتی فرقوں کے نقطہ نظر میں روح مخلوق نہیں ہے کیونکہ انکے ہاں روح کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہے اور کلام الٰہی غیر مخلوق ہے ان بدعتی فرقوں کی دلیل یہی قرآنی آیت " **الا لـه الـخـلـق والامر**" ہے اور انھوں نے قرآن کی بعض دوسری آیات سے بھی استدلال کیا ہے جیسے آدم کی تخلیق کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

﴿ **فاذا سویته ونفخت فیه من روحی☆سوره الحجر۲۹** ﴾

اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ فنفخنافيه من روحنا ☆ سوره تحريم ۱۲ ﴾

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

﴿ روح الادمی مخلوقة مبتدعة باتفاق الامة وأئمتها وسائر اهل السنة و قد حكی اجماع العلماء علی انها مخلوقة غيرواحد من أئمة المسلمين ☆ لوامع الانوار البهية ص۳۵ ج ۲ ﴾

یعنی'' آدمی کی روح کے مخلوق ہونے پر امت کا اتفاق ہے اور اہل سنت علماء کا اس پر اجماع ہے ائمہ مسلمین میں سے کسی ایک نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا ہے'' اور آیت الا لہ الخلق والامر سے اس بات پر استدلال کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق امر سے ہو غیر مخلوق ہے غلط ہے امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر ص۲۳ا ج ۱۴ میں فرماتے ہیں کہ'' اس استدلال کی بنیاد اس بات پر ہے کہ معطوف کو معطوف علیہ کا غیر سمجھا جائے'' حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ فآمنوا باللّٰه ورسوله النبی الامی الذی يؤمن باللّٰه وكلماته ☆ سوره الاعراف ﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کلمات کو لفظ اللہ پر عطف کیا ہے اگر معطوف کو معطوف علیہ کا غیر مان لیا جائے تو اللہ کو غیر اور اسکے کلمات کو غیر ماننا پڑے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کا غیر نہیں ہیں اور شرح عقیدہ طحاویہ ص۳۹۱ میں ہے کہ:

﴿فقيل الروح قد يمة و قد أجتمعت الرسل علی انها محدثة مخلوقة مصنوعة مربوبة مدبرة و هذا معلوم باالضرورة من دينهم ان العالم محدث ومضی علی هذا الصحابة و التابعون حتی نبغت نابغة ممن قصر فهمه فی الكتاب والسنة فزعم انهاقديمة و احتج بانها من أمره غير مخلوق و بأن اللّٰه اضافها اليه بقوله قل الروح من امر ربی ـ الاسراء ـ وبقوله ونفخت فيه من روحی ـ الحجر ـ كما اضاف علمه و قدرته و سمعه و بصره ويده و توقف آخرون واتفق اهل السنة والجماعة انها مخلوقة ﴾

یعنی'' روح کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ قدیم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسل اسکے مخلوق ہونے کے قائل ہیں اس وجہ سے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا سب چیزیں مخلوق ہیں تو روح بھی مخلوق ہوئی تمام صحابہ اور تابعین اسی عقیدہ پر تھے حتی کہ ایک بدعتی فرقہ نکلا جو کتاب وسنت کی سمجھ سے نابلد تھا اس نے دعویٰ کیا کہ روح اللہ تعالیٰ کی طرح قدیم ہے مخلوق نہیں ہے اس فرقے کی دلیل قرآن کریم سے یہ آیت ہے ☆ کہہ دیجئے روح میرے رب کے حکم سے تعلق رکھتی ہے ☆ اور اللہ کا امر و حکم مخلوق نہیں ہوسکتا اس فرقے نے قرآن کریم کی اس آیت سے بھی استدلال کیا کہ ☆ میں جب آدم میں اپنی روح پھونک دوں تو سجدہ کرنا ☆ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی روح کو اپنی طرف نسبت کر کے اپنی روح کہا ہے اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی روح کو ہم مخلوق نہیں کہہ سکتے اس فرقے نے قرآن مجید کی آیت'' قل الروح من امر ربی'' سے جو استدلال کیا ہے اسکا جواب یہ ہے یہاں امر سے مراد مامور ہے اس لئے کہ عربی زبان میں مصدر بول کر اس سے مفعول مراد لیا جاتا ہے تو جس وقت روح مامور کے قسم سے ہوا تو مخلوق ہوا اور'' ونفخت فیہ من روحی'' کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں اضافت تشریف وتکریم کے لئے ہے جیسے بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر اور ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی کہا جاتا ہے ملاحظہ کریں شرح عقیدہ طحاویہ

ص ۳۹۱ اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ''الالہ خلق والامر'' میں مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق ہے اور اس میں حکم بھی اسی کا چلتا ہے یا اس میں مسلمانوں کو حکم ہے کہ اپنے یہاں اللہ کا قانون اور اس کی شریعت نافذ کریں پس اس پوری تحقیق سے ثابت ہوا کہ روح کو غیر مخلوق کہنا بدعت کا عقیدہ ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے وہ اہل بدعت میں سے ہے اہل سنت میں سے نہیں ہے چناچہ اسی بدعتی عقیدے کی بنا پر بعض صوفیہ نے خدائی دعوے کئے ہیں کیونکہ جس وقت روح مخلوق نہ ہوئی تو یہ انسان جو دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم دوسرا روح یعنی انسان کا ایک جزو مخلوق ہوا اور دوسرا غیر مخلوق اور اپنے غیر مخلوق جزو کے باعث اس میں خدائی صفات کا پایا جانا لازم ہے کیونکہ جو غیر مخلوق ہے وہ خالق ہے پس اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آدمی اپنے ظاہر کے اعتبار سے عبد یا بندہ ہوا جبکہ باطن میں موجود روح کی وجہ سے خدا ہوا نعوذ و باللہ من ذالک اسی لیے ایک سرائیکی شاعر نے کہا ہے کہ:

چاچڑ وانگ مدینہ ڈسے کوٹ مٹھن بیت اللہ ظاہر دے وچ پیر فرید باطن دے وچ اللہ

یعنی پیر فرید کوٹ مٹھن والے ظاہر میں فرید تھے باطن میں اللہ تھے کیونکہ انکے باطن میں موجود روح اللہ کی روح تھی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بھی اپنے باطن کی وجہ سے اپنے آپ کو خدا کہتے تھے جیسا کہ ان کی سوانح حیات اشرف السوانح ص ۲۱۷ ج ۱ میں درج ہے کہ:

﴿ کسی جلسہ میں بعض لوگوں نے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کو مجبور کرنا چاہا کہ آپ وعظ کریں جبکہ وعظ کرنا ان دنوں حضرت نے موقوف کر رکھا تھا، حضرت والا کو نہایت درجہ تنگی واقع ہوئی کیونکہ نہ انکار فرما سکتے تھے اور نہ اقرار کر سکتے تھے یہ حال دیکھ کر مولانا ظہور الاسلام صاحب فتح پوری کا دل پانی پانی ہوگیا انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا بس بھائی بس اب انھیں کچھ نہ کہو اپنے حال پر چھوڑ دو مولوی شاہ سلیمان پھلواری بھی آئے ہوئے تھے انھوں نے عجیب جواب دیا کہا اگر ایسی حالت میں اس شخص سے وعظ کہلوایا تو بس منبر پر بیٹھتے ہی اسکے منہ سے جو پہلا لفظ نکلے گا وہ'' انا الحق '' ہوگا ایسی حالت میں اصرار کرنا مناسب نہیں ہے ﴾

یہ ہے تبلیغی جماعت کے اکابرین میں سے ایک ممتاز شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا حال جن کی تفسیر بیان القرآن کے حوالے زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں متعدد مقامات پر نقل کئے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ منصور حلاج کو جس نے ''انا الحق'' کہہ کر خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا کے ولی اللہ ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی جو کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کی ایک دوسری اہم شخصیت ہیں منصور حلاج کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ منصور معذور تھے بیہوش ہوگئے تھے ان پر کفر کا فتویٰ دینا بے جا ہے انکے باب میں سکوت کرنا چاہیے اس وقت دفع فتنہ کے واسطے قتل کرنا ضروری تھا: اور ایک دوسرے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: بندہ کے نزدیک وہ ولی تھے اور منازل ولایت سے بندہ ناواقف ہے اور بزرگوں کے درجات کو جاننا میرا اور آپ کا کام نہیں اور کلام اپنے مرتبہ سے کرنا لازم ہے نہ اعلیٰ اپنے حال سے فقط واللہ اعلم ☆ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۷، ۱۰۸ ﴾

اورمولانا اشرف علی صاحب تھانوی منصور حلاج کی وکالت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ حسین بن منصور پر شبہ نہ کیا جاوے کہ انھوں نے انا الحق میں خدائی کا دعویٰ کیا کیونکہ ان پر ایک حالت تھی ورنہ وہ عبدیت کے بھی معترف تھے چناچہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے کسی نے پوچھا کہ جب تم خدا ہو تو نماز کس کی پڑھتے ہو جواب دیا کہ میری دو حیثیتیں ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن میرا ظاہر میرے باطن کو سجدہ کرتا ہے ☆ الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ یعنی ملفوظات حکیم الامت ملفوظ ۳۷۹ ج ۱ ﴾

پس معلوم ہوا کہ تبلیغی جماعت کے یہ اکابرین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان کا ظاہری جسم مخلوق ہے مگر اس جسم کے اندر جو روح موجود ہے وہ مخلوق نہیں بلکہ وہ روح ربانی ہے یعنی وہ روح اللہ کا جز و یا حصہ ہے یعنی جو عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائی رکھتے ہیں معاذ اللہ بالکل وہی عقیدہ تبلیغی جماعت کے لوگ اپنے اکابرین اپنے بارے میں رکھتے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ علم غیب

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ ان اللہ عنده علم الساعة و ینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بأي ارض تموت ان اللہ علیم خبیر ☆ سوره لقمان ۳٤ ﴾

یعنی ’’بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہ بارش برساتا ہے اور جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اسے جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا بے شک اللہ ہی پورا علم اور صحیح خبریں رکھنے والا ہے ‘‘ اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ان اللہ علم الغیب السموات والارض انه علیم بذات صدور ☆ فاطر ۳۸ ﴾

یعنی ’’بے شک اللہ جانتا ہے آسمان وزمین کی پوشیدہ چیزوں کو، بے شک وہی جانتا ہے جو کچھ دلوں میں ہے‘‘ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سات علوم کو تذکرہ کیا ہے ۱۔ قیامت کے وقوع کا علم ،۲۔ بارش کے نزول کا علم ،۳۔ ماں کی کوکھ میں موجود بچے کا علم ،۴۔ انسان کے مستقبل کے بارے میں علم ،۵۔ اپنی موت کے مقام کا علم ،۶۔ آسمان وزمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم جب تک اللہ کسی ذریعہ سے ظاہر نہ کردے ،۷۔ لوگوں کے دلوں میں موجود پوشیدہ باتوں کا علم ،مندرجہ بالا آیات میں ان علوم کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے لئے خصوصیت کے ساتھ اثبات کیا گیا ہے اور غیر کے لئے نفی کی گئی ہے ماسوائے دو علوم کے ایک بارش کب ہوگی؟ اور دوسرے ماں کے رحم میں کیا ہے؟ یہ دو علوم ایسے ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے غیر کے علم کی نفی نہیں کی لیکن اس کے علاوہ ان آیات میں دیگر پانچ علوم ایسے ہیں جن کا ذکر کر کے غیر کی نفی کی گئی ہے یعنی ان علوم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علم غیب سے ہے لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین نے صرف قیامت کے معلوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا وگرنہ باقی تمام ہی علوم پر بڑی خوبی سے ہاتھ صاف کردیا ہے مثال کے طور پر تبلیغی نصاب کی یہ عبارت جس میں زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت جنیدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے خواب میں شیطان کو بالکل ننگا دیکھا انھوں نے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ آدمیوں کے سامنے ننگا ہوتا ہے وہ کہنے لگا یہ کوئی آدمی ہیں ،آدمی تو وہ ہیں جو شونیزیہ کی مسجد میں بیٹھے ہیں جنھوں نے میرے بدن کو دبلا کر دیا ہے اور میرے جگر کے کباب کر دیئے ہیں، حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں گیا میں نے دیکھا کہ چند حضرات گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں مشغول ہیں، جب انھوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ خبیث کی باتوں سے کہیں دھوکے میں نہ پڑ جانا ☆ فضائل ذکر ص ۵۱ ﴾

یعنی اس واقعہ کے ذریعہ زکریا صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مراقبہ کرنے والے دوسروں کے دل کے حال حتیٰ کہ دوسروں کے خواب سے بھی باخبر ہوتے ہیں اسی طرح یہ دوسرا واقعہ ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں کہ:

﴿ شیخ ابو یعقوب سنوسی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل ظہر کے بعد مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت وہ مسجد حرام میں آیا طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا جب میں نے اسکو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے کہنے لگا میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے ☆ فضائل صدقات ص ۴۷۶ ﴾

زکریا صاحب کے بیان کردہ اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ صوفیوں کو نہ صرف اپنے آنے والے کل کا علم ہوتا ہے بلکہ مرنے کا وقت اور جگہ بھی معلوم ہوتی ہے یعنی نعوذ باللہ یہ علم غیب میں اللہ کے شریک ہوتے ہیں اسی ضمن میں ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ ایک معتمد دوست نے راقم سے ایک خوشنویس لکھنوی کی حکایت بیان کی، ان کی عادت تھی کہ جب صبح کے وقت کتابت شروع کرتے تو اول ایک بار درود شریف ایک بیاض پر جو اسی غرض سے بنائی تھی لکھ لیتے اسکے بعد کام شروع کرتے جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو غلبہ فکر آخرت سے خوف زدہ ہو کر کہنے لگے دیکھیے وہاں جا کر کیا ہوتا ہے، ایک مجذوب آ نکلے کہنے لگے بابا کیوں گھبراتا ہے، وہ بیاض سرکار میں پیش ہے اور اس پر صاد بن رہے ہیں ☆ فضائل درود ۹۵ ﴾

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ ان کے بزرگوں میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن کے لئے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتیں معمولی چیز ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر عالم بالا کی خبریں تک رکھتے ہیں یہ عام طور پر دیوانے ہوتے ہیں جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے اور مجذوب کے معنی ہوتے ہیں جذب شدہ یعنی صوفیہ کی اصطلاح میں مجذوب اسے کہتے ہیں جو نعوذ باللہ اللہ کی ذات میں جذب ہو گیا ہو اسی لئے اسکو اپنے حال کی خبر نہیں ہوتی اور وہ ننگ دھڑنگ گھومتا رہتا ہے لیکن بقول ان صوفیاً کے کائنات کی پوری خبر وہ رکھتے ہیں اور کائنات کا نظام انہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اسکی تائید اور وضاحت کرتے ہوئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ:

﴿ ایک اہل علم کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تکوینی کارخانہ مجذوبین سے متعلق کرنے میں یہ

حکمت ہے کہ ان میں عقل نہیں ہوتی اس لئے تشریع کے مکلّف نہیں ہوتے اوران کی بعض خدمتیں شرع پر منطبق نہیں ہوتیں مثلاً اگر مسلمانوں اور کافروں میں مقابلہ ہوتو مسلمانوں کا غلبہ مقصود تشریعی ہے اور ایسا ہونا بعض اوقات خلافِ مصلحت وحکمت ہوتا ہے اس لئے ایسی جماعت کے سپرد کیا گیا جسکو اس سے کچھ بحث نہیں اور ایسا کام سالک کب کرسکتا ہے اور اس کو کب جائز ہوتا ☆ الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ یعنی ملفوظات حکیم الامت ملفوظ ۱۰۶ ج ۱ ﴾

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ قرآن

دیوبندی علماء کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مگر بغیر آواز وحروف یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کلام القاء کیا جبرائیل پر اور جبرائیل نے القاء کیا نبی کریم ﷺ کے قلب پر اور نبی کریم ﷺ نے اسے عربی الفاظ کا جامہ پہنا کر امت کے سامنے پیش کیا لیکن دیوبندی چونکہ اپنے بعض عقائد میں شیعوں کی طرح تقیہ کرتے ہیں اس لئے اسے عوام الناس کے سامنے کبھی بھی کھلے الفاظ میں پیش نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ زکریا صاحب اپنے اس عقیدہ کا تبلیغی نصاب میں ان الفاظ میں اظہار کررہے ہیں:

﴿ کلام اللہ شریف معبود کا کلام ہے، محبوب ومطلوب کے فرمودہ الفاظ ہیں ﴾ اور آگے فرماتے ہیں

﴿ کلام الٰہی محبوب وحاکم کا کلام ہے اس لئے دونوں آداب کا مجموعہ اسکے ساتھ برتنا ضروری ہے

☆ فضائل قرآن ص ۷ ﴾

فقہ حنفی کی سب سے بڑی کتاب ہدایہ ہے جس کے بارے میں احناف کا کہنا ہے کہ "ھدایہ کالقرآن"، یعنی ہدایہ قرآن کی مانند ہے، علامہ ابن الھمام حنفی مذہب کے بڑے علماء میں سے ایک ہیں انھوں نے نو جلدوں میں ہدایہ کی شرح لکھی ہے اور عقائد میں ان کی ایک کتاب المسایرۃ ہے اسکی دو شرحیں اس کے ساتھ چھپی ہوئی ہیں ایک کمال بن ابی شریف کی ہے دوسری قاسم بن قطلوبغا کی ہے اس کتاب کے ص ۶۹، ۷۰ میں ہے کہ:

﴿ **الاصل السادس والسابع انه تعالی متکلم بکلام قدیم قائم بذاته لیس بحرف ولاصوت زاد غیره لیس بصری ولاسوری ولا عربی وانما العربی والسوری والبصری ممافیه دلالات علی کلام الله تعالی** ﴾

یعنی "اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے مگر اس کا کلام قدیم ہے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس سے جدا نہیں ہے اور اس کے کلام کے نہ حروف ہیں نہ آواز ہے اور اس کا کلام نہ عبرانی ہے نہ سوری ہے نہ عربی ہے کیونکہ عربی، سوری اور عبرانی زبان میں نازل ہونے والی کتب سماویہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ اس کا اصلی کلام نہیں" اس قاعدے میں عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کلام کے الفاظ بھی نہیں ہیں اور اس کے کلام کی کوئی آواز نہیں ہے پس جب اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر الفاظ وبغیر آواز ہوا تو یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوا بلکہ اللہ کے کلام کا ترجمہ اور معنی ہوا یعنی جب اللہ تعالیٰ کی آواز سنائی نہیں دے سکتی تو پھر جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام نہیں سنا اور ہمارے پاس موجودہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں کسی اور کا کلام ہوا اور اس قاعدے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ گونگا ہوا جو نہ بولتا ہے نہ اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ بلکہ گونگا بھی ہاں ہاں واں واں کی آواز نکالتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس سے بھی نعوذ باللہ محروم ہوا۔ یہ ہے تبلیغی جماعت کے اکابرین کا اللہ

تعالی اور قرآن کے بارے میں عقیدہ، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿ الم یروا انه لایکلمهم ولا یهدیهم سبیلا ☆ الاعراف : ۱۴۸ ﴾

یعنی ''کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ وہ بچھڑا نہ بات کرتا ہے ان سے اور نہ ان کو سیدھی راہ کی راہ نمائی کرتا ہے'' اس آیت میں اس بچھڑے کے نہ بولنے کو اس کا باطل معبود ہونا استدلال کیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو نہیں بول سکتا ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا اور عقیدہ کے بطن سے کہ اللہ تعالی کی کلام کے نہ الفاظ ہیں نہ آواز ہے ایک دوسرا عقیدہ بھی پیدا ہوتا ہے جو قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا عقیدہ ہے یہ عقیدہ بدعت فی الاسلام ہے اس عقیدہ کی تشہیر مشہور خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں ہوئی اس نے اپنی پوری حکومتی قوت سے اس عقیدے کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی لیکن امام احمدؒ بن حنبل اس کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے اور آخر کار امام احمدؒ کی کوششوں کو اللہ تعالی نے کامیابی دی اور بالآخر قرآن کو مخلوق کہنے والوں کو اپنے قول سے رجوع کرنا پڑا الحمد للہ علی ذالک آج تک اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے اور امام احمد کے پیروکار بھی قرآن کے الفاظ حروف کو ان کے معنی سمیت اللہ تعالی کی طرف سے سمجھتے ہیں اس لئے احناف نے اس قول کو بدعت اور حنبلیوں کو مبتدعین کہا ہے ان کے الفاظ ہیں کہ:

﴿ ثم المخالف فی صفة الکلام فرق منهم بدعة الحنابلة قالواکلامه تعالی حروف واصوات ☆ المسایره ص ۷۳ ﴾

یعنی ''ہمارے قول کے مخالف قرآن کریم کے بارے میں دوسرے فرقوں میں سے ایک بدعتی حنبلی ہیں وہ کہتے ہیں اللہ تعالی کی کلام کے حروف بھی ہیں اور آواز بھی ہے'' گویا کہ مسلمانوں میں جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے حروف والفاظ اپنے معنی سمیت اللہ تعالی کی طرف سے ہیں وہ بدعتی ہیں. نعوذ باللہ من ذالک اور یہی چیز ملا علی القاری حنفی نے شرح فقہ اکبر ص ۲۸ میں لکھی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں.

﴿ الا ان کلا مه لیس من جنس الحروف والاصوات ﴾

یعنی ''اللہ تعالی کا کلام حروف اور آواز کی قسم سے نہیں ہے'' اور حنبلیوں کی ان الفاظ میں مذمت کی ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ ومبتدعة الحنابلة قالواکلا مه حروف واصوات تقوم بذاته وهوقدیم ﴾

یعنی'' اللہ تعالی کے کلام کے بارے میں بدعتی حنبلیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ حروف والفاظ اور آواز کے ساتھ ہے'' حنفیہ کے نزدیک چونکہ قرآن کریم کے حروف اور الفاظ اللہ تعالی کی طرف سے نہیں ہیں اس لئے حنفی مذہب کے مشہور کتاب تبین الحقائق شرح کنزالدقائق ج ا ص ۱۱۱. میں ہے.

﴿ ویجوزبای لسان کان سوی الفارسة هو الصحیح لان المنزل هو المعنی عنده وهو لا یختلف باختلاف اللغات ﴾

یعنی ''صحیح یہ ہے کہ نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنا جائز ہے یہ ترجمہ خواہ کسی زبان میں ہو'' کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اللہ تعالی کی طرف سے قرآن کریم کے حرف والفاظ نہیں بلکہ صرف معنی ومفہوم اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب بدائع الصنائع ص ۱۱۳ ج ۱ میں ہے کہ:

﴿ لوقرأ شیئا من التوراة والانجیل والزبور فی الصلاة ان تیقن انه غیر محرف یجوز عند ابی حنیفة ﴾

یعنی اگر نماز پڑھنے والا مسلمان کسی نماز میں قرآن کریم کی آیات کے بجائے تورات وانجیل وزبور سے کچھ پڑھ لے تو جائز ہے اس سے اس کی نماز ہو جائے گی بشرطیکہ اس کو اس بات کا یقین ہو کہ توراۃ وغیرہ کی یہ آیات تحریف شدہ نہیں ہیں. میں کہتا ہوں یہ سب کچھ اس عقیدے کی بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالی کی کلام بغیر حروف وبغیر آواز کے ہے اور قرآن کریم کے حروف والفاظ قرآن نہیں بلکہ ان حروف الفاظ کا معنی ومفہوم قرآن ہے اور یہ عقیدہ بدعت فی الاسلام ہے اور قرآن کریم کو مخلوق کہنے کے مترادف ہے اور اس عقیدے کو بعض سلف نے کفر بھی کہا ہے. اس بارے میں امام عبداللہ بن امام احمدؒ نے کتاب السنہ ص ۱۸ ومابعدہ میں علماء سلف کے اقوال نقل کئے ہیں. اور قرآن کریم کے حروف والفاظ کے قرآن ہونے کا ثبوت خود قرآن مجید کے اندر موجود ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ:

﴿وهذالسان عربی مبین﴾(النحل : ۱۰۳)

یہ قرآن کریم عربی ہے

﴿نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین﴾(الشعراء : ۱۹۵)

اس قرآن کو روح امین جبرئیل لے کر آئے ہیں تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں آپ کے دل پر اس کو جبرئیل نے عربی زبان میں نازل کیا ہے.

﴿انا انزلناه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ﴾(یوسف : ۲)

ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگ اس کو سمجھ سکیں

﴿وکذالک انزلنا حکما عربیا﴾(الرعد : ۳۷)

اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی میں حکم وقانون بنا کر بھیجا ہے.

﴿وکذالک انزلنا قرآنا عربیا وصرفنا فیه من الوعید﴾(طه : ۱۱۳)

﴿قرآنا عربیا غیر ذی عوج لعلهم یتقون﴾(الزمر : ۲۸)

﴿کتا ب فصلت آیته قرآنا عربیا لقوم یعلمون﴾(فصلت : ۳)

﴿وکذلک اوحینا الیک قرآنا عربیا﴾(الشوری : ۷)

﴿انا جعلنه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون﴾(الزخرف : ۳)

﴿وهذاکتب مصدق لسانا عربیا لینذرالذین ظلمو﴾(الاحقاف : ۱۲)

ان تمام آیات میں ہے کہ اللہ تعالی کا قرآن عربی زبان میں ہے. اللہ تعالی نے یہ نہیں کہا کہ اس کا ترجمہ عربی زبان میں ہے یعنی اس کے معنی ومفہوم کو عربی نہیں کہا اس لئے علماء سلف نے کہا ہے کہ قرآن وہ ہے جو عربی زبان میں ہے اس کا ترجمہ خواہ وہ کسی زبان میں ہو تو وہ قرآن نہیں ہوسکتا.

بعض صحابہ کے عمل سے ثابت ہے کہ وہ قرآن کریم کو لیکر چومتے تھے اور فرماتے تھے یہ میرے رب کا کلام ہے

﴿ عن ابن ابی ملیکة قال کان عکرمة بن ابی جهل یا خذاالمصحف فیضعه علی وجهه ویقول کلام ربی کلام ربی ﴾

اس حدیث کے بعض الفاظ یہ ہیں. کتاب اللہ. یہ اللہ کی کتاب ہے. اور بعض الفاظ یہ ہیں کتاب ربی کتاب ربی. یہ میرے رب کی

کتاب ہے یہ اثر امام عبداللہ بن امام احمد بن حنبل کی کتاب السنہ ص ۲۶ میں ہے امام ابن الجوزی نے بھی اس اثر کو المنتظم ج ۴ ص ۱۵۷ میں طبقات ابن سعد کی سند سے روایت کیا ہے. عکرمہؒ کا یہ اثر اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قرآن کریم کے حروف والفاظ کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ قرآن کریم کو منہ سے لگا کر کتاب ربی کتاب ربی نہ کہتے ۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین اور عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شئیا و سیجزی الله الشکرین ☆ آل عمرآن آیت ۱۴۴ ﴾

یعنی'' محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید کر دیئے جائیں، تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائیگا تو ہرگز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گذاروں کو نیک بدلہ دے گا '' اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو جو نبی کریم ﷺ کی موت کے انتظار میں تھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿ وما جعلنا البشر من قبلک الخلد افائن مت وهم الخلدون ☆الانبیاء آیت ۳۴ ﴾

یعنی'' ہمیشگی تو ہم نے تم میں سے کسی انسان کے لئے نہیں رکھی ہے اگر آپ ﷺ کو موت آ گئی تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے'' یہ قرآن کی دوسری شہادت ہے اسکے بعد نبی کریم ﷺ کی وفات کے ضمن میں قرآن ہی کی تیسری شہادت بھی ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ انک میت و انهم میتون ☆ الزمر آیت ۳۰ ﴾

یعنی'' اے نبی ﷺ آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنیوالے ہیں'' قرآن کی ان تین شہادتوں کے بعد حدیث کی طرف آتے ہیں احادیث کی کتابوں میں سب سے اونچا مقام صحیح بخاری کا ہے لہذا اب ہم وفات نبی ﷺ پر صحیح بخاری سے ہی تین شہادتیں پیش کرتے ہیں پہلی شہادت یہ ہے:

﴿ عن عائشةؓ ان النبی ﷺ توفی وهو ابن ثلاث و ستین ☆ کتاب المناقب۔ باب وفاة النبی ﷺ ﴾

یعنی'' بی بی عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات تریسٹھ برس کی عمر میں ہوئی'' معلوم ہوا کہ بی بی عائشہؓ نبی کریم ﷺ کی وفات کی قائل تھیں اور لغت میں وفات کے معنی ہوتے ہیں پورا پورا لے لینا چنانچہ وفات النبی ﷺ کا مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح کو مکمل طور پر قبض کر لیا اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ مولانا قاسم نانوتوی نے آب حیات میں کہا کہ ''نبی کو تو موت آئی ہی نہیں بلکہ سینے میں روح اٹکی رہی'' پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی روح اللہ کے پاس ہے اور اس زمین پر جو آپ ﷺ کی قبر ہے اسمیں صرف آپ ﷺ کا جسد اطہر موجود ہے۔

﴿ عن عائشةؓ قالت لما مرض النبی ﷺ المرض الذی مات فیه جعل یقول فی الرفیق الاعلیٰ ☆ کتاب المغازی ۔ باب مرض النبی ﷺ ووفاته ﴾

یعنی'' بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس مرض میں جسمیں آپ ﷺ کی موت واقع ہوئی آپ ﷺ دعا فرماتے تھے کہ مجھے اعلیٰ رفیقوں میں جگہ عطاء فرما'' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ اب اس دنیا میں نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے مرض وفات میں اپنے لئے جگہ اعلیٰ رفیقوں یعنی انبیاء، صدیقین اور فرشتوں کی قرب کی جگہ کو طلب فرمایا تھا اور وہ جگہ اس روئے زمین میں بہر حال نہیں ہے۔

تیسری اور اہم ترین شہادت وہ واقعہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی وفات کی اطلاح کے بعد پیش آیا تھا اس واقعہ کو امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب المناقب، کتاب المغازی اور کتاب الجنائز وغیرہ میں نقل کیا ہے کہ:

﴿ اس موقعہ پر عمر فاروقؓ نے تلوار نکال لی کہ جو کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں اسکی گردن ماردوں گا، مگر ابوبکر صدیقؓ آئے پیشانی رسول ﷺ کو بوسہ دیا اور قسم کھا کر کہا کہ'' اللہ آپ ﷺ کو دو موتوں کا مزہ نہ چکھائے گا جو موت آپ کا مقدر تھی وہ آچکی'' پھر ابوبکر صدیقؓ باہر نکلے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا'' سن لو! تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ کو موت آچکی اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے اسے بھی جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی'' اسکے بعد ابوبکر صدیقؓ نے سورہ آل عمرآن اور سورہ زمر کی وہ آیات تلاوت کیں جو ہم نے اوپر نقل کیں ہیں جنہیں سن کر عمر فاروقؓ گھٹنوں کے بل گر گئے اور تمام صحابہ کرام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ واقعی وفات پا چکے ہیں ﴾

اس حدیث میں چند باتیں نہایت اہم اور اس مسئلہ کے ضمن میں فیصلہ کن ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱ ۔ عمر فاروقؓ کا نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقوع کو تسلیم کرنے سے انکار کو بعض لوگوں کے ان کی نبی کریم ﷺ سے جذباتی وابستگی سے تعبیر کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا بلکہ عمر فاروقؓ کو حیاۃ النبی کا مغالطہ قرآن کی ایک آیت'' **کنتم شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا** '' سے لاحق ہوا تھا لیکن جب ابوبکر نے قرآن ہی کے ذریعہ وفات النبی کی صراحت کر دی تو عمر فاروقؓ اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا تھا پس آج بھی جو لوگ حیاۃ النبی کے قائل ہیں وہ اسی طرح قرآن یا حدیث سے کوئی سہارا ڈھونڈتے ہیں لیکن انھیں جان لینا چاہیے کہ وفات النبی پر صحابہ کرام کا اجماع ہو جانے کے بعد قرآن کی کوئی آیت یا کوئی حدیث بھی ان کے موقف کو ثابت نہیں کر سکتی اسلیئے کہ قرآن وحدیث سے کسی انفرادی اجتہاد کے مقابلے میں اجماع امت دلیل اور راجح ہے۔

۲ ۔ اس حدیث میں جو بات سب سے زیادہ قابل غور ہے وہ ابوبکر صدیقؓ کا وہ قول ہے جو انھوں نے نبی کریم ﷺ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ''**یانبی اللہ لایجمع اللہ علیک موتتین اما الموتة التی کتبت علیک فقد متها** ''یعنی'' اے اللہ کے نبی ﷺ اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کریگا جو موت آپ ﷺ کے لئے لکھی ہوئی تھی وہ آپ ﷺ کو آچکی'' اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ

قبر میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے قائل ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ صحابہ کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ کی موت واقع ہوئی اس لئے اب جولوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں انھیں ماننا پڑے گا کہ نبی کریم ﷺ کے لئے ایک سے زیادہ موتیں اور زندگیاں ہیں اور اگر یہ نہیں مانتے تو پھر انھیں یہ ماننا پڑے گا کہ صحابہ کرام نے نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ کو زندہ ہی قبر میں دفن کر دیا تھا۔

۳ ۔ اس حدیث میں جو بات عقیدہ کے اعتبار سے اہم ترین ہے وہ ابوبکر صدیقؓ کا فتویٰ ہے کہ ''تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ کو موت آ چکی اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے اسے بھی جان لینا چاہیے کہ اللہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی'' اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک کوئی شخص بھی اگر یہ عقیدہ رکھے کہ نبی کریم ﷺ یا خضر علیہ السلام یا کوئی اور شخص زندہ ہے اور اسے موت نہیں آتی تو وہ ابوبکر صدیقؓ کے فتویٰ کے مطابق کافر اور مشرک ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی ''حی لا یموت'' ماننا شرک ہے۔

قرآن وحدیث کے ان تمام دلائل کو جان لینے کے بعد اب ہم جائزہ لیتے ہیں تبلیغی جماعت کے دیوبندی اکابرین کا جو کہ موحد اور وہابی ہونے کے دعویدار ہیں مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوری اپنی جماعت دیوبند کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلّف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہ السلام اور شہدا کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو حاصل ہے ☆ المہند علی المفند یعنی علمائے دیوبند کے عقائد ص ۳۸ ﴾

مولانا زکریا صاحب بھی اپنے دیوبندی مشائخ کی تائید میں نہ صرف قبر میں نبی کریم ﷺ کو زندہ ماننے کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھکر قبر میں نبی کریم ﷺ کا سمع اور کائنات میں تصرف کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں انھوں نے اپنے اس عقیدہ کو اس طرح بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ سید احمد رفاعی مشہور بزرگ اکابر صوفیہ ہیں، ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ ہجری میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے ،ترجمہ: ''دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی اب جسموں کی باری آئی ہے اپنا دست مبارک عطا فرمائیے تا کہ میرے ہونٹ اس کو چومیں'' اس پر قبر شریف سے دست مبارک نکلا اور انھوں نے اسکو چوما کہا جاتا ہے کہ اس وقت نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کی زیارت کی جن میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے ☆ فضائل حج ص ۱۳۱ ﴾

یہاں زکریا صاحب اپنے متبعین کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور امت کے تمام حالات سے باخبر ہیں، قبر پر آنے والے کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں، اسکے سلام اور اسکی گفتگو کو سنتے اور سمجھتے ہیں، جواب دیتے اور مصافحہ بھی کرتے

ہیں اور اگر ضرورت سمجھیں تو باہر نکل کر مشکل کشائی اور دستگیری کے لئے بھی حاضر ہو جاتے ہیں اسکے ثبوت کے طور پر یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴾ حافظ ابو نعیم، حضرت سفیان ثوریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ باہر جا رہا تھا کہ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ وہ جب قدم اٹھاتا یا رکھتا ہے تو یوں کہتا ہے ''اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد'' میں نے پوچھا کیا کسی علمی دلیل سے تیرا یہ عمل ہے یا محض اپنی رائے سے، اس نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا سفیان ثوریؒ اس نے کہا کیا عراق والے سفیان؟ میں نے کہا ہاں! کہنے لگا تجھے اللہ کی معرفت حاصل ہے، میں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا کس طرح معرفت حاصل ہے؟ میں نے کہا رات سے دن نکالتا ہے دن سے رات نکالتا ہے، ماں کے پیٹ سے بچے کی صورت پیدا کرتا ہے، اس نے کہا کچھ نہیں پہچانا، میں نے کہا پھر تو کس طرح پہچانتا ہے؟ اس نے کہا کسی کام کا پختہ ارادہ کرتا ہوں اس کو فسخ کرنا پڑتا ہے اور کسی کام کے کرنے کی ٹھان لیتا ہوں مگر نہیں کر سکتا اس سے میں نے پہچان لیا کہ کوئی دوسری ہستی ہے جو میرے کاموں کو انجام دیتی ہے، میں نے پوچھا تیرا درود کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میں اپنی ماں کے ساتھ حج پر گیا تھا، میری ماں وہیں رہ گئی یعنی مر گئی اسکا منہ کالا ہو گیا اور اسکا پیٹ پھول گیا جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی بہت بڑا سخت گناہ ہوا ہے اس سے، میں نے اللہ جل شانہ کی طرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ حجاز سے ایک ابر آیا اور اس میں سے ایک آدمی ظاہر ہوا اس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا جس سے وہ بالکل روشن ہو گیا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو ورم بالکل جاتا رہا، میں نے ان سے عرض کیا آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو آپ نے دور کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں میں نے عرض کیا مجھے کوئی وصیت کیجئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی قدم رکھے یا اٹھایا کرے تو ''اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد'' پڑھا کر ☆ فضائل درود ص ۱۲۱، ۱۲۲ ﴿

اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر چھوڑ کر پکارنے والے کی مدد کو بھی پہنچتے ہیں اور پھر واپس جا کر قبر کے اندر سے درود سلام پڑھنے والوں کو جواب بھی دیتے ہیں اور کسی غیر محرم عورت کے منہ اور چہرے پر ہاتھ بھی پھیرتے ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ جب آپ ﷺ قبر کے باہر ہوتے ہیں تو قبر پر پڑھے جانے والے درود وسلام کا کیا ہوتا ہے اور ایک حدیث میں جمعہ کے دن کی درود فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ:

﴾ عن اوس بن اوسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم و فیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فأکثروا علی من الصلاۃ فیه فان صلاتکم معروضة علی ۔ قالوا یا رسول اللہ ﷺ وکیف صلاتنا علیک وقد أرمت قال یقولون بلیت قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء ☆ رواہ ابو داؤد و النسائی وابن ماجه والدارمی والبیهقی

﴿فی الدعوات الکبیر﴾

یعنی ''اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اسی دن آدمؑ پیدا ہوئے اوراسی دن میں فوت ہوئے ،اسی دن صور پھونکا جائے گا اوراسی دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے پس تم جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا بھیجا ہوا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے صحابہ کرام نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی وفات کے بعد آپ ﷺ تک درود کیسے پہنچے گا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے اور زمین انبیاء کے اجسام کو نہیں کھا سکتی ہے ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اس دنیا میں زندہ نہیں اور نہ ہی ان کی روح ان کے اس جسم میں ہے جو دنیا میں انھیں حاصل تھی کیونکہ جب صحابہ کرام نے سوال کیا کہ آپ ﷺ تک آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہمارا دورد کیسے پہنچے گا تو نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں وہ فنا کیسے ہوسکتے ہیں بلکہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ انبیاء کے اجسام قبر میں محفوظ رہتے ہیں ان کو مٹی نہیں کھاتی یعنی اللہ تعالیٰ معجزاتی طور پر انبیاء کرام کے بے روح اور مردہ جسم کو مٹی میں فنا ہونے سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ اگر کسی جسم میں روح موجود ہو تو اسکو مٹی کھاتی ہی نہیں خواہ وہ جسم کسی مشرک یا کافر ہی کا کیوں نہ ہو مثلاً اگر آپ کسی شخص کو مٹی میں دفنا دیں مگر اس طرح کے اسکی روح اور جسم کا رشتہ آپس میں برقرار ہے یعنی اسے ہوا پانی اور غذا برابر ملتی رہے تو وہ شخص خواہ کتنی بھی مدت دفن رہے اسکے جسم کو مٹی نہیں کھا سکتی بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بعض ہندو جوگی ایسا عمل آج بھی کرتے ہیں کہ وہ اپنا پورا جسم زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور اپنا چہرہ اور سر باہر رکھتے ہیں پھر کئی دن اس طرح زمین میں دفن رہنے کے بعد وہ صحیح سالم باہر نکل آتے ہیں پس نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ انبیاء کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی اس بات کی دلیل ہے کہ اس دنیا میں انبیاء کرام کے جو جسم ہیں وہ بے جان و بے روح ہیں اور ان کے جسم کو مٹی کا نہ کھانا اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ ہے واضح ہو کہ ابو درداؓ سے بھی اس ضمن میں ایک روایت آئی ہے جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

﴿نبی اللّٰہ حیی یرزق ☆رواہ ابن ماجه﴾

یعنی ''قبر میں اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور وہ کھاتا پیتا ہے'' اس حدیث سے بعض لوگ یہ دلیل لیتے ہیں کہ اللہ کے نبی قبر میں زندہ ہیں اور اسی طرح کی زندگی گزار رہے ہیں جس طرح زمین کے اوپر گزار رہے تھے لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث انتہا درجہ کی ضعیف ہے علامہ بوصیریؒ نے مصباح الزجاجہ ص ۲۹۴ ج ۱ میں نقل کیا ہے کہ یہ روایت دو جگہ سے منقطع ہونے کے باعث ضعیف ہے اسی حدیث کو زکریا صاحب نے اپنے فضائل درود میں بھی نقل کیا ہے اور اپنی تمام جھوٹی حکایات کا طومار اسی حدیث کی بنیاد پر باندھا ہے لیکن صحیح احادیث اور قرآن کی صراحت کے بعد اسلام میں اس قسم کے عقیدہ کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے نیز کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نبی کریم ﷺ کو قبر میں زندہ نہیں مانتے مگر اسکے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قبر پر پڑھے جانے والے دورد کو سنتے ہیں جیسا کہ تبلیغی نصاب میں بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

﴿ حضرت ابوہریرہؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب سے دورد پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے ☆ فضائل درود شریف ص ۱۸ ﴾

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اسکے راوی محمد بن مروان سدی کے بارے میں ابن نمیر نے کہا کہ وہ جھوٹا ہے

اورنسائی کہتے ہیں کہ متروک ہے ملاحظہ فرمائیے کتاب الموضوعات ج اص ۳۰۳ اورعلامہ البانی نے اسکے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے اورلکھا ہے کہ صحیح حدیث میں صرف یہ بات بیان ہوئی ہے کہ جوشخص آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے اسکا درود آپ ﷺ تک پہنچادیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ ج ۱ص ۲۰۳ مزید برآں حنفی مذہب کے مطابق مردہ سنتا ہی نہیں ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتاب درمختار ص ۳۹۱ ج ۲ میں ہے کہ:

﴿ فلو قال ان ضربتک او کسوتک او کلمتک او دخلت علیک اوقبلتک۔تقید کل منها بالحیواۃ حتی لو علق بها طلاقا او عتقا لم یحنث بفعلها فی المیت ﴾

یعنی اگرکوئی یوں کہے کہ تجھ کو ماروں یا تجھ کوکسوت دوں یا تجھ سے کلام کروں یا تیرے پاس آؤں یا تیرابوسہ لوتو ہرایک مقید بزندگی ہوگا یہاں تک کہ ان افعال کو یا عتاق کو معلق کرے گا توان افعال کے میت کے ساتھ کرنے سے حانث نہ ہوگا ملاحظہ فرمائیے غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار مزید برآں درمختار کے شارح اسکی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کلام کرنے سے غرض افہام ہے اور موت اسکے منافی ہے اورفتاوی شامی یعنی حاشیہ ردالمحتار ص ۲۳۵ ج ۲ میں ہے کہ:

﴿ فی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارۃ الی انه لا یُسن الاذان عندا دخال المیت فی قبره کما هوا المعتاد الآن۔ وقد صرح ابن حجر فی فتاویٰ بانه بدعة ﴾

یعنی صاحب درمختار نے مذکورہ چیزوں کے ذکر پراکتفا کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ میت کودفن کرنے کے بعد قبر پراذان دینا سنت نہیں جسکا رواج آج کل ہےاورابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں اسکے بدعت ہونے کی صراحت کی ہےاور بریلوی مذہب کی مشہور کتاب بہارشریعت میں ہے کہ شرط کامحل جاتا رہا تعلیق باطل ہوگئی مثلاً کہا اگرفلاں سے بات کرے تو تجھے طلاق ہےاب وہ شخص مرگیا جس سے بات کرنے پرطلاق کی شرط تھی تو تعلیق باطل ہوگئی بحوالہ بہارشریعت ص ۳۳ حصہ ۱۸ اس شرط کے باطل ہونے کی وجہ یہی ہے کہ حنفی مذہب میں مردہ زندے آدمی کی بات نہیں سنتا ہےاورعین الھدایہ ص ۲۳۶ ج ۲ میں ہے:

﴿ وکذاالکلام والدخول لأن المقصود من الکلام الا فهام والموت ینافیه ﴾

یعنی کسی سے بات کرنے سے غرض بات سمجھنااور سمجھانا ہوتا ہے اور موت ان دونوں باتوں کے منافی ہے پس قبر پر جا کر پڑھا جانے والا درود وسلام بھی اللہ تعالیٰ ہی نبی کریم ﷺ تک پہنچاتا ہے یہی عقیدہ قرآن کریم کے مطابق اوراقرب الی سنہ ہے۔

افکار و نظریات تبلیغی جماعت

تبلیغی جماعت میں جو لوگ شامل ہوتے ہیں ان کا تعلق بالعموم اس سے قبل کسی دینی جماعت سے نہیں رہا ہوتا ہے جسکے باعث وہ سیدھے سادھے لوگ دین کے بنیادی اصولوں سے قطعی طور پر ناواقف ہوتے ہیں جس کا بھرپور فائدہ اس جماعت کے اکابرین اور وہ لوگ جو تبلیغی جماعت میں ایک طویل مدت رہنے کے بعد اس گروہ کے منجھے ہوئے کھلاڑی بن چکے ہوتے ہیں اٹھاتے ہیں چناچہ تبلیغی نصاب بالخصوص اور اپنے اکابرین کی دیگر تالیفات کے ذریعہ بالعموم وہ افکار و نظریات جو قطعاً غیر اسلامی ہیں ان مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ کر دیئے جاتے ہیں جنہیں وہ خالص اسلامی نقطہ نظر سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور چونکہ ان پر قرآن و حدیث اور دیگر علماء کی کتابیں پڑھنے پر پابندی ہوتی ہے اس لئے وہ ان غیر اسلامی افکار و نظریات کا رد کرنا تو دور کی بات ساری عمر سمجھ بھی نہیں پاتے چناچہ ان صفحات پر ہم ان ہی غیر اخلاقی اور غیر اسلامی نظریات کو تبلیغی جماعت کی کتابوں سے کشید کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

قرآن کی تلاوت سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے

قرآن کریم کا شفا ہونا معلوم و معروف ہے اور خود قرآن نے اسکے نزول و تلاوت کو بارش کے نزول سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح بارش مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے اسی طرح قرآن کی تلاوت مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے مگر زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں قرآن کے استعمال کا ایک نیا نسخہ تجویز کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت خلید ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے ''کل نفس ذائقة الموت'' پر پہنچے تو اس کو بار بار پڑھنے لگے تھوڑی دیر بعد گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ اسکو پڑھو گے تمہارے اس بار بار پڑھنے سے چار جن مر چکے ہیں ☆ حکایات صحابہ دوسرا باب ص ۴۲ ﴾

یہ واقعہ بظاہر بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے مگر اسکے پیچھے ایک فکر ہے جو زکریا صاحب اپنے متبعین کو پہنچانا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن ایک مافوق الفطرت شئے ہے لہذا اس سے تھوڑا دور ہی رہو اگر اس کے پڑھنے سے جنات مر سکتے ہیں تو کیا معلوم کبھی تم کو بھی کوئی نقصان پہنچ ہی جائے نیز اگر قرآن میں اس قسم کی کوئی تاثیر ہے تو اسکی کوئی مثال صحابہ کرام میں کیوں نہیں ملتی؟ کیا زکریا صاحب اپنے متبعین کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صوفیاً کا قرآن کی تلاوت میں اخلاص صحابہ کرام سے بھی زیادہ ہے۔

قابل اتباع صحابہ کرام نہیں صوفیاً ہیں

حکایات صحابہ کے ابواب میں زکریا صاحب نے صحابہ کرام کے زہد و تقویٰ اور ایثار و قربانی کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں اسکے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ ان کا اتباع نہ اب ہو سکتا ہے اور نہ ہر شخص کو کرنا چاہیے کہ قویٰ ضعیف ہیں جس کی وجہ سے تحمل بھی ان کا اس زمانے میں دشوار ہے ☆ حکایات صحابہ ص ۵۰ ﴾

جبکہ صوفیا کے محیر العقل کارنامے اور غیر معقول و غیر شرعی معمولات کی تائید فرماتے ہوئے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴾ بزرگوں کے یہ معمولات اس وجہ سے نہیں لکھے جاتے کہ سرسری نگاہ سے ان کو پڑھ لیا جائے یا کوئی تفریحی فقرہ ان پر کہہ دیا جائے بلکہ اس وجہ سے لکھے جاتے ہیں کہ اپنی ہمت کے موافق ان کا اتباع کیا جائے اور حتی الوسع پورا کرنے کا اہتمام کیا جاوے ☆ فضائل رمضان ﴿

دراصل زکریا صاحب نہیں چاہتے کہ کوئی فطرت سے موافقت رکھنے والے امور کو اپنانے کی کوشش کرے ورنہ صوفیت کو چہار دانگ عالم میں پھیلانے کا خواب ادھورا رہ جائے گا اسی لئے زکریا صاحب چاہتے ہیں کہ کوئی اگر نماز پڑھے تو صوفیاً کی طرح پوری پوری رات پڑھے قرآن پڑھے تو اس طرح ایک ایک دن میں دو دو تین تین قرآن ختم کرے اور روزہ رکھے تو وہ بھی اس طرح جسطرح صوفیاً نے رکھا ہے تا کہ صوفیت کو ساری دنیا میں رائج کرنے کا خواب جلد از جلد پایہ تکمیل کو پہنچے۔

نبی کریم ﷺ کے فضلات پاک ہیں؟

﴾ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دیا کہ اسکو کہیں دبا دیں وہ گئے اور آکر عرض کیا دبا دیا حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہاں عرض کیا میں نے پی لیا حضور ﷺ نے فرمایا جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اسکو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی مگر تیرے لئے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے (خمیس) ف: حضور ﷺ کے فضلات، پاخانہ، پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں ☆ حکایات صحابہ بارھواں باب حکایت نمبر۵ ﴿

عبداللہ بن زبیرؓ کی اس حدیث میں ایک راوی ھند بن قاسم ہے جو کہ مجہول ہے اس وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے اور قرآن کی نص صریح ہے کہ خون حرام ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۱۷۳، سورۃ المائدہ آیت ۳ اور سورۃ النحل آیت ۱۱۵ میں مذکور ہے اور احد کی لڑائی میں جب نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر میں خود کے حلقے گھس گئے تھے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے زکریا صاحب رقمطراز ہیں کہ:

﴾ ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابوسعیدؓ خدری کے والد ماجد مالک بن سنانؓ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اسکو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی ☆ حکایات صحابہ بارھواں باب حکایت نمبر۶ ﴿

پس جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں خون کو حرام قرار دیا ہے تو اسکے پینے کی فضیلت نبی کریم ﷺ کیونکہ بیان کر سکتے ہیں چنانچہ اس قسم کی روایات قرآن کی نص کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہیں اسی سبب جب ایک صاحب نے زکریا صاحب کی اس تحریر کا تعاقب کرتے ہوئے زکریا صاحب کو لکھا کہ:

﴾ براہ مہربانی فضلات کی طہارت کا ثبوت قرآن، حدیث یا کسی فقہ کی کتاب سے جس طرح آپ کو معلوم ہو تحریر فرما دیں ﴿

اسکے جواب میں زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ جوحضرات حکایات صحابہ کے مضمون پر اعتراض کرتے ہیں وہ غیر مقلد ہوں گے کہ وہ اسکا انکار کرتے ہیں ورنہ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے ☆ کتب فضائل پر اشکالات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص۱۰۳ ﴾

ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا جمہور اہل علم قرآن کے خلاف فتویٰ دے سکتے ہیں، جبکہ خون قرآن کی نص سے حرام ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے نیز جن جمہور کا زکریا صاحب حوالہ دے رہے ہیں وہ اہل بدعت ہیں اہل سنت نہیں ہیں، اس اشکال کے جواب میں زکریا صاحب نے ایک اقتباس فتاویٰ شامی اور ایک اقتباس شمائل ترمذی کی شرح سے ملا علی قاری حنفی کا نقل کیا ہے سوال یہ ہے کہ کیا زکریا صاحب کے نزدیک یہی جمہور علماء ہیں؟ اور ایک ایسا مسئلہ جس سے فطرت انسانی کراہیت کرتی ہے اسکی دلیل کے لئے قرآن یا کسی صحیح حدیث کا حوالہ ضروری نہیں ہے اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں اسی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ اہل حدیث حضرات کو اگر اس پر اصرار ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے فضلات ناپاک ہی تھے تو اس سے اب کیا اثر پڑتا ہے جہاں تک اس ناکارہ کی تحریر کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ پر بندہ کے نزدیک صحیح ہے ☆ کتب فضائل پر اشکالات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص۱۰۶ ﴾

یہ محض زکریا صاحب کی خام خیالی ہے کہ اس اب اس چیز کے بیان کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے کیونکہ کسی بھی نبی یا غیر نبی کے بارے میں اس طرح کی مافوق الفطرت چیزوں کے بیان کرنے سے عوام الناس اس انسان کو عبدیت کے درجہ سے اٹھا کر الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں اسلئے کسی نبی کے بارے میں کوئی بھی غیر معمولی بات کبھی بھی بغیر صحیح سند کے بیان کرنا لوگوں کو گمراہیت میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔

امت کا اختلاف رحمت ہے

﴿ علماء میں اختلاف رحمت ہے اور بدیہی امر ہے ☆ فضائل تبلیغ فصل سادس ﴾

یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے کہ ''اختلاف امتی رحمۃ'' علامہ البانی فرماتے ہیں اسکی کوئی اصل نہیں اور یہ حدیث اپنے معنی کے اعتبار سے محقق علماء کے نزدیک ناقابل قبول ہے ابن حزم نے اسے نہایت فاسد القول قرار دیا ہے ملاحظہ فرمائیے **سلسلہ الاحادیث الضعیفۃ** ج ا ص ۷۶ نیز قرآن میں اختلاف کرنے سے منع کیا گیا ہے:

﴿ **ولاتنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم ☆ الانفال ٤٦** ﴾

یعنی آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دوسرے مقام پر قرآن یہ ہدایت کرتا ہے کہ:

﴿ **فان تنازعتم فی شيء فردوه الى الله و الرسول ☆ النساء ٥٩** ﴾

یعنی اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسکو اللہ اور اسکے رسول کی طرف لوٹاؤ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت نے اختلاف کو باقی رکھنا مذموم قرار دیا ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ امت کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے انھوں نے ملت کو زبردست نقصان

پہنچایا ہے پھر اسکو رحمت کس طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس حدیث کو ان ہی لوگوں نے گھڑا اور آگے بیان کیا ہے جو جانتے ہیں کہ ان کی جیب میں کھوٹے سکے ہیں چنانچہ اپنی عوام کا منہ بند کرنے کیلئے انھوں نے اس قسم کے نظریہ کو فروغ دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی قبر عرش و کرسی سے افضل ہے

﴿ قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے جو حصہ حضور ﷺ کے بدن سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ سے افضل ہے، عرش سے افضل ہے، کرسی سے افضل ہے حتی کہ آسمان و زمین کی ہر جگہ سے افضل ہے
☆ فضائل حج ص ۱۰۹ ﴾

یہ بہت بڑا دعویٰ اور عظیم جرأت ہے جو زکریا صاحب نے کی ہے کیونکہ یہ بات نہ قرآن میں کہیں ہے اور نہ حدیث میں کہیں بیان ہوئی ہے پھر مؤلف صاحب کو کیسے معلوم ہوگیا؟ کیا دین کے معاملے میں ایسی اٹکل پچو باتیں کہنا جائز ہے؟ پس قبر کی جگہ کا کعبہ اور عرش و کرسی افضل ہونا کھلی مبالغہ آرائی ہے اور بالبداہت غلط ہے ایسی باتیں کہنے سے احتراز کرنا چاہیے اور جو نبی کریم ﷺ کے رتبہ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دینے والی ہوں اسطرح کی بے سروپا باتیں شعراء حضرات کی وضع کردہ ہیں ان کے بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے نیز یہ بات اس عقیدے کی بھی غماز ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی نہیں ہے اگر وہ عرش پر ہوتا تو اس کے عرش سے افضل کوئی چیز نہ ہوتی۔

کراماً کاتبین سے کوئی عمل چھپایا بھی جاسکتا ہے

﴿ مسند ابو یعلی میں بروایت حضرت عائشہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ ذکر جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستر درجہ دو چند ہوتا ہے جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ تمام مخلوق کو حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور کراماً کاتبین اعمال نامہ لے کر حاضر ہونگے تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندے کے اعمال دیکھو کچھ باقی ہے وہ عرض کریں گے ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو اور محفوظ نہ ہو تو ارشاد ہوگا ہمارے پاس اسکی ایسی نیکی ہے جو تمہارے علم میں نہیں اور وہ ذکر خفی ہے
☆ فضائل ذکر ص ۴۳ ﴾

اس حدیث کی سند میں معاویہ بن یحیٰ صدفی راوی ہے جو کہ ضعیف ہے دیکھئے مجمع الزوائد ص ۸۶ ج ۱۰ اور اس حدیث کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے سے اسکا باطل ہونا بلکل واضح ہوجاتا ہے سورہ انفطار میں ارشاد ہوا:

﴿ **وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ماتفعلون** ﴾

یعنی تم پر نگران مقرر ہیں وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو جبکہ مذکورہ بالا حدیث بتاتی ہے کہ ذکر خفی کراماً کاتبین سے بھی مخفی رہ جاتا ہے اور سورہ کہف میں ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال نامہ کو دیکھ کر کہیں گے کہ:

﴿ **مال هذا الكتاب لايغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصها** ﴾

یعنی یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹی بڑی چیز چھوڑی ہی نہیں بلکہ ہر چیز کو درج کرلیا ہے اس طرح قرآن صراحت کے

ساتھ بتلاتا ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اعمالنامہ میں سے غائب ہونے والا نہیں لیکن زیر بحث روایت بتلاتی ہے کہ ذکرخفی اعمالنامے میں درج ہونے سے رہ گیا تھا اور لکھنے والے فرشتوں کو بھی اسکی خبر نہیں تھی ایسی حدیث کو موضوع اور باطل نہ کہا جائے اور کیا کہا جائے صوفیہ کی اصطلاح میں جو ذکر ہونٹ اور زبان ہلائے بغیر کیا جاتا ہے اس کو ذکرخفی یا ذکر قلبی کہا جاتا ہے لیکن دین اسلام میں ایسے ذکر کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ ذکر کے لئے ہونٹ اور زبان کا ہلانا شرط ہے اسکی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿ واذكر ربك فى نفسك تضرعاً وخيفة ودون الجهر من القول با لغدو والاصال ولا تكن من الغافلين ☆ سورة الاعراف ٢٠٥ ﴾

یعنی یاد کرو اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بغیر اونچی آواز کے دن و رات میں اور غافلوں میں سے مت ہو جاؤ یہاں ''دون الجھر من القول'' کہا گیا ہے اور قول کا اطلاق اس بات پر ہوتا ہے جس میں ہونٹ اور زبان ضرور حرکت کریں اس لئے جو لوگ ہونٹ اور زبان ہلائے بغیر نماز پڑھتے ہیں یا کوئی اور ذکر کرتے ہیں ان کا یہ ذکر کسی کھاتے میں شمار نہیں ہوتا اور قیامت کے دن ان کا یہ ذکر اور نماز ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچانے والی ویسے بھی یہ دنیا دارالعمل ہے اور قیامت کے دن وزن اعمال کا ہوگا اور جو ذکر ہونٹ اور زبان کی حرکت سے بھی عاری ہو اسکو عمل نہیں بلکہ سوچ کہا جائے گا اور سوچ وخیال پر کوئی بدلہ نہیں ہے۔

زیارتِ قبرِ نبی کریم ﷺ شفاعت کا باعث ہے

﴿ جس نے میری قبر کی زیارت کی اسکے لئے میری شفاعت ضروری ہوگئی ☆ فضائل حج ص ۹۶ ﴾

یہ حدیث ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اسکے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور بیہقی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے بحوالہ کشف الخفاء للشیخ العجلونی ج ۲ ص ۲۴۴ اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ'' آپ ﷺ کی قبر کی زیارت سے متعلق تمام احادیث ضعیف ہیں دین کے معاملے میں ان میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا اسی لئے اصحابِ صحاح اور سنن نے ان میں سے کسی بھی حدیث کو نقل نہیں کیا ہے اور ان احادیث کو ضعیف احادیث نقل کرنے والوں نے ہی روایت کیا ہے جیسے دارقطنی اور بزار وغیرہ ملاحظہ فرمائیے مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ج ا ص ۲۳۴ '' جبکہ محمد ناصر الدین البانی نے تو اسکو موضوع قرار دیا ہے دیکھئے الجامع الصغیر ج ۵ ص ۲۰۲ پس اگر یہ ارشاد نبوی ﷺ ہوتا تو صحاح کے روایوں میں سے کسی نہ کسی کو ضرور ملتا اور واقعہ یہ ہے کہ شفاعت کے سلسلہ میں قرآن نے بڑی سخت شرائط بیان کی ہیں جبکہ ان ضعیف احادیث نے ان کو بلکل ہی نرم کر دیا ہے۔

قرآن کے ظاہری معنی سے مراد تلاوت ہے

قرأت قرآن کے آداب وشرائط کے ضمن میں آداب کا بیان کرتے ہوئے ذکریا صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ صوفیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو قرأت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا ☆ فضائل قرآن ص ۸ ﴾

اور قرأت قرآن کی شرائط بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

﴿ قرآن شریف کے ظاہر اور باطن ہونے کا مطلب، ظاہر یہ ہے کہ ایک ظاہری معنی ہیں جن کو ہر

شخص سمجھتا ہے اور ایک باطنی معنی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھتا ☆ فضائل قرآن ص ۱۸ ﴾

اسکے بعد اسکی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ بعض مشائخ نے ظاہر سے مراد اسکے الفاظ فرمائے ہیں جن کی تلاوت میں ہر شخص برابر ہے اور باطن سے مراد اسکے معنی و مطالب ہیں جو حسب استعداد مختلف ہوتے ہیں ☆ فضائل قرآن ص ۱۸ ﴾

حالانکہ حقیقت میں ظاہری اور باطنی کی اصطلاح ہی بنیادی طور پر غلط ہے اس کے بجائے صحیح اصطلاح آیات محکامات اور آیات متشابہات ہے جس میں آیات محکمات کا مطلب ہے وہ آیات جو احکامات اور عقائد کے ضمن میں نازل ہوئی ہیں انکے مضامین آسان اور واضح ہیں جبکہ وہ آیات جن میں کسی واقعہ یا حقیقت کا سرسری طور پر بیان کیا گیا ہے آیات متشابہات کہلاتی ہیں ان کے مفاہیم علماء کرام غور فکر کے بعد ہی معلوم کر سکتے ہیں مگر ان آیات کا تعلق بنیادی اسلامی عقائد سے نہیں ہوتا اس لئے ان آیات کے معنی و مفہوم اگر ایک عام آدمی کو نہ بھی معلوم ہو تو اسکو عمل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

قرآن کے مفاہیم بھی کشف سے معلوم ہوتے ہیں

قرأت قرآن کے آداب و شرائط کے ضمن میں شرائط کا بیان کرتے ہوئے ایک عامی آدمی کے لئے قرآن کے معنی جاننے کی غرض سے جو شرائط تحریر فرمائی ہیں زکریا صاحب نے قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے صوفی کو ان تمام شرائط سے آزاد کر دیا ہے اگر یقین نہیں آتا تو یہ تبلیغی نصاب کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے جس میں زکریا صاحب رقمطراز ہیں کہ:

﴿ شیخ عبدالعزیز دباغ ابھی قریب ہی زمانے میں ایک بزرگ گذرے ہیں جو بلکل امی تھے مگر قرآن شریف کی آیت، حدیث قدسی، حدیث نبوی اور موضوع حدیث کو علیحدہ علیحدہ بتا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ متکلم کی زبان سے جب لفظ نکلتے ہیں تو ان الفاظ کے نور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کا کلام ہے کہ اللہ پاک کے کلام کا نور علیحدہ ہے اور حضور ﷺ کے کلام کا نور دوسرا ہے اور دوسرے کلاموں میں یہ دونوں نور نہیں ہوتے ☆ فضائل ذکر ص ۴۱ ﴾

اور اسی مناسبت سے زکریا صاحب ایک جگہ رقم طراز ہیں کہ:

﴿ سید علی بن میمونؒ کا قصہ مشہور ہے کہ جب شیخ علوان حمویؒ جو ایک متجر عالم اور مفتی اور مدرس تھے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سید صاحب کی ان پر خصوصی توجہ ہوئی تو ان کو سارے مشاغل درس و تدریس فتویٰ وغیرہ سے روک دیا اور سارا وقت ذکر میں مشغول کر دیا عوام کا تو کام ہی اعتراض اور گالیاں دینا ہے لوگوں نے بڑا شور مچایا کہ شیخ کے منافع سے دنیا کو محروم کر دیا اور شیخ کو ضائع کر دیا وغیرہ وغیرہ کچھ دنوں بعد سید صاحب کو معلوم ہوا کہ شیخ کسی وقت کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں سید صاحب نے اسکو بھی منع کر دیا تو پھر پوچھنا ہی کیا، سید صاحب پر زندیقی اور بد دینی کا

الزام لگنے لگا لیکن چند ہی روز بعد شیخ پر ذکر کا اثر ہو گیا اور دل رنگ گیا تو سید صاحب نے فرمایا کہ اب
تلاوت شروع کردو کلام پاک کھولا تو ہر ہر لفظ پر وہ علوم و معارف کھلے کہ پوچھنا ہی کیا ہے ☆
فضائل ذکر فصل سوم ص۸۰ ﴾

اس واقعہ کے ذریعہ زکریا صاحب لوگوں کو یہ دعوت دے رہے ہیں کہ صوفی بن جاؤ قرآن وحدیث کے معنی و مفاہیم خود بخود تم پر کھل جائیں گے بصورت دیگر وہ پندرہ علوم حاصل کرتے کرتے تمہاری عمر گذر جائیگی مگر تم قرآن کو نہیں سمجھ سکو گے۔

قرآن محض ایک نقطہ کا پھیلاؤ ہے

قرآن کی عظمت اسکے فصیح و بلیغ بیان اور غیر ضروری و فضول کلام سے مطلقاً پاک ہونے میں ہے جبکہ اسکے برخلاف زکریا صاحب قرآن کے بارے میں جو لکھ رہے ہیں وہ کچھ اور ہی ثابت کر رہا ہے فرماتے ہیں:

﴿ بعض صوفیاءؒ سے منقول ہے کہ جو کچھ پہلی کتابوں میں تھا وہ سب کلام پاک میں آ گیا اور جو کلام پاک میں ہے وہ سب سورہ فاتحہ میں آ گیا اور جو کچھ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں آ گیا اور جو بسم اللہ میں ہے وہ اسکی ب میں آ گیا۔ اسکی شرح بتلاتے ہیں کہ ب کے معنی اس جگہ ملانے کے ہیں اور مقصود سب چیز سے بندہ کا اللہ جل شانہ کے ساتھ ملا دینا ہے۔ بعض نے اسکے آگے اضافہ کیا کہ ب میں جو کچھ ہے وہ اس کے نقطہ میں آ گیا یعنی وحدانیت، کہ نقطہ اصطلاح میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کی تقسیم نہ ہوسکتی ہو ☆ فضائل قرآن ص۵٦ ﴾

یعنی زکریا صاحب اپنی جماعت کے لوگوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ قرآن بشمول دیگر تمام آسمانی کتب محض نقطہ کا پھیلاؤ ہیں گویا جو بات ان تمام صحائف میں کہی گئی ہے وہ محض ایک نقطہ جتنی ہے جسے کھینچ تان کر کتب کی صورت دے دی گئی ہے اس اعتبار سے معاذ اللہ پورا کا پورا قرآن ایک غیر ضروری اور فضول کلام ہوا شاید یہی وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ قرآن کو ثواب حاصل کرنے کی نیت سے تو پڑھتے ہیں مگر ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے اسے پڑھنے کی انھیں کبھی توفیق نہیں ہوتی نیز اگر غور کریں تو اس بیان میں وحدت الوجود کا صاف طور پر اعلان موجود ہے مثلاً بندہ کا اللہ جل شانہ کے ساتھ ملا دینا اور وحدانیت کو نقطہ کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے۔

خودکشی بذریعہ روزہ و نماز جائز ہے

دین اسلام میں خودکشی حرام ہے خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے کی جائے مگر زکریا صاحب یہاں چند نوجوانوں کا طریقہ خودکشی بڑے ادب واحترام سے بیان فرما رہے ہیں لکھتے ہیں کہ:

﴿ محمد بن سماک فرماتے ہیں کہ کوفہ میں میرا ایک پڑوسی تھا اسکے ایک لڑکا تھا جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا اور رات بھر نماز اور شوقیہ اشعار میں رہتا تھا۔ وہ سوکھ کر ایسا ہو گیا کہ صرف ہڈی اور چمڑہ رہ گیا۔ اسکے والد نے مجھ سے کہا تم ذرہ اسکو سمجھاؤ۔ میں ایک مرتبہ اپنے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سامنے سے گذرا۔ میں نے اسے بلایا وہ آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا میں نے کہنا شروع ہی کیا تھا کہ وہ کہنے

لگا چچا شاید آپ محنت میں کمی کا مشورہ دیں گے۔ چچا جان میں نے محلے کے چند لڑکوں کے ساتھ یہ طے کیا تھا کہ دیکھیں کون شخص عبادت میں زیادہ کوشش کرے انھوں نے کوشش اور محنت کی اور اللہ کی طرف بلا لئے گئے جب وہ بلائے گئے تو بڑی خوشی اور سرور کے ساتھ گئے ان میں سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ میرا عمل دن میں دومرتبہ ان پر ظاہر ہوتا ہوگا وہ کیا کہیں گے جب اسمیں کوتاہی پائیں گے۔ چچا جان ان نوجوانوں نے بڑے مجاہدے کئے انکی محنتیں اور مجاہدے بیان کرنے لگا جن کوسن کر ہم لوگ متحیر رہ گئے اسکے بعد وہ لڑکا اٹھ کر چلا گیا تیسرے دن ہم نے سنا وہ بھی رخصت ہوگیا یعنی خودکشی کر کے حرام موت مرگیا ☆ فضائل نمازص ۲۴ ﴾

معلوم ہونا چاہیے کہ یہی وہ محنت اور مجاہدہ ہے جسکی طرف تبلغی جماعت کے لوگ صبح شام ہرروز مسجد میں نمازوں کے بعد کھڑے ہوکر بلاتے ہیں اب جولوگ ان کی اس پکار پر لبیک کہتے ہیں انھیں اپنی عاقبت کی خیر منانی چاہیے۔

فرئض کا ترک کرنا کفر نہیں ہے

فرض نماز کو ترک کرنے والے لئے صحابہ کرام اور ائمہ کا جوفتویٰ ہے اور جس پر سوائے فقہ حنفی سب کا اتفاق ہے اس کو زکریا صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

﴿ بڑے بڑے صحابہؓ جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ حضرات کا مذہب یہی ہے کہ بلا عذر جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے ائمہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور ابن مبارکؒ کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے ☆ فضائل نمازص ۲۶ ﴾

اسکے بعد اپنا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ اگر کوئی شخص تمام عمر نماز نہ پڑھے، کبھی روزہ نہ رکھے اسی طرح کوئی اور فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اسکا منکر نہ ہوتو وہ کافر نہیں، جس فرض کو ادا نہیں کرتا اسکا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال ادا کرتا ہے ان کا اجر ملتا ہے ☆ فضائل رمضان ص ۳۶ ﴾

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایمان میں سب برابر ہیں خواہ وہ نبی ہو، فرشتہ ہو یا کوئی عام آدمی اور تبلغی جماعت اکابرین کے اس فتویٰ کے مطابق فرائض کا ترک بھی کفر نہیں پھر سوال یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ ہر فرض نماز کے بعد لوگوں کو جس ایمان و یقین اور عمل کی دعوت دیتے ہیں وہ کون سا ایمان اور کیا عمل ہے۔

کائنات کا نظام قطب وابدال کے ہاتھ میں ہے

ایک صحیح العقیدہ مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کا نظام صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جبکہ صوفیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کائنات کے نظام کو چلانے میں کچھ بزرگ ہستیاں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں جنہیں صوفیہ کی اصطلاح میں قطب اور ابدال کہتے

ہیں زکریا صاحب ان بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موضوع حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

﴿ روح البیان میں سیوطیؒ کی جامع الصغیر اور سخاویؒ کی مقاصد سے بروایت حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میری امت میں ہر وقت پانسو برگزیدہ بندے اور چالیس ابدال رہتے ہیں جب کوئی شخص ان میں سے مرجاتا ہے تو فوراً دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے ☆ فضائل رمضان ص ۱۱ ﴾

صوفیہ کے عقیدے و مذہب میں اس کائنات کا نظام جن ابدال کے ہاتھوں میں ہے ان کو اصحاب خدمت ابدال کہا جاتا ہے وہی اس کائنات کا نظام چلاتے ہیں مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی المذہب صوفی المشرب کا یہ بیان ملاحظہ ہو.

﴿ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا جو بزرگ صاحبِ خدمت ہیں تعلق تکوینیات میں اس کی شان ایسی ہے جیسے حضرت خضر علیہ السلام اس لئے ان کا پتہ لگنا بھی مشکل ہے وہ مثل سی ،آئی،ڈی. کے مخفی ہیں اس لئے اس کی تلاش بھی بے کار ہے چونکہ وہ تصرفات تکوینیہ میں مأمور و مضطر ہیں اس لئے اگر ان کو راضی رکھو تب کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر کوئی ناراض رکھے تو ضرر نہیں پہنچا سکتے. وہ جو کرتے ہیں حکم سے کرتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز کے زمانہ میں ایک شخص نے شاہ صاحب سے شکایت کی کہ آجکل دہلی کے اندر منتظم حکام میں بڑی سستی چھائی ہوئی ہے. ہر کام میں اندھیر ہے فرمایا آجکل یہاں کے صاحب خدمت ڈھیلے ہیں عرض کیا کون صاحب ہیں فرمایا بازار میں فلاں سمت میں جو خربوزے بیچ رہے ہیں عرض کیا گیا ملاقات کرآؤں فرمایا کرآؤ اس شخص نے وہاں پہنچ کر سلام مسنون عرض کر کے کہا کچھ خربوزوں کی ضرورت ہے کہا لے لو اس نے کہا پہلے دیکھ لوں اس شخص نے تمام خربوزے ٹوکرے کے کاٹ ڈالے اور آخر میں کہدیا اچھے نہیں ہیں میں نہیں لیتا کہا بہتر یہ چلا آیا آکر حضرت شاہ صاحب سے تمام واقعہ بیان کیا فرمایا دیکھ لو یہ ایسے ہیں انہیں کا اثر ظاہری حکام پر ہے تقریبا ایک مہینہ گزرا تھا کہ دفعۃً تمام کاروبار میں ترقی ہوگئی اس شخص نے پھر دوبارہ جاکر شاہ صاحب سے عرض کیا آج کل تو دہلی کے اندر کاروبار میں رونق ہے فرمایا اب صاحب خدمت بھی ایسے ہیں تیز وطرار ہیں عرض کیا کہ وہ کون ہیں فرمایا فتح پوری کے بازار میں پانی پلاتے پھرتے ہیں صاحب خدمت وہ ہیں. دو کٹوروں کی جھنکار لگا رہے ہونگے عرض کیا ملاقات کرآؤں فرمایا کرآؤ یہ شخص فتح پوری بازار میں پہنچا ایک صاحب کہتے پھرتے ہیں ایک چھدام میں ایک کٹورا پانی اس شخص نے ایک چھدام دی اور ایک کٹورا پانی مانگا انھوں نے دیدیا اس نے یہ کہکر گرادیا کہ اس میں تنکا ہے اور دوبارہ مانگا اس نے دریافت کیا اور چھدام ہیں اس نے کہا اور تو میرے پاس نہیں اس نے ایک چپت رسید کی اور کہا چھدام نہیں تھا تو دوسرا کٹورا کیسے مانگا کیا خربوزے والا سمجھا ہوگا. یہ شخص بھاگا حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا فرمایا تم ہی دیکھ لو﴾

﴾ ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص شاہ صاحب کے پاس حاضر ہوا عرض کیا صاحبِ خدمت ابدال کو دیکھنا چاہتا ہوں فرمایا ایک ٹھیکری لاؤ وہ شخص ٹھیکری لایا شاہ صاحب نے اس پر کچھ لکیریاں سی بنا کر فرمایا فلاں مقام پر سرکاری فوج پڑی ہے وہاں کچھ فاصلے سے ایک شخص جوتے گانٹھتے ملیں گے .ان کو ٹھیکری دے دینا وہ شخص ٹھیکری لے کر پہنچا دیکھا وہ شخص جوتے گانٹھ رہے ہیں بظاہر صورت چماروں جیسی بنا رکھی ہے اس شخص نے جا کر ٹھیکری دی انہوں نے لیکر گانٹھنے کا جو سامان پھیلا پڑا تھا اس کو ایک جگہ جمع کیا اس طرف فوراً فوجی افسر نے بگل دیا کہ کوچ ہے سب سامان جمع کرلو پھر انھوں نے وہ سامان جھولی میں بھرا دوسرا بگل ہوا سب خیمے ڈیرے اکھاڑلو فوج نے ایک دم ڈیرے اکھاڑ ڈالے وہ جھولی گلے میں ڈال کر کھڑے ہوئے ایک دم بگل ہوا کوچ کے لئے تیار رہو اس کے بعد یہ بیٹھ گئے تو بگل ہوا کہ سب سامان اتار ڈالو پھر جھولی میں سے سامان نکالا سب خیمے گاڑنے کا بگل ہوا پھر اس نے سامان پھیلایا تو فوج نے بگل پر سامان پھیلا دیا اسی طرح دو تین مرتبہ ہوا فوجی لوگوں نے باہم کہا کہ افسر کا دماغ خراب ہوگیا ہے اس کی ڈاکٹری کراؤ یہ شخص یہ تماشہ دیکھ آیا ملاحظہ فرمایئے الافاضات الیومیہ ج ۷ ص ۲۰-۲۲ ﴿

حکیم الامت صاحب نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ کائنات کا نظام عام طور سے مجذوب کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس سے واضح ہے کہ اس زمین پر پاگل دیوانے احمق بے وقوف اور جن کے بدن پر لباس بھی نہیں ہوتا بازاروں میں گلیوں میں ننگے پھرتے ہیں وہ دنیا کے نظام کے مہتمم و منتظم ہوتے ہیں .انہیں کے اشاروں سے یہ کائنات رواں دواں ہے اگر وہ نرم وست ہوں تو نظام حکومت بھی نرم وست ہوگا اور وہ سخت ہوں تو نظام سخت ہوگا مزید برآں زکریا صاحب نے اپنے بیان میں ابدال کی جس تقرری کا ذکر کیا ہے آیئے اس تقرری کا بھی جائزہ لیتے ہیں کہ یہ کیسے اور کیونکہ ہوتی ہے اس کے لئے ایک بار پھر ہم مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کی طرف چلتے ہیں حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴾ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے ایک واقعہ نقل کیا ہے اور عجیب واقعہ ہے، ایک مرتبہ حضرت غوث اعظم نماز تہجد کے لئے معمول کے مطابق اٹھے اور خانقاہ سے جانب صحرا تشریف لے چلے اور یہ خادم بھی ساتھ ہولیا تھوڑی دور چل کر ایک شہر میں پہنچے یہ مرید بھی ہمراہ ہے وہاں ایک مکان میں داخل ہوئے اس مکان میں ایک مجمع ہے وہ لوگ آپکو دیکھ کر کھڑے ہوگئے آپ مسند پر بیٹھ گئے یہ مرید بھی کسی گوشہ میں جا بیٹھا قریب کوئی کوٹھڑی ہے اس میں سے کسی مریض کے کراہنے کی آواز آرہی ہے تھوڑی دیر بعد وہ آواز بند ہوگئی پھر ایسا معلوم ہوا جیسا کسی کے غسل کے وقت پانی گر رہا ہے پھر وہ آواز بھی موقوف ہوگئی اور چار اشخاص ایک جنازہ لئے ہوئے نکلے انکے ساتھ ایک بوڑھے شخص بھی ہیں اور وہ جنازہ حضرت کے سامنے لاکر رکھدیا گیا آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہمراہی لوگ جنازہ کولیکر چلے گئے اور حضرت اسی طرح اپنی جگہ پر آبیٹھے مع اپنے مجمع سابق ہی

کے کچھ دیر گذری تھی ایک شخص نصرانی حاضر ہوا حضرت نے اسکے گلے سے صلیب اتارلی اوراسکا زنار توڑا اور کلمہ پڑھا کر اس مجمع سے فرما کر کہ ''یہ ہے'' وہاں سے تشریف لے چلے اورمکان پر تشریف لے آئے اور نماز تہجد میں مشغول ہو گئے شب گذر جانے کے بعد مرید نے صبح کے وقت حضرت سے سوال کیا کہ رات کیا معاملہ تھا حضرت نے فرمایا کہ وہ مقام شہر موصل تھا اور وہ جماعت ابدال کی تھی اور وہ بیمار بھی اسی جماعت کا ایک فرد تھا اس جماعت نے باطنی طور پر مجھکو اطلاع دی تھی کہ یہ قریب المرگ ہیں انکی جگہ کسی کو متعین فرما دیجئے اس لئے میں وہاں گیا تھا جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے جناب باری تعالیٰ سے ان کی جگہ کسی کو مقرر کرنے کے لئے عرض کیا حکم ہوا کہ روم میں ایک نصرانی (عیسائی) کنیسہ میں صلیب پرستی میں مشغول ہے اس کو ان کی جگہ مقرر کر دیا جائے میں نے عرض کیا کہ اسکو کیسے حاضر کیا جاوے سو وہ خرق عادت (معجزانہ طور پر) حاضر ہو گیا اور اسی وقت مسلمان کر کے ابدال کے رتبہ پر فائز کر دیا گیا اور یہ بتا دیا گیا کہ کوئی کسی کو حقیر نہ سمجھے اور اپنے کمال پر ناز نہ کرے سب کچھ ہمارے فضل پر موقوف ہے ☆ الافاضات الیومیہ من الافادت القومیہ یعنی ملفوظات حکیم الامت ص ۴۸، ۴۹ ج ۳ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ ان صوفیوں کا بھی وہی مذہب ہے جو مغل بادشاہ اکبر اعظم کا تھا یعنی وحدت ادیان جس میں ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سب برابر ہیں اسی سبب یہ لوگ کائنات کا نظام بھی کبھی کسی مجذوب کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں اور کبھی کسی غیر مسلم کے ہاتھ میں سونپ دیتے ہیں تا کہ کوئی بھی مسلمان کسی غیر مسلم سے یہ سوچ کو نفرت نہ کرے کہ شاید یہی ہمارا مستقبل کا صاحب خدمت ابدال ہو پس ثابت ہوا کہ صوفی بظاہر مسلمان ہوتے ہیں مگر باطنی طور پر ان کے عقیدے اور نظریات غیر مسلموں سے مشابہ اور متعلق ہوتے ہیں اس لئے ان کی تمام تر ہمدردی بھی غیر مسلموں کے ساتھ ہوتی ہے۔

کچھ صوفی مستجاب الدعاء بھی ہوتے ہیں

ان بزرگ ہستیوں یا صوفیوں کی پہنچ کتنی ہوتی ہے اس کی مثال زکریا صاحب نقل کرتے ہیں کہ:

﴿ مورخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعا لوگوں کی ایک جماعت تھی جب کوئی حاکم ان پر مسلط ہوتا بد دعا کرتے تو وہ ہلاک ہو جاتا ☆ فضائل رمضان ص ۲۵ ﴾

یہ نظریہ اس باطل فکر پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے کچھ کو اپنا مقرب بنایا ہوا ہے جسکے باعث ان لوگوں کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی گویا انکی ضد کے آگے اللہ تبارک وتعالیٰ اس طرح مجبور ہے جس طرح ماں باپ اپنے لاڈلے اور ضدی بیٹے کی ضد کے آگے مجبور ہوتے ہیں حالانکہ یہ نظریہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور یہی نظریہ استعانت بغیر اللہ اور وسیلہ کے شرک کا اصل سبب بھی ہے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے نزدیک اسکے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب انبیاء کرام ہوتے ہیں لیکن اسکے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ انبیاء کرام کی بھی ہر دعا کو قبول نہیں کرتا مثال کے طور پر نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی جاں بخشی کے لئے دعا کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسکو رد

کر دیا اور فرمایا:

﴿ قال یانوح انه لیس من اهلک انه عمل غیر صالح فلاتسئلن مالیس لک به علم انی اعظک ان تکون من الجاهلین ☆ هود ٤٥ ﴾

یعنی'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھرانے کے قابل نہیں ہے، اسکے کام بالکل ناشائستہ ہیں، تجھے ہرگز وہ چیز نہیں مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہیں ہے '' اور اسی طرح جب ابوالانبیاء ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے جو دعائے مغفرت کی تھی اسکے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وماکان استغفار ابراهیم لأ بیه الا عن موعدة وعدها ایاه فلما تبین له انه عدولله تبرا منه ان ابرهیم لاواه حلیم ☆ التوبة ١١٤ ﴾

یعنی'' ابراھیم کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وعدے کے سبب تھا جو وہ اپنے باپ سے کر چکے تھے، پھر جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے لاتعلق ہوگئے، واقعی ابراھیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے '' اور جب نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے لئے مغفرت طلب کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ماکان للنبی والذین امنو ان یستغفروا للمشرکین ولو کانو اولی قربیٰ من بعد ماتبین لهم انهم اصحب الجحیم ☆ التوبة ١١٣ ﴾

یعنی'' کسی نبی اور عام مومنین کو جائز نہیں کہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، خاص طور پر اس امر کے ظاہر ہوجانے کے بعد کے یہ لوگ دوزخی ہیں '' پس معلوم ہوا کہ کسی کے بھی بارے میں مستجاب الدعاء ہونے کا عقیدہ رکھنا اسے انبیاء کے درجہ سے بھی بڑھا دینے کے مترادف ہے کیونکہ مستجاب الدعاء اگر کوئی ہوسکتا تو سب پہلے نبی ہوتے اور یہی نہیں بلکہ زکریا صاحب نے استجابت دعاء کی علامات بھی نقل فرمائی ہیں لکھتے ہیں کہ:

﴿ بروایت ثابت بنانی ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوجاتا ہے کہ میری کون سی دعا قبول ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہوجاتا ہے، فرمانے لگے کہ جس دعا میں بدن کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل دھڑ کنے لگتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ دعا قبول ہوتی ہے ☆ فضائل ذکر ص ۴۸ ﴾

زکریا صاحب کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد اور لغو ہے کیونکہ اگر استجابت دعاء کی کچھ علامات ہوتیں تو وہ بھی سب پہلے انبیاء کرام کو معلوم ہوتیں جبکہ انبیاء کرام کی جانب سے بعض دعاؤں کا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان دعاؤں کا رد ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ استجابت دعاء کی کسی علامت کا انبیاء کرام کو بھی علم نہیں تھا ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے انکے اس عمل پر سرزنش مذکور نہ ہوتی بلکہ وہ اپنی علامات سے ہی اپنی دعاء کے قبول ہونے یا نہ ہونے کا پتہ لگا لیتے پس معلوم ہوا کہ استجابت دعاء کا نظریہ جھوٹا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کی دعاء کو سنتا ہے اور جس دعا کو قبولیت کے لائق جانتا ہے قبول بھی کرتا ہے چنانچہ کسی مستجاب الدعاء کو تلاش کرنے کے بجائے ہر انسان کو خود دعا مانگنی چاہیے اور دوسرے نیک اور صالح لوگوں سے بھی اپنے لئے دعا کرانی چاہیے مگر کسی کے بارے میں بھی یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے کہ فلاں مستجاب الدعاء ہے اس لئے اسکی دعا ضرور قبول ہوگی۔

نماز کا حق صرف صوفی ہی ادا کرتے ہیں

نماز اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے جسے اسکے تمام لوازمات کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے جن میں سے جماعت کا اہتمام بھی ہے لیکن صوفی حضرات نماز کی ادائیگی کے سلسلہ میں انتہائی حدوں پر پائے جاتے ہیں ان میں کچھ وہ ہیں جو ہر وقت اسی میں لگے رہتے ہیں اور خلاف فطرت ایسی عبادات کرنے کے نتیجہ میں فرض نماز اور جماعت سے بھی جاتے رہتے ہیں ایسے صوفیاً کا گلہ کرتے ہوئے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ جاہل صوفیوں میں وظیفوں اور نفلوں کا تو زور ہوتا ہے مگر جماعت کی پرواہ نہیں ہوتی اس کو وہ بزرگی سمجھتے ہیں حالانکہ کمال بزرگی اللہ کے محبوب کی اتباع ہے ☆ فضائل نماز ص ۵۷ ﴾

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود زکریا صاحب نے ان صوفیاً کے بے شمار واقعات بڑی عقیدت کیساتھ نقل کئے ہیں جو اس نوعیت کی عبادات میں مشغول تھے ایک صوفی کا قصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ شیخ عبدالواحدؒ مشہور صوفیا میں ہیں فرماتے ہیں کہ ایک روز نیند کا اتنا غلبہ ہوا کہ رات کو اوراد و وظائف بھی چھوٹ گئے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت حسین خوبصورت لڑکی سبز ریشمی لباس پہنے ہوئے ہے جس کے پاؤں کی جوتیاں تک تسبیح میں مشغول ہیں کہتی ہے کہ میری طلب میں کوشش کر میں تیری طلب میں ہوں اسکے بعد اس نے چند شوقیہ شعر پڑھے۔ یہ خواب سے اٹھے اور قسم کھالی کہ رات کو نہیں سوؤں گا کہتے ہیں کہ چالیس برس تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی ☆ فضائل نماز ص ۶۵ ﴾

﴿ ایک سید صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ بارہ دن تک ایک ہی وضو سے ساری نمازیں پڑھیں اور پندرہ برس تک مسلسل لیٹنے کی نوبت نہیں آئی کئی کئی دن ایسے گذر جاتے کہ کوئی چیز چکھنے کی نوبت نہ آتی تھی ☆ فضائل نماز ص ۶۸ ﴾

﴿ سعید بن المسیبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ پچاس برس تک عشاء اور صبح کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھی اور ابوالمعتمر کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک ایسا ہی کیا امام غزالیؒ نے ابو طالبؒ مکی سے نقل کیا کہ چالیس تابعین سے تواتر کے طریق سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے ان میں سے بعض کا چالیس برس تک یہی عمل رہا۔ حضرت امام اعظمؒ کے متعلق تو بہت کثرت سے یہ چیز نقل کی گئی کہ تیس یا چالیس یا پچاس برس عشاء اور فجر ایک ہی وضو سے پڑھی ☆ فضائل نماز ص ۷۰ ﴾

اسی طرح اور بھی بہت سے اسی نوعیت کے واقعات نقل کئے گئے ہیں جن میں بعض ائمہ اور سلف صالحین کے بھی نام لے کر ان کی جانب اس طرح کی غیر شرعی عبادت کے واقعات منسوب کئے گئے ہیں جنہیں پڑھکر جو شخص فطرت سلیمہ پر ہوگا وہ ان اسلاف سے خواہ مخواہ

بدظن ہو جائے گا اور جو ان واقعات کو سچ اور دین کا حصہ سمجھے گا وہ ان واقعات کی تقلید کرنے کے چکر میں اپنی عقل وخرد سے ہاتھ دھو بیٹھے گا کیونکہ جب کوئی انسان فطرت کے خلاف کسی چیز پر کاربند ہو جائے تو اسکا نتیجہ کبھی بھی مثبت نہیں ہوتا رات کے اوقات کو اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر نیند کے لئے بنایا ہے اسکے کچھ حصے میں جاگنا یقیناً عبادت ہے مگر ہمیشہ پوری رات جاگ کر عبادت کرنا غیر فطری عمل ہے جو انسانی صحت اور عقل کے لئے قطعی مفید نہیں ہے اور یہی قرآن کا حکم بھی ہے سورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ **نصفه اوانقص منه قليلا ☆ سوره المزمل ٣** ﴾

یعنی آدھی رات یا اس سے بھی کم رات میں عبادت کیجئے اب زکریا صاحب اس قسم کے من گھڑت واقعات نقل کر کے کیا یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے قرآن کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چالیس یا پچاس سال مسلسل پوری رات عبادت میں گذاردی ہرگز نہیں ہمارے اسلاف قرآن وحدیث کے حکم خلاف کبھی ایسا نہیں کر سکتے البتہ صوفیأ کا یہ طریقہ اگر رہا ہو تو ہم مان سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے تئیں ہر قسم کی شرعی پابندی سے آزاد ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں اسلئے زکریا صاحب کا صوفیأ کے کسی غیر شرعی فعل پر پردہ ڈالنے کے لئے سلف صالحین کے بارے میں ان افعال کا گھڑنا عوام الناس کو دھوکا دینے اور سلف صالحین پر تہمت لگانے کے مترادف ہے اور تبلیغی جماعت زکریا صاحب کے ان افکار ونظریات کو پوری دنیا میں پھیلا کر ان کے اس جرم میں برابر کی شریک ہو رہی ہے۔

روزہ کا اہتمام صوفیأ کی طرز پر کیا جائے

صوفیأ کے یہاں جس طرح نماز میں غلو ہے اسی طرح روزہ کے سلسلہ میں بھی بہت غلو پایا جاتا ہے صوم وصال یعنی بغیر افطار کیے لگاتار روزے رکھتے جانے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے مگر صوفیأ کے نزدیک صوم وصال بہت بڑی نیکی شمار ہوتی ہے زکریا صاحب نے ایسے لوگوں کا تذکرہ بڑی عقیدت کے ساتھ متعدد مقامات پر کیا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ نے روزہ کے لئے سحری کی تاکید فرمائی ہے جبکہ زکریا صاحب سحری کو مقصد روزہ کے خلاف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ﴿ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ صوفیأ کو سحور کے مسئلہ میں کلام ہے، وہ مقصد روزہ کے خلاف ہے اس لئے کہ مقصد روزہ پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کا توڑنا ہے اور سحری کھانا اس مقصد کے خلاف ہے ☆ فضائل رمضان ص ۲۷ ﴾

اس کا مطلب یہ ہوا کہ روزہ کے مقاصد کو صوفیأ اللہ اور اسکے رسول ﷺ زیادہ سمجھتے ہیں اسلئے اس قسم کا فتویٰ دے رہے ہیں اور صرف فتویٰ ہی نہیں دے رہے بلکہ اس پر عمل بھی کر کے دکھا رہے ہیں ثبوت کے طور پر تبلیغی نصاب سے چند منتخب مثالیں پیش خدمت ہیں:

> ﴿ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کے متعلق سنا کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گذر جاتے کہ تمام شب کی مقدار سحر وافطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی ایک مرتبہ حضرت کے ایک مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائے گا حضرت کچھ تناول نہیں فرماتے تو حضرت نے فرمایا کہ الحمدللہ جنت کا لطف

حاصل ہورہا ہے ☆ فضائل رمضان ص ۳۳ ﴾

حالانکہ جنت کا لطف نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرادی میں ہے اور سحری سے متعلق آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿ **تسحروا فان فی السحور برکة ☆ رواه البخاری** ﴾

یعنی سحری کھاؤ اس میں برکت ہے، دراصل شیطان ہمیشہ بدعتی عمل کو مزین کر کے پیش کرتا ہے اس لئے بدعتی عمل صوفی کو اچھا لگتا ہے، اسی قسم کا ایک بدعتی عمل یہ بھی ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں کہ:

﴿ ایک سید صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ بارہ دن تک ایک ہی وضو سے ساری نمازیں پڑھیں اور پندرہ برس تک مسلسل لیٹنے کی نوبت نہیں آئی کئی کئی دن ایسے گذر جاتے کہ کوئی چیز چکھنے کی نوبت نہ آتی تھی ☆ فضائل نماز ص ۶۸ ﴾

﴿ ابوعتاب سلمیٰ چالیس برس تک رات بھر روتے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ☆ ص ۷۱ ﴾

صوفیاً کو غیب کی ہر چیز کشف سے معلوم ہوجاتی ہے

﴿ شیخ عبدالعزیز دباغ ابھی قریب ہی زمانے میں ایک بزرگ گذرے ہیں جو بالکل امی تھے مگر قرآن شریف کی آیت، حدیث قدسی، حدیث نبوی اور موضوع حدیث کو علیحدہ علیحدہ بتا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ متکلم کی زبان سے جب لفظ نکلتے ہیں تو ان الفاظ کے نور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کا کلام ہے کہ اللہ پاک کے کلام کا نور علیحدہ ہے اور حضور ﷺ کے کلام کا نور دوسرا ہے اور دوسرے کلاموں میں یہ دونوں نور نہیں ہوتے ☆ فضائل ذکر ص ۴۱ ﴾

﴿ بروایت ثابت بنانی ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوجاتا ہے کہ میری کون سی دعا قبول ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا کس طرح معلوم ہوجاتا ہے فرمانے لگے جس دعا میں بدن کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل دھڑکنے لگتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ دعا قبول ہوتی ہے ☆ فضائل ذکر ص ۴۸ ﴾

﴿ سید علی بن میمونؒ کا قصہ مشہور ہے کہ جب شیخ علوان حمویؒ جو ایک متجر عالم اور مفتی اور مدرس تھے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سید صاحب کی ان پر خصوصی توجہ ہوئی تو ان کو سارے مشاغل درس و تدریس فتویٰ وغیرہ سے روک دیا اور سارا وقت ذکر میں مشغول کر دیا عوام کا تو کام ہی اعتراض اور گالیاں دینا ہے لوگوں نے بڑا شور مچایا کہ شیخ کے منافع سے دنیا کو محروم کر دیا اور شیخ کو ضائع کر دیا وغیرہ وغیرہ کچھ دنوں بعد سید صاحب کو معلوم ہوا کہ شیخ کسی وقت کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں سید صاحب نے اسکو بھی منع کر دیا تو پھر پوچھنا ہی کیا، سید صاحب پر زندیقی اور بددینی کا الزام لگنے لگا لیکن چند ہی روز بعد شیخ پر ذکر کا اثر ہوگیا اور دل رنگ گیا تو سید صاحب نے فرمایا کہ اب

تلاوت شروع کردو کلام پاک کھولا تو ہر ہر لفظ پر وہ علوم و معارف کھلے کہ پوچھنا ہی کیا ہے ☆ فضائل ذکر فصل سوم ص ۸۰ ﴾

﴿ شیخ ابو یزید قرطبی فرماتے ہیں میں نے یہ سنا کہ جوشخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے اسکو دوزخ کی آگ سے نجات ملے، میں نے یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا اور کئی نصاب خود اپنے لئے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا، ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے، جنت دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے، مجھے اسکی صحت میں کچھ تردّد تھا، ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعتہً اس نے ایک چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے اسکی حالت مجھے نظر آئی، قرطبی کہتے ہیں کہ میں اسکی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا، مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اسکی ماں کو بخش دوں جس سے مجھے اسکی سچائی کا بھی تجربہ ہو جائے گا چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا ان نصابوں میں سے جو میں نے اپنے لئے پڑھے تھے اسکی ماں کو بخش دیا، میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا کہ چچا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی، قرطبی کہتے ہیں کہ مجھے اس قصہ سے دو فائدے ہوئے، ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنی اس کا تجربہ ہوا اور دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا مجھے یقین ہو گیا ☆ فضائل ذکر ص ۹۸ ﴾

﴿ صوفیا کو بھی اکثر یہ چیز یعنی کشف مجاہدوں کی کثرت سے حاصل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ جمادات اور حیوانات کی تسبیح، ان کا کلام، انکی گفتگو سمجھ لیتے ہیں ☆ مجھے اپنے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے بعض خدام کے متعلق معلوم ہے کہ جب ان کو یہ صورت کشف پیدا ہونے لگی تو حضرت نے چند روز کے لئے اہتمام سے سب ذکر شغل چھڑا دیا تھا کہ مبادا یہ حالت ترقی پکڑ جائے ☆ فضائل ذکر ص ۱۷۰ ﴾

﴿ امام اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تو اس پانی میں جو گناہ دھلتا ہوا نظر آتا اسے معلوم کر لیتے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ کبیرہ گناہ ہے یا صغیرہ، مکروہ فعل ہے یا خلاف اولیٰ جیسا کہ حسی چیزیں نظر آتی ہیں اسی طرح یہ بھی معلوم ہو جاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ کوفہ کی جامع مسجد کے وضو خانہ میں تشریف فرما تھے، ایک نوجوان وضو کر رہا تھا اسکے وضو کا پانی گرتے ہوئے آپ نے دیکھا اسکو چپکے سے نصیحت فرمائی بیٹا والدین کی نافرمانی سے توبہ کر لے، اس نے توبہ کی، ایک دوسرے شخص کو دیکھا تو اس کو نصیحت فرمائی بھائی زنا نہ کیا کر بہت برا عیب ہے اس نے اس وقت زنا سے بھی توبہ کی، ایک اور شخص کو دیکھا شراب خوری اور لہو لعب کا پانی گر رہا ہے اس کو بھی نصیحت فرمائی اس نے بھی

توبہ کی ☆ فضائل ذکر ص ۱۷۰ ﴾

﴿ ہمارے حضرت مولانا الشاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہ کے خدام میں ایک صاحب تھے جو کئی کئی روز اس وجہ سے استنجے نہیں جاسکتے تھے کہ ہر جگہ انوار نظر آتے تھے اور بھی سینکڑوں ہزاروں واقعات اس قسم کے ہیں جن میں کسی قسم کے تردد کی گنجائش نہیں کہ جن لوگوں کشف سے کچھ حصہ ملتا ہے وہ اس حصہ کے بقدر احوال معلوم کر لیتے ہیں ☆ فضائل ذکر ص ۱۷۱ ﴾

معلوم ہونا چاہیے کہ ان مکاشفات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ یہ سب شیطانی چکر ہوتا ہے جن میں شیطان متعدد اور مختلف واہمات اور تخیلات سے ان صوفیوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت مہنگا سودا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں دراصل شیطان کے ہاتھوں اپنا دین ایمان برباد کر کے یہ لوگ کشف کے نام پر جو چیز حاصل کرتے ہیں وہ بہت تھوڑی ہے۔

صوفیاً کو درجہ کمالات غیر شرعی اذکار کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے

فضائل ذکر کے عنوان سے زکریا صاحب نے جو رسالہ تالیف کیا ہے وہ تقریباً دوسو صفحات پر مشتمل ہے مگر اسکے باوجود اس میں اذکار مسنونہ یعنی روزمرہ کے معمولات کے دوران نبی کریم ﷺ سے جو اذکار منقول ہیں ان کا نام ونشان تک نہیں بلکہ اسکے بجائے وہ اذکار نقل کئے ہیں جو صوفیاً رٹنے اور ضربیں لگانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اس لئے اپنے اس رسالے کا عنوان زکریا صاحب اگر فضائل ذکر کے بجائے حکایات صوفیاً رکھتے تو زیادہ صحیح ہوتا اپنے اس رسالے کا آغاز ہی زکریا صاحب ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ:

﴿ اللہ جل جلالہٗ عم نوالہ کے پاک نام میں جو برکت، لذت، حلاوت، سرور وطمانیت ہے وہ کسی ایسے شخص سے مخفی نہیں جو کچھ دن اس پاک نام کی رٹ لگا چکا ہو اور ایک زمانے تک اس کو حرزِ جان بنا چکا ہو یہ پاک نام دلوں کے کا سرور اور طمانیت کا باعث ہے ☆ فضائل ذکر ص ۵ ﴾

دین اسلام میں سب سے بلند درجہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں شہید کیے جاتے ہیں جبکہ زکریا صاحب ذکر کرنے والوں کو شہید کے درجہ پر فائز کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں میں سے روح جہاد ختم ہو جائے اور وہ بھی غالی صوفیاً کی طرح رٹنے اور ضربیں لگانے میں مشغول ہو جائیں زکریا صاحب تحریر فرما رہے ہیں کہ:

﴿ اللہ کا ذکر کثرت سے اخلاص کے ساتھ کرنے والے مرتے ہی نہیں ہیں بلکہ وہ اس دنیا سے منتقل ہو جانے کے بعد بھی زندوں ہی کے حکم میں رہتے ہیں ☆ فضائل ذکر ص ۲۷ ﴾

زکریا صاحب کی یہ منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ اس دنیا سے منتقل ہو جانے کے بعد بھی زندوں کے حکم میں رہتے ہیں اسکا مطلب یہ ہوا کہ ایسے لوگ مرے بغیر ہی اس دنیا سے اگلی دنیا کی جانب منتقل ہو جاتے ہیں اس قسم کا عقیدہ کسی مسلمان اور صاحب عقل کا تو کم از کم نہیں ہوسکتا ہے اور ایسے ہی لوگوں کو شیطان ہی بلند مرتبے کے خواب دکھاتا ہے مثلاً یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ حضرت جنیدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے خواب میں شیطان کو بالکل ننگا دیکھا انھوں نے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ آدمیوں کے سامنے ننگا ہوتا ہے وہ کہنے لگا یہ کوئی آدمی ہیں

،آدمی تو وہ ہیں جو شونیزیہ کی مسجد میں بیٹھے ہیں جنھوں نے میرے بدن کو دبلا کر دیا ہے اور میرے جگر کے کباب کر دیئے ہیں، حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں گیا میں نے دیکھا کہ چند حضرات گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں مشغول ہیں، جب انھوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ خبیث کی باتوں سے کہیں دھوکے میں نہ پڑ جانا ☆ فضائل ذکر ص ۵۱ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے نزدیک آدمی کہلانے کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو یہ مخصوص ذکر اور مراقبہ کرتے ہیں اور اس ذکر اور مراقبہ کے نتیجہ میں ان لوگوں کو علم غیب بھی حاصل ہوجاتا ہے جس سے وہ دوسروں کے خواب اور انکے دل کا حال معلوم کر لیتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ سے ملاقات کر لیتے ہیں ثبوت کے طور پر زکریا صاحب کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

﴿ ذکر تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیہ کے سب طریقوں میں رائج ہے، جس شخص کیلئے ذکر کا دروازہ کھل گیا اسکے لئے اللہ جل شانہ تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا اور جو اللہ جل شانہ تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ☆ فضائل ذکر ص ۶۱ ﴾

اور اس مخصوص مقام پر پہنچنے کے لئے صوفیاً جس طریقہ سے ذکر کرتے ہیں وہ بھی ملاحظہ کیجئے زکریا صاحب فرماتے ہیں:

﴿ جامع الاصول میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کا ذکر ورد کے طور پر کم ازکم پانچ ہزار کی مقدار ہے اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں اور صوفیاً کیلئے کم ازکم پچیس ہزار روزانہ اور لا الہ الا اللہ کی مقدار کے متعلق لکھا ہے کہ کم ازکم پانچ ہزار روزانہ ہو، یہ مقداریں مشائخ السلوک کی تجویز کے موافق کم وبیش ہوتی رہتی ہیں میرا مقصود حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید میں مشائخ کا اندازِ بیان کرنا ہے کہ ایک ایک شخص کے لئے روزانہ کی مقداریں کم ازکم یہ بتائی گئی ہیں ہمارے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے قولِ جمیل میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ میں ابتدائے سلوک میں ایک سانس میں لا الہ الا اللہ دوسو مرتبہ کہا کرتا تھا ☆ فضائل ذکر ص ۹۸ ﴾

خالی لفظ اللہ کا ذکر قرآن وسنت سے ثابت نہیں بلکہ ذکر وہ مفید ہے جو اللہ کی صفات کے اثبات پر مشتمل ہو جیسے لا الہ الا اللہ مگر لا معبود الا اللہ کے معنی کے ساتھ ہونا چاہیے لا موجود الا اللہ کے ساتھ نہیں کیونکہ یہ کفر ہے دراصل جس طرح نشہ آور اشیاء کے استعمال سے آدمی کا دماغ ماؤف ہوجاتا ہے اور اسے وہ چیزیں نظر آنے لگتی ہیں جو حقیقت میں موجود نہیں ہوتیں جن میں وہ خود کو ہوا میں اڑتا ہوا اور آسمان کو چھوتا ہوا محسوس کرتا ہے اسی طرح کی کچھ کیفیات دراصل اسطرح کے خلاف عقل اور خلاف شریعت اذکار کے باعث صوفیوں کو بھی پیش آتی ہیں جسمیں انھیں طرح طرح کے واہمات ہونے لگتے ہیں جنہیں کشف، جذب اور تجلیات وغیرہ کے نام دیئے جاتے ہیں اسی طرح کی کسی کیفیت کا ذکر زکریا صاحب اس انداز میں کر رہے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک مجنون شخص ہے لڑکے اسکے ڈھیلے مار رہے ہیں، میں نے انکو دھمکایا، وہ لڑکے کہنے لگے کہ یہ شخص یوں کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں، میں اسکے قریب گیا تو وہ کچھ کہہ رہا تھا، میں نے غور سے سنا تو وہ کہہ رہا تھا کہ تو نے بہت اچھا کیا کہ ان

لڑکوں کو مجھ پر مسلط کردیا، میں نے کہا یہ لڑکے تجھ پر ایک تہمت لگاتے ہیں کہنے لگا کیا کہتے ہیں، میں نے کہا یہ کہتے ہیں کہ تم خدا کو دیکھنے کے مدعی ہو یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور یہ کہا شبلی اس ذات کی قسم جس نے اپنی محبت میں مجھ کو شکستہ حال بنا رکھا ہے اور اپنے قرب وبعد میں مجھکو بھٹکا رکھا ہے اگر تھوڑی دیر بھی وہ مجھ سے غائب ہو جائے تو میں دردِ فراق سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں یہ کہہ کر وہ مجھ سے منہ موڑ کر یہ شعر پڑھتا ہوا بھاگ گیا۔ ترجمہ: تیری صورت میری نگاہ میں جمی رہتی ہے اور تیرا ذکر ہر وقت میری زبان پر رہتا ہے، تیرا ٹھکانا میرا دل ہے پس تو کہاں غائب ہو سکتا ہے ☆ فضائل ذکر ص۱۸۳ ﴾

اس صوفی کے احمق ہونے کی یہ دلیل کافی ہے کہ وہ کہہ رہا ہے کہ تو نے اچھا کیا کہ ان لڑکوں کو مجھ پر مسلط کر دیا اس صوفی کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ! اللہ کے رسول ﷺ پر بھی اسلام کے ابتدائی دور میں اللہ نے دشمنوں کو مسلط کر کے اچھا کیا تھا۔

﴿ حضرت ممشاد دینوریؒ مشہور بزرگ ہیں جس وقت ان کا انتقال ہونے لگا تو کسی پاس بیٹھنے والے نے دعا کی ، حق تعالیٰ شانہ آپ کو جنت کی فلاں فلاں دولت نصیب فرمائیں تو ہنس پڑے فرمانے لگے تیس برس سے جنت اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ میرے سامنے ظاہر ہوتی رہی ہے ایک دفعہ بھی تو اللہ جل شانہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر ادھر توجہ نہیں کی۔ حضرت رویم کو انتقال کے وقت کسی نے کلمہ کی تلقین کیا تو فرمانے لگے میں اسکے غیر کو اچھی طرح جانتا ہی نہیں ہوں ☆ فضائل ذکر ص۱۸۴ ﴾

اس صوفی کو جنت نہیں چاہیے تو انشاء اللہ ملے گی بھی نہیں اور جس کو جنت نہیں ملتی اسکا ٹھکانا سب کو معلوم ہی ہے اور جس صوفی نے مرتے وقت کلمہ سے انکار کیا اسکا ٹھکانہ تو جہنم کے علاوہ کہیں اور ہو بھی نہیں سکتا۔

امام ابو حنیفہؒ کا دفاع ہر صورت میں کیا جائے

زکریا صاحب تبلیغی نصاب میں تذکرۃ الحفاظ کے حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

﴿ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانسو ۵۰۰ احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں، کروٹیں بدل رہے ہیں مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے غرض تمام رات اسی بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوائی ہیں اٹھالا میں لے کر آئی آپ نے انھیں جلا دیا میں نے پوچھا کیوں جلا دیا ارشاد فرمایا مجھے اندیشہ ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور یہ میرے پاس ہوں ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو اور واقع میں وہ معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا

﴾ وبال مجھ پر ہو☆ حکایات صحابہ آٹھوں باب حکایت نمبر ۲ ﴿

اس حکایت کو نقل کرنے کے بعد زکریا صاحب نے اس روایت کے بارے میں تذکرۃ الحفاظ کے مؤلف نے جو لکھا ہے وہ کمال ہوشیاری سے حذف کر دیا ہے حالانکہ تذکرۃ الحفاظ کے مؤلف نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''یہ روایت ثابت نہیں ☆ص ۵ ج ا'' مگر زکریا صاحب نے دراصل اس روایت کو ایک خاص مقصد کے تحت نقل کیا تھا اسلئے اگر وہ مؤلف کی اس جرح کو بیان کر دیتے تو ان کی اس بات میں کوئی وزن نہیں رہ جاتا جو وہ اس جھوٹی روایت کو بنیاد بنا کر کہنا چاہتے ہیں اور وہ بات ان کے اسی مضمون کے آخر میں موجود ہے جہاں وہ اس جھوٹی روایت کو بنیاد بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴾ یہی راز ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں ﴿

دراصل یہی تقلید کا شاخسانہ ہے کہ ہر مقلد اپنے امام کی بات کو سب سے اوپر رکھنے کے لئے کوئی بھی حربہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتا اگر ابوبکر صدیقؓ سے احادیث کم روایت کی گئی ہیں تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ انھوں نے اپنی جمع کی ہوئی احادیث کو ضائع کر دیا ہو اولاً اصل بات یہ ہے کہ جب تک قرآن مکمل کتابی شکل میں مدون نہیں ہوا تھا صحابہ کرام احادیث کو بھی اس ڈر سے ضبط تحریر میں نہیں لاتے تھے کہ کوئی ان کو بھی قرآن نہ سمجھ لے اور چونکہ قرآن کو کتابی شکل میں جمع کرنے کا کام ابوبکر صدیق کے دور ہی میں ہوا اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انھوں نے احادیث کو تحریری طور پر جمع کیا ہو ثانیاً ابوبکر صدیقؓ پوری زندگی نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی سب زیادہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے اس لئے احادیث کا حافظ ان سے زیادہ کوئی بھی نہیں ہوسکتا اسی صورت میں ان کے پاس صرف پانچ سو احادیث کا ہونا اور اسمیں بھی اکثر روایات دوسروں کی ہونا ناقابل یقین بات ہے ثالثاً نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام کی جماعت نے متفقہ طور پر ابوبکر صدیق کو امیر المومنین منتخب کیا تو اسکا بنیادی سبب یہی تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طویل رفاقت کے باعث دین کا علم سب سے زیادہ رکھتے تھے یعنی قرآن وحدیث کے علم اور تفقہ میں ممتاز تھے لیکن اسکے باوجود ان سے جو روایات احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں وہ بہت کم ہیں اسکی وجہ اصل میں یہ ہے کہ اولاً انکے دور میں تدوین حدیث کا کام شروع نہیں ہوا تھا ثانیاً امور خلافت اور اس وقت کے پیدا ہونے والے فتنوں کی سرکوبی میں وہ اتنے مصروف تھے کہ باقاعدہ نشست منعقد کر کے احادیث کا نقل کروانا انکے لئے ممکن نہیں تھا ثالثاً محدثین کرام کا یہ اصول ہے کہ ''**الصحابة كلهم عدول**'' یعنی کسی صحابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث جو کسی دوسرے صحابی سے سنی ہو آگے بیان کرتے ہوئے لازمی طور پر اس صحابی کا نام لے اور چونکہ دین ہم تک مکمل طور پر پہنچ گیا ہے اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کے پاس جو بھی احادیث تھیں وہ دیگر صحابہ کرام کے ذریعہ ہم تک پہنچ گئی ہیں اسلئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم ﷺ کی احادیث کو اس ڈر سے امت تک نہیں پہنچایا کہ کہیں ان احادیث میں کوئی غلط بات نہ ہو پس جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں وہ درحقیقت ابوبکر صدیقؓ کی فہم وفراست پر حملہ کرتے ہیں کیونکہ جو شخص ساری زندگی نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہنے کی باوجود یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ کونسی حدیث روح دین کے خلاف ہے اور کونسی موافق اسے کج فہم نہیں تو اور کیا کہا جائیگا۔

اب رہی یہ بات کہ آخر کیا وجہ ہے اتنے بڑے امام ہونے کہ باوجود امام ابوحنیفہؒ سے شاذ ہی کوئی حدیث مروی ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا زہد وتقویٰ اور فقاہت بہر حال اپنی جگہ مگر امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں محدثین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ حدیث میں یتیم ہیں یہی وجہ ہے صحاح کے مؤلفین میں سے کسی نے بھی انکی کسی روایات کو اپنی کتاب میں جگہ نہیں دی اور اسکے علاوہ بھی کسی کتاب

میں ان کی کوئی حدیث شاذ ہی ملتی ہے اور محدثین کے اس فیصلہ کا کھلا ثبوت آج بھی موجود ہے اور وہ ہے فقہ حنفی کی کتابیں مثلاً ہدایہ، درمختار اور فتویٰ عالمگیری وغیرہ جن میں مسائل کو اخذ کرتے ہوئے شاذ ہی کہیں کسی حدیث کا حوالہ ملے گا جبکہ اسکے برخلاف فقہ مالکی، شافعی یا حنبلی کی کتب کا اگر مطالعہ کیا جائے تو مسائل کو اخذ کرتے ہوئے کثرت سے احادیث کا حوالہ ملے گا یہی سبب ہے کہ آج فقہ حنفی کے اکثر مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں پس احناف مقلدین کو بجائے امام ابوحنیفہؒ کی غیر ضروری وکالت میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کے اپنے حال کی اصلاح کرنی چاہیے کیونکہ تاریخ کے صفحات میں امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جو کچھ رقم ہو چکا ہے وہ یہ کسی طور بھی بدل نہیں سکتے اور ائمہ سلف مثلا امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام سفیان ثوری، امام احمد بن حنبلؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جو فیصلے دیئے ہیں وہ قیامت تک تاریخ کے صفحات سے مٹائے نہیں جا سکتے ہمارے نزدیک دیگر ائمہ کرام کی طرح امام ابوحنیفہؒ بھی قابل احترام ہیں مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے جھوٹے مناقب بیان کر کے لوگوں کو دھوکا دیا جاتا رہے اور حق معلوم ہونے کے باوجود ہم چپ بیٹھ کر یہ سارا تماشا دیکھتے رہیں اس لئے ہم اپنے الفاظ میں امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتے صرف ان ائمہ کی رائے نقل کریں گے جو امام ابوحنیفہؒ کے ہم عصر تھے یا ان کے قریبی زمانے میں موجود تھے اور اہل علم تھے تا کہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہ پائے مثلاً امام بخاریؒ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ نعمان بن ثابت ابو حنیفه الکوفی مولی لبنی تیم الله بن ثعلبته روی عنه عباد بن العوام وابن مبارک و هیشم ووکیع ومسلم بن خالد و ابو معاویة والمقری کان مرجئا سکتوا عن رایه و عن حدیثه ☆ التاریخ الکبیر ص۸۱ ج۸ ﴾

یعنی ''امام ابوحنیفہ کا نام نعمان بن ثابت ہے یہ مرجیئہ کا مذہب رکھتے تھے ائمہ سلف نے ان کی رائے اور حدیث نہ لینے کو اختیار کیا ہے اور ان کی حدیث واقوال کے بیان کرنے سے سکوت کیا ہے'' امام بخاریؒ کے اس بیان سے بات واضح ہوگئی کہ زکریا صاحب خواہ مخواہ ہی امام صاحب کی وکالت کر رہے ہیں اگر امام ابوحنیفہؒ کی کوئی حدیث صحاح میں نہیں ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ انھوں نے بوجہ احتیاط احادیث روایت نہیں کیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ تمام محدثین نے انکا بائیکاٹ کیا ہے اور امام مسلمؒ جن کی صحیح مسلم کا درجہ صحیح بخاری کے بعد آتا ہے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں الکنی والاسماء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ مضطرب الحدیث لیس له کبیر حدیث صحیح ☆ الاحادیث الضعیفه للالبانی ص٤٦٥ ج١ ﴾

یعنی ''امام ابوحنیفہؒ کی حدیث مضطرب ہے اور ان کی زیادہ تر احادیث صحیح نہیں ہیں'' اسکے بعد امام مالکؒ جن کے مذہب پر چلنے والوں کو مالکی کہا جاتا ہے اور جن کی مؤطا کے بارے میں مولانا یوسف لدھیانوی نے اپنی کتاب اختلاف امت اور صراط مستقیم میں یہاں تک لکھا کہ امام مالکؒ نے مؤطا امام ابوحنیفہؒ کی زیر سرپرستی مرتب کی ہے وہ اپنی اسی کتاب مؤطا میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

﴿ مالک انه بلغه ان عمر بن خطابؓ اراد ان یخرج الی العراق فقال له کعب الاحبار لا تخرج الیها یا امیر المؤمنیئن فان بها تسعة آعشار السحر و بها فسقة الجن وبها الداء العضال ☆ مؤطا باب ماجاء فی المشرق ﴾

یعنی امام مالکؒ فرماتے ہیں ان کو یہ بات پہنچی کہ عمر بن خطابؓ نے عراق جانے کا ارادہ کیا کعب احبارؒ نے ان کو وہاں جانے سے

روکا اور کہا جادو کے دس حصوں میں سے نو حصے وہاں پائے جاتے ہیں اور وہاں فاسق و فاجر جنوں کا ڈیرہ ہے اور وہ بہت بڑی مصیبت کا گھر ہے امام باجی نے مؤطا کی شرح المنتقی ص ۳۰۰ ج ۷ میں لکھا ہے عبدالملک بن حبیب کی روایت میں ہے کہ مطرف نے کہا ہم نے امام مالکؒ سے پوچھا یہ بڑی مصیبت کیا ہے'' امام مالکؒ نے فرمایا اس سے مراد امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی ہیں کیونکہ ان لوگوں نے دو طریقوں سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے ایک مرجیئہ کا مذہب پھیلا کر اور دوسرا رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو توڑ کر'' اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک بھی امام ابوحنیفہؒ اور انکے متبعین اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو صوفیہ کے یہاں بڑا مقام حاصل ہے لیکن وہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے انھوں نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں امام ابوحنیفہؒ کو مرجیئہ میں شمار کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ماننے والوں کو مرجیئہ میں شمار کرنے کی وجہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ:

﴿ و انما سموا المرجئة لانها زعمت ان الواحد عن المكلفين اذا قال لا اله الا الله محمد رسول الله و فعل بعد ذالک سائر المعاصى لم يدخل النار اصلا وان الايمان قول بلا عمل والاعمال الشرائع والايمان قول مجرد والناس لايتفاضلون فى الايمان وايمانهم وايمان الملائكة والانبياء واحد لا يزيد ولا ينقص ولا يستثنى فيه فمن اقر بلسانه ولم يعمل فهو مومن ☆ غنية الطالبين ص١٤٨ ﴾

یعنی'' ان کو مرجیئہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ جو شخص کلمہ پڑھتا ہے اور اسکے بعد گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے وہ بالکل جہنم میں نہیں جائے گا اور وہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف قول کا نام ہے عمل اسمیں داخل نہیں ہے بلکہ اعمال کو شرائع کہتے ہیں اور ہم لوگ ایمان کی بنیاد پر ایک دوسرے سے افضل نہیں ہو سکتے اور فرشتوں کا، نبیوں کا اور ہم لوگوں کا ایمان برابر ہے اور ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا اور ایمان میں استثناء نہیں ہے یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میں انشاء اللہ مؤمن ہوں تو جائز نہیں ہے'' اور مرجیئہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ صنفان من هذه الامة ليس لهما فى الاسلام نصيب المرجئة والقدرية ☆ رواه ابن ماجه و الترمذى ﴾

یعنی'' ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس امت میں دو قسم کے لوگ ہونگے جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ایک مرجیئہ اور دوسرے قدریہ '' اس حدیث میں ایک راوی علی بن نزار ہے جسے محدثین نے ضعیف کہا ہے لیکن اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور محدثین کا اس حدیث کو اپنی کتب میں نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک مرجیئہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں مگر اسکے باوجود تبلیغی جماعت کے ان دیوبندی اکابرین کا اپنے باطل عقائد پر ڈٹے رہنا ملاحظہ فرمائیے شیخ الھند مولانا محمود الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ اگر یہ جملہ اکابرین دین مثل حضرت امام غزالی و شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحب و قاضی عیاض و شیخ ابوبکر و امام نووی و جملہ محققین شافعیہ و حنفیہ وغیرہ علمائے دین مرجیئہ تھے تو خدا سب مسلمانوں کو یہ نعمت عطاء فرماوے ☆ ایضاح الادلہ ص ۱۹۲ ﴾

یہی فرق ہے دراصل مقلدین اور غیر مقلدین میں کہ مقلدین اپنے اکابرین کے پابند ہوتے ہیں خواہ انکے اکابرین سے کسی مسئلہ میں سہو ہی کیوں نہ ہوا ہو جبکہ غیر مقلدین صرف حق بات کے پابند ہیں کوئی غلط بات خواہ انکے اپنے اکابرین کی جانب سے ہی کیوں نہ ہو غیر مقلدین اسکے غلط بات کے پابند نہیں ہوتے، نیز ایمان سے متعلق اہل سنت والجماعت کا جو عقیدہ ہے اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب الایمان کے تحت ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿ باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس وھو قول و فعل ویزید و ینقص ﴾

یعنی ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور ایمان قول اور فعل کا نام ہے اور یہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے'' اسکے بعد امام بخاریؒ نے قرآن کی متعدد آیت نقل کیں ہیں جن سے ایمان کے قول وفعل ہونے اور گھٹنے اور بڑھنے کی دلیل ملتی ہے اسکے بعد اس کتاب الایمان میں متعدد احادیث لائے ہیں جو ایمان سے متعلق مرجئیہ کے عقیدے کی نفی کرتی ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ جن کو امام اہل سنت کہا جاتا ہے اور جن کی طرف حنبلی مقلدین اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں وہ احادیث کے مجموعہ ''مسند امام احمد بن حنبل'' جسے ان کے صاحب زادے عبداللہ نے امام احمدؒ سے سماعت فرما کر تحریر کیا ہے، ایک حدیث ان الفاظ سے نقل ہوئی ہے کہ:

﴿ حدثنا اسحاق بن یوسف اخبرنا ابو فلانة کذا قال ابی لم یسمه علی عمدا وحدثنا غیره فسماه یعنی ابا حنیفة عن علقمة بن مرثد عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ان رسول اللہ قال لرجل اتاه اذھب فان الدال علی الخیر کفاعله ☆ مسند احمد حدیث ۲۱۹۴۹ ﴾

یعنی ''کہا اسحاق بن یوسف نے خبر پہنچی اسے ابوفلانہ سے (امام احمد کے صاحب زادے عبداللہ فرماتے ہیں) میرے والد نے عمداً یہاں ابوفلانہ کہا (یعنی انھوں نے جان بوجھ کر یہاں راوی کا نام نہیں لیا) لیکن میں نے جب یہی حدیث دوسروں سے سنی تو معلوم ہوا کہ یہاں ابوفلانہ سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں'' قابل غور مقام ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے اس زمانے کے لوگ کس قدر نالاں تھے کہ اپنی حدیث کی کتاب میں اول تو انکی کوئی حدیث لیتے ہی نہیں تھے اور اگر کسی سبب لینی ہی پڑ جائے تو ان کا نام اپنی کتاب میں لانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور انکا یہ عمل اپنی کسی ذاتی رنجش کے سبب نہیں تھا بلکہ اس سبب تھا کہ تمام اہل سنت والجماعت نے امام ابوحنیفہ کا ان کے غلط عقائد کی بنا پر بائیکاٹ کر رکھا تھا۔

اس بات کی تائید امام سفیان ثوریؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے زمانے ہی میں بہت بڑے محدث اور فقیہ گذرے ہیں کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے امام ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر سن کر کہا امام سفیان ثوریؒ کی اس بات کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب تاریخ صغیر میں نقل کیا ہے مگر وہ الفاظ اتنے سخت ہیں کہ ہمارا قلم انھیں نقل کرتے ہوئے بھی رکتا ہے خلاصہ اسکا یہ ہے کہ بقول امام سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ کی وفات سے امت مسلمہ نے سکون کا سانس لیا ہے اور امام شافعیؒ کا یہ قول احناف بڑے شد و مد سے نقل کرتے ہیں کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں مگر انھیں امام شافعیؒ کا یہ قول بھی امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے بارے میں ہے کہ ''ان کی فقہ جادوگر کے دھاگے کی طرح ہے جو وقتاً فوقتاً رنگ بدلتی ہے''، یعنی کبھی اسمیں بہت اعلیٰ درجہ کی بات ملتی ہے تو کبھی اتنی فضول بات کہ یقین نہیں آتا کہ کوئی باشعور شخص

ایسی بات بھی لکھ سکتا ہے اور یہ بات کس قدر سچ ہے اس کا اندازہ آج بھی ہر شخص فقہ حنفی کی کتب کو پڑھ کر بخوبی لگا سکتا ہے اور امام شافعی نے یہ بھی کہا کہ:

﴿ میں نے امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کی کتاب پر نظر کی تو ایک سوتیس ورقوں پر مشتمل تھی اور جب اس کتاب میں مذکور مسائل پر میں نے غور کیا اسی ۸۰ مسئلے قرآن وسنت کے خلاف میں نے پائے ☆ آداب الشافعی مؤلفہ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم ص۱۷۲ ﴾

الغرض ان کبار اہل علم کی رائے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت متنازع فیہ تھی اور وہ فقہ میں عین ممکن ہے بہت ماہر ہوں مگر قرآن وحدیث پر انھیں وہ عبور حاصل نہیں تھا جسکا کہ دعویٰ آج احناف حضرات کرتے ہیں۔

چھوٹی چھوٹی نیکیاں بڑے بڑے اجر کا باعث ہیں

تبلیغی جماعت کے اکابرین لوگوں کو گھیرنے کے لئے ایک نسخہ جو صدیوں سے آزمودہ ہے بڑی کامیابی سے استعمال کرتے ہیں اور وہ نسخہ ہے چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر بڑے بڑے اجر کی بشارتیں دینا مثلاً ایک جگہ زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر گذرنے کے وقت نور ہے اور جو شخص جمعہ کے دن اسی دفعہ مجھ پر دورد پڑھے اسکے اسی سال کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے ☆ فضائل درود شریف ص۴۰ ﴾

اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ علامہ سخاویؒ نے قول بدیع میں اس حدیث کو متعدد روایات سے جن پر ضعف کا حکم بھی لگا ہے نقل کیا ہے ﴾

لیکن یہ حدیث صرف ضعیف نہیں بلکہ موضوع بھی ہے جسکی صراحت علامہ البانی نے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ میں ج ا ص ۲۵۱ پر کی ہے اس حدیث کا موضوع ہونا اسکے متن سے صاف ظاہر ہے کیونکہ اس میں جمعہ کے دن اسی ۸۰ دفعہ درودد پڑھنے کا اجر اسی ۸۰ سال کے گناہوں کا معاف کردینا بتایا گیا ہے جبکہ قرآن میں ہے کہ:

﴿ **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ☆ الانعام ۱۶۰** ﴾

یعنی جو ایک نیکی لے کر آئے گا اسکے لئے دس گنا اجر ہے اور صحیح حدیث میں ایک مرتبہ درود پڑھنے کا اجر بھی دس گنا بتایا گیا ہے:

﴿ **من صلیٰ علی واحدة صلی الله علیه عشرا ☆ رواه مسلم** ﴾

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرے گا پس ثواب میں مبالغہ آرائی ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن رہی ہے اس لئے ایسی حدیثوں کو دین کی تبلیغ کا ذریعہ بنانا جائز نہیں اس سے دین کا اصل حلیہ بگڑ جاتا ہے اور آدمی اپنے اصل فرائض سے غافل ہوجاتا ہے لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین نے اسی کو اپنا شعار بنایا ہے مثلاً با جماعت نماز سے متعلق بعض احادیث میں آتا ہے کہ اسکا ثواب اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں پچیس درجہ اور بعض میں ستائیس درجہ ہے لیکن زکریا صاحب کی حساب دانی نے اس میں بڑا کمال دکھایا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ بعض شراح نے ایک عجیب بات سمجھی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ثواب پہلی حدیث سے بہت زیادہ ہے اس لئے کہ اس حدیث میں یہ ارشاد نہیں کہ وہ پچیس درجہ کی زیادتی ہے بلکہ یہ ارشاد ہے کہ پچیس درجہ المضاعف ہوتی ہے جس کا ترجمہ دوچند اور دوگناہ ہوتا ہے یعنی پچیس مرتبہ تک دوگناہ اجر ہوتا چلا جائے گا اس صورت میں جماعت کی ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پنتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس (۳۳۵۵۴۴۳۲) درجہ ہوا ☆ فضائل نماز ص ۴۶ ﴾

زکریا صاحب نظام الدین کی تبلیغ کے متعلق اکابرین کی آراء وارشادات کے عنوان کے تحت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سابق مدرس مدرسہ مظاہر علوم خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:

﴿ ایک صاحب نے کراچی سے مولانا کو لکھا کہ میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جو دعوت الی اللہ کے لئے جاتی ہے شرکت برابر کرتا ہوں مگر پچھلی اتوار کی شام کو تبلیغی جماعت کے ایک صاحب نے اپنے بیان میں فرمایا کہ گشت پر جانے والوں کو سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے حالانکہ مسجد حرام خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے والوں کو صرف ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے، یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی، حالانکہ حضرت تھانوی کے وعظ آداب التبلیغ میں پڑھا تھا کہ یہ تبلیغ فرض کفایہ ہے، تو جب فرض عین نہیں تو انھوں نے کیسے بیان کردیا، جس پر مولانا نے مختصراً تحریر فرمادیا کہ ایسے جزوی امور کو ترک کردیجئے اور جو بات شریعت کے موافق نظر آئے اس پر عمل کرتے رہیں ☆ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۱۰۳ ﴾

یہ حال ہے تبلیغی جماعت کے اکابرین کا کہ اول تو کسی اعتراض پر کان دھرتے ہی نہیں اور اگر کسی اعتراض کا جواب دینا ہی پڑ جائے تو جواب نہ بن پڑنے کی صورت میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری کتاب یا جماعت میں جو صحیح ہے اسے لے لیں اور جو غلط ہے اسکو چھوڑ دیں اسکی طرف التفات نہ کریں یا دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انکی مراد یہ ہے کہ '' اگر تمہیں کسی غلط بات کا علم ہے تو برائے مہربانی اپنی بات اپنے دل میں رکھو اور لوگوں کو اس پر مطلع نہ کرو اور انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ایک لگے بندھے راستے پر چلنے دو'' بلکہ اب تو یہی طرز عمل تبلیغی جماعت کے عام مبلغین نے بھی اپنالیا ہے کیونکہ ہماری کئی مرتبہ ان لوگوں اس موضوع پر بات ہوئی ہے کہ تبلیغی نصاب میں فلاں فلاں بات غلط ہے تو اسکا ہمیں بھی یہی جواب ہمیشہ ملا ہے کہ '' تبلیغی نصاب میں جو صحیح ہے اسے لے لو جو تم کو غلط لگتا ہے اسے چھوڑ دو مگر ہماری جماعت میں شامل ہوجاؤ'' اور جب ان سے کہا جائے کہ '' تم تبلیغی نصاب کو چھوڑ کر قرآن وحدیث کا درس کیوں نہیں دیتے تو اسکا جواب بھی یہی ہوتا ہے آپ ہماری جماعت میں شامل ہوجائیں اور آکر قرآن وحدیث کا درس دیں'' گویا تبلیغی جماعت کے لوگ جو سردست جماعت میں موجود ہیں ان کو قرآن وحدیث کے درس دینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ انھیں صرف قصہ کہانیوں سے دلچسپی ہے یا پھر ان اعمال وافعال رغبت ہے جو زکریا صاحب نے فضائل کے نام پر گھڑے ہیں جیسا کہ یہ تبلیغی نصاب کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

﴿ جس نے میری قبر کی زیارت کی اسکے لئے میری شفاعت ضروری ہوگئی ☆ فضائل حج ص ۹۶ ﴾

یہ حدیث ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اسکے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور بیہقی نے بھی اسے ضعیف

قرار دیا ہے بحوالہ کشف الخفاء للشیخ العجلونی ج ۲ ص ۲۴۴ اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ'' آپ ﷺ کی قبر کی زیارت سے متعلق تمام احادیث ضعیف ہیں دین کے معاملے میں ان میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا اسی لئے اصحابِ صحاح اور سنن نے ان میں سے کسی بھی حدیث کو نقل نہیں کیا ہے اور ان احادیث کو ضعیف احادیث نقل کرنے والوں نے ہی روایت کیا ہے جیسے دار قطنی اور بزار وغیرہ ملاحظہ فرمایئے مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ج ا ص ۲۳۴ '' جبکہ محمد ناصر الدین البانی نے تو اسکو موضوع قرار دیا ہے دیکھئے الجامع الصغیر ج ۵ ص ۲۰۲ پس اگر یہ اگر ارشاد نبوی ﷺ ہوتا تو صحاح کے روایوں میں سے کسی نہ کسی کو ضرور ملتا اور واقعہ یہ ہے کہ شفاعت کے سلسلہ میں قرآن نے بڑی سخت شرائط بیان کی ہیں جبکہ ان ضعیف احادیث نے ان کو بالکل ہی نرم کردیا ہے اسی طرح کی ایک روایت جو نیکیوں کا جمعہ بازار لگانے والی ہے یہ بھی ملاحظہ فرمایئے زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضور ﷺ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کے لئے پیدل جائے اور آئے اسکے لئے ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی کسی نے عرض کیا حرم کی نیکیوں سے کیا مطلب ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

فائدہ: اس حساب سے سات سو نیکیاں سات کروڑ کے برابر ہوگئیں اور ہر قدم پر یہ ثواب ہے تو سارے راستے کے ثواب کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے ☆ فضائل حج ص ۳۴ ﴾

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت ضعیف ہے اس کو طبرانی، حاکم اور بیہقی نے عیسیٰ بن سوادہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے ان میں سے حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ مجھے راوی کے جھوٹا ہونے کے شبہ ہے اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اور اس نے نبی کریم ﷺ سے منکر حدیثیں روایت کیں ہیں اور حافظ منذری نے اسکے بارے میں امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے دیکھئے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ ج ا ص ۵۰۱، ۵۰۲، المختصر یہ اور اس نوعیت کے اور بہت سے امور تبلیغی نصاب میں مذکور ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر بڑے بڑے اجر کی بشارتیں دی گئی ہیں جنکا ایک لازمی نتیجہ اہم فرائض اور حقوق العباد میں کوتاہی کی صورت میں نکلتا ہے مثلاً اگر آپ تبلیغی جماعت کے کارکنان کے لواحقین کے حالات کو دیکھیں تو ان میں سے اکثر کو حق تلفی کا شاکی پائیں گے اسی طرح بچوں کی تعلیم و تربیت اور والدین کی خدمت جیسے اہم فرائض ادائیگی میں بھی تبلیغی جماعت کے لوگ اکثر و بیشتر ناکام نظر آئیں گے بلکہ ہمیں تو تبلیغی جماعت کے اکابرین بھی اسی صف میں کھڑے نظر آرہے ہیں ثبوت کے طور پر یہ مکتوب ملاحظہ فرمایئے:

﴿ مولانا عبدالسلام صاحب نوشہرہ کے ایک بزرگ ہیں، مدرسہ حسین بخش دہلی کے فارغ ہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دستار بندی کے جلسہ میں تشریف لے گئے جب ان کی دستار بندی فرمارہے تھے مصافحہ کیا تو فرمایا دو تین ماہ کے بعد ہمارے پاس تھانہ بھون آجانا چناچہ یہ اپنے گاؤں زیارت کا کا سے تھانہ بھون تشریف لے گئے اور وہاں قیام کیا لیکن ایک ماہ کے بعد انکے والد صاحب کا خط آیا کہ میں ناراض ہوں واپس آجاؤ تمہارے لئے والد کی خدمت ضروری ہے، حضرت تھانوی نے خود ہی جواب لکھوایا کہ جس چیز میں میں لگا ہوا ہوں اسکے بغیر میرا والد کی خدمت میں جانا جائز

نہیں اوران کو روک لیا اور تین ماہ کے بعد خلافت دے کر رخصت فرمایا ☆ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۲۱۰ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت اور بال بچوں کی کفالت وتربیت کو چھوڑ کر تبلیغ پر جانے کی تعلیم تبلیغی جماعت کو اپنے اکابرین ہی سے ملی ہے جس پر تبلیغی جماعت کے مبلغین بڑی سعادت مندی سے عمل پیرا ہیں اور یہ خلافت کی بدعت نہیں معلوم ان صوفیوں نے کہاں سے نکالی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تو کبھی کسی کو کوئی خلافت عطاء نہیں فرمائی تھی۔

کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر بھی معاف ہوتے ہیں

سورہ التحریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا عسیٰ ربکم ان یکفر عنکم سیاتکم و یدخلکم جنٰت تجری من تحتھا الانھار ﴾

یعنی ’’ اے ایمان والو! اللہ کے سامنے سچی اور خالص توبہ کرو ممکن ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں ‘‘ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کو توبہ سے مشروط کیا ہے لیکن تبلیغی نصاب سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ کے بعد بھی کوئی شخص بغیر توبہ کیے جنت میں داخل ہوسکتا ہے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ صوفیاءؒ میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا بہت گناہگار ، ہر وقت شراب کے نشہ میں مدہوش رہتا تھا اس کو دن رات کی بھی خبر نہ رہتی تھی ، میں اسکو نصیحت کرتا تو سنتا نہیں تھا ، میں توبہ کو کہتا تو وہ نہیں مانتا تھا ، جب وہ مرگیا تو میں نے اسکو خواب میں بہت اونچے مقام پر اور جنت کے لباس فاخرہ میں دیکھا وہ بڑے اعزاز واکرام میں تھا میں نے اسکا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ ایک مرتبہ میں ایک محدث کی مجلس میں تھا انہوں نے یہ کہا کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر زور سے درود پڑھے اسکے لئے جنت واجب ہے میں نے آواز سے درود پڑھا اور اس پر اور لوگوں نے بھی درود پڑھا اور اس پر ہم سب کی مغفرت ہوگئی ☆ فضائل درود شریف ص ۹۸ ﴾

اسی نوعیت کا ایک واقعہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

﴿ ایک عورت تھی اسکا لڑکا بہت گناہ گار تھا اسکی ماں اس کو بار بار نصیحت کرتی مگر وہ بالکل نہیں مانتا تھا اسی حال میں وہ مرگیا اسکی ماں کو بہت رنج تھا کہ بغیر توبہ کے مرا ، اس کی ماں کو بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح اسکو خواب میں دیکھے ، اسکو خواب میں دیکھا تو وہ عذاب میں مبتلا تھا اسی وجہ سے اس کی ماں کو اور بھی صدمہ ہوا ، ایک زمانے بعد اس نے دوبارہ خواب میں دیکھا تو بہت اچھی حالت میں تھا نہایت خوش و خرم ، ماں نے پوچھا کہ یہ کیا ہوگیا ، اس نے کہا کہ ایک بہت بڑا گناہ گار شخص اس قبرستان سے گذرا تو قبروں کو دیکھ کر اسکو کچھ عبرت ہوئی ، وہ اپنی حالت پر رونے لگا اور سچے دل سے توبہ کی اور کچھ قرآن شریف اور بیس مرتبہ درود شریف پڑھکر اس قبرستان والوں کو بخشا جس میں میں بھی تھا ، اس میں سے

جو حصہ مجھے ملا اسکا یہ اثر ہے جو تم دیکھ رہی ہو ☆ فضائل درود شریف ص ۱۰۷ ﴾

اور ایک واقعہ یہ بھی بلا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ ایک شخص اور اسکا بیٹا دونوں سفر کر رہے تھے راستہ میں باپ کا انتقال ہو گیا اور اسکا سر منہ وغیرہ سؤر جیسا ہو گیا، وہ بیٹا بہت رویا اور اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دعا اور عاجزی کی، اتنے میں اسکی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہے کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ تیرا باپ سود کھایا کرتا تھا اسلئے اسکی صورت بدل گئی لیکن حضور اقدس ﷺ نے اسکے بارے میں سفارش کی ہے، اس لئے کہ جب آپ ﷺ کا ذکر مبارک سنتا تو درود بھیجا کرتا تھا آپ ﷺ کی سفارش سے اسکو اس کی اصلی صورت پر لوٹا دیا گیا ☆ فضائل درود شریف ص ۱۱۲ ﴾

اولیاء کے لئے زمین لپیٹ دی جاتی ہے

زکریا صاحب تبلیغی نصاب میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ ایک شخص جس کا نام مالک بن قاسم جیلی تھا ستائیس سو میل سے مکہ میں صبح کی نماز پڑھنے آ گئے خود ہفتہ سے کچھ نہ کھایا تھا والدہ کو کھلا کر آئے تھے ابھی ہاتھوں سے گوشت کی خوشبو آ رہی تھی بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ انھوں نے کعبہ شریف کے گرد فرشتوں اور انبیاء کو بھی دیکھا ہے ☆ فضائل حج فصل ۱۰، اللہ والوں کے قصے، قصہ ۱۶ ﴾

یہ قصہ بھی جھوٹ و مکر و خداع کے قسم سے ہے کیونکہ جو چیز بطور معجزہ رسول اللہ ﷺ کو عطا نہ ہوئی وہ بطور کرامت ایک امتی کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے رسول اللہ مدینہ سے مکہ تک کا سفر کئی دن میں کر کے وہاں پہنچ پاتے تھے اور یہ صوفی اس سے کئی سو گنا زیادہ سفر منٹوں سکینڈوں میں کیسے طے کر لیتے ہیں. حنفی فقہ کی کتاب در مختار ج ۲ ص ۵۲۹ اور اس کہ حاشیہ بنام، رد المحتار المعروف فتاوی شامی ج ۴ ص ۲۶۰ میں ہے کہ:

﴿ ولی کے لئے طیّ الارض. (زمین کے سمٹ جانے) کو امام زعفرانی کے قول میں جہالت اور ابن مقاتل و محمد بن یوسف کے قول میں کفر ہے یعنی جو شخص یہ کہے کہ ولی کے لئے زمین سمٹ جاتی ہے وہ بعض حنفی علماء کے نزدیک جاہل اور بعض کے نزدیک کافر ہے ﴾

جبکہ زکریا صاحب تبلیغی نصاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ ایک بزرگ کو خضر نے بتلایا میں صبح کی نماز مکہ میں پڑھتا ہوں عصر کی نماز بیت المقدس میں اور عشاء کی سد سکندری پر ☆ فضائل حج فصل ۱۰، اللہ والوں کے قصے، قصہ ۶۲ ﴾

یہ حکایت بھی مسئلہ طیّ الارض سے تعلق رکھتی ہے اس قسم کا طیّ الارض بطور معجزہ ہمارے نبی کو نہیں ملا دوسروں کو اسکا حاصل ہونا کہاں ممکن ہے، اس لیے یہ بھی صوفی کا سفید جھوٹ ہے اس صوفی نے یہ نہیں بتایا کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں خضر اسی طرح مکہ و مدینہ آیا

کرتے تھے یا نہیں اگر آیا کرتے تھے تو مکہ و مدینہ میں انہوں نے حضورﷺ سے ملاقات کیوں نہیں کی اور آپ ﷺ پر ایمان لاکر مسلمان کیوں نہیں ہوئے. جو شخص رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں زندہ تھا اور وہ آپ ﷺ تک پہنچ بھی سکتا تھا پھر بھی وہ آکر مسلمان نہیں ہوا وہ کافر ہے. ان صوفیوں کو شرم نہیں آتی یہ خضر کو زندہ مان کر ان کے کافر ہونے کے درپے کیوں ہیں. ان لوگوں نے شیطان کو خضر مان رکھا ہے کیونکہ وہ مخلوق جو انسانی آنکھ سے اوجھل ہے وہ جن ہے، جن کا معنی ہے آنکھوں سے اوجھل مخلوق، خضر علیہ السلام انسان تھے اگر وہ زندہ ہیں تو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل کیوں ہیں، اگر وہ صبح کی نماز مکہ میں پڑھتے ہیں تو پھر وہ عام مسلمانوں کو نظر کیوں نہیں آتے، اگر وہ واقعی بیت اللہ میں موجود ہوتے ہیں اور نظر بھی نہیں آتے تو وہ یقیناً انسان نہیں دوسری مخلوق ہیں، لہذا وہ خضر شیطان ہو سکتا ہے، وہ خضر نہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم سفر تھا جسکا ذکر قرآن نے سورہ کہف میں کیا ہے. اگر خضر علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی زندہ تھے تو آج وہ صحیح مسلم کی حدیث کی رو سے زندہ نہیں ہیں.

(أن عبدالله بن عمر قال صلیٰ بنا رسول الله ﷺ ذات ليلة ، صلاة العشاء فی آخر حياته ،فلماسلم قام فقال : أرأيتكم ليلتكم هذه؟ فان على راس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الارض احد. رواه مسلم حديث ٢٥٣٧)

جابر کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی پھر کھڑے ہو کر فرمایا اس رات میں جو شخص زندہ ہے وہ آج سے سو سال بعد زندہ نہیں رہے گا ائمہ اہل حدیث نے اس حدیث سے خضر کے زندہ نہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ حدیث بھی خضر کے زندہ نہ ہونے پر دلیل ہے.

(عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ ما من احد يسمع بی من هذه الا مة ولا يهودی ولا نصرانی ولا يو من بی الا ا دخل النار فجعلت اقول اين تصديقها فی كتاب الله حتى وجدت هذه الاية ومن يكفر به من الاحزاب فالنار موعده.(هود : ١٧)قال : الاحزاب الملل. رواه الحاكم فی المستدرک ج ٢ ص ٣٤٢)

ابن عباس کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت سے جس شخص نے بھی میری رسالت و نبوت کے بارے میں سنا اور اسی طرح یہودی اور نصرانی نے بھی پھر وہ میرے اوپر ایمان نہیں لایا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا ابن عباسؓ فرماتے ہیں : رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق میں نے قرآن میں تلاش کی تو مجھے سورہ ھود کی یہ آیت ملی سابقہ امتوں میں سے جس شخص نے بھی اس دین کے ساتھ کفر کیا وہ اس پر اور اس کے نبی پر ایمان نہیں لایا اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی. یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زندہ تھا اس نے آپ کی نبوت کے بارے میں سنا پھر بھی وہ آکر آپ کے ہاتھ پر مسلمان نہ ہوا وہ کافر ہے اس لئے خضرؑ اگر زندہ ہوتے تو آکر آپ ﷺ کے ہاتھ پر ضرور بیعت کرتے.

صوفیأ کے نزدیک ورد اور مراقبہ افضل ترین عبادت ہیں

صوفیہ کے نزدیک ''ذکر'' کے معنی ورد کرنا اور رٹنا ہوتے ہیں اور تبلیغی نصاب چونکہ دین اسلام کے بجائے دین تصوف کی تبلیغ پر

مشتمل ہے لہٰذا زکریا صاحب نے بھی فضائل ذکر میں صوفیہ کے اس مذہب کی ہر ممکن طور پر تائید فرمائی ہے چنانچہ اسی فضائل ذکر میں زکریا صاحب نے قرآن کی تقریباً ۵۴ آیات ایسی نقل کیں ہیں جن سے ورد کرنے اور رٹنے کا مفہوم لیا جاسکتا ہو حالانکہ ان آیات میں زندگی کے ہر ہر قدم پر قرآن، احکامات شرعیہ اور ادعیہ ماثورہ کے کے ذریعہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھنا مراد ہے تا کہ انسان شیطان کے شر سے محفوظ رہے مگر زکریا صاحب نے ان آیات کے ذریعہ عوام الناس کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ صوفیہ کے ورد اور ضربیں قرآن سے ثابت ہیں بلکہ اصل عبادت یہی ورد اور ضربیں ہیں چنانچہ فضائل ذکر کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا گیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ اللہ جل جلالہ، عم نوالہ کے پاک نام میں جو برکت، لذت، حلاوت سرور اور طمانیت ہے وہ کسی ایسے شخص سے مخفی نہیں جو کچھ دن اس پاک نام کی رٹ لگا چکا ہو ☆ فضائل ذکر ص۵ ﴾

اسی رٹ لگانے کو افضل ترین عبادت قرار دیتے ہوئے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کیلئے کوئی صاف کرنے والی اور میل کچیل دور کرنے والی چیز ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے ☆ بعض صوفیہ نے کہا کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے نہ کہ زبانی ذکر اور ذکر قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ حالت ساری عبادتوں سے افضل ہے ☆ فضائل ذکر ص۲۴ ﴾

اور مراقبہ کو بھی زکریا صاحب نے افضل ترین عبادات میں شمار کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ امام غزالی نے لکھا ہے کہ غور وفکر کو افضل عبادت اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں معنی ذکر کے تو موجود ہوتے ہیں، دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے ایک اللہ کی معرفت اس لئے کہ غور وفکر معرفت کی کنجی ہے، دوسری اللہ کی محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے یہی غور وفکر ہے جس کو صوفیہ مراقبہ سے تعبیر فرماتے ہیں ☆ فضائل ذکر ص۵۱ ﴾

عجیب بات ہے کہ زکریا صاحب نے قرآن کی اس قدر آیات ورد اور رٹنے کے مؤقف کو ثابت کرنے کیلئے نقل کیں مگر احادیث میں سے ایک بھی حدیث ایسی نہیں لا سکے جس میں نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام کا کسی کلمہ کو رٹنا اور ورد کرنا ثابت ہو حالانکہ ذکر کے موضوع پر زکریا صاحب نے تقریباً بیس احادیث نقل کیں ہیں، اب یہی کہا جاسکتا ہے کہ یا تو معاذ اللہ! نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے قرآن کی ان آیات کا مفہوم نہیں سمجھا یا پھر معاذ اللہ سمجھنے کے باوجود عمل نہیں کیا یا پھر ہم یہ کہیں گے کہ زکریا صاحب نے ان آیات سے ایک غلط مفہوم نکال کر قرآن کی معنوی تحریف کی کوشش فرمائی ہے کیونکہ لفظ ''ذکر'' قرآن میں متعدد امور کے لئے استعمال ہوا ہے مثلاً ایک مقام پر وحی کو ذکر کہا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ **او عجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم لینذر کم ولتتقوا ولعلکم ترحمون ☆ الاعراف ٦٣** ﴾

یعنی'' کیا تم اسی بات پر تعجب کرتے ہو کہ تم ہی میں سے ایک شخص پر ذکر نازل ہوا تا کہ وہ خبردار کرے اور متقی بنائے تم کو تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' اور ایک مقام پر ذکر کو نصیحت کہا گیا، ارشاد ہوا کہ:

﴿ مایاتیھم من ذکر من ربھم محدث الاستمعوہ وھم یلعبون ☆ الانبیاء۲ ﴾

یعنی’’ ان کی جانب ان کے رب کی طرف سے جو بھی نیا ذکر آتا ہے یہ اسکا کھیل بنا لیتے ہیں ‘‘ اور ایک مقام پر قرآن کو ذکر کہا گیا، ارشاد ہوا کہ:

﴿ وھذا ذکر مبارک انزلنہ افانتم لہ منکرون ☆ الانبیاء ۵۰ ﴾

یعنی’’ اس برکت والے ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے کیا تم پھر بھی اسکا انکار کرتے ہو ‘‘ اور ایک جگہ جمعہ کے خطبہ کو ذکر کہا گیا ،ارشاد ہوا کہ:

﴿ یا ایھا الذین امنوا اذا نودی للصلواۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذرو البیع ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ☆ الجمعۃ ۹ ﴾

یعنی’’ اے ایمان والو! جمعہ کے دن اذان دے دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ جاؤ اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو‘‘ اور ایک مقام پر دین وشریعت کو ذکر سے تعبیر کیا گیا، ارشاد ہوا کہ:

﴿ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ☆ الحجر ۹ ﴾

یعنی’’ ہم نے اسی ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں ‘‘ اور ایک مقام پر اہل علم کو اہل ذکر کہا گیا، ارشاد ہوا کہ:

﴿ وما ارسلنا من قبلک الارجالا نوحی الیھم فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ☆ النحل ٤٣ ﴾

یعنی’’ آپ ﷺ سے قبل بھی ہم مردوں ہی کو بھیجتے رہے ہیں جن کی جانب وحی کی جاتی تھی پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے دریافت کرلو ‘‘ اور ایک مقام پر نماز کو ذکر کہا گیا، ارشاد ہوا کہ:

﴿ اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلواۃ لذکری ☆ طہ ١٤ ﴾

یعنی’’ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں پس میری عبادت کرو اور میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو‘‘ قرآن کی ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ’’ ذکر‘‘ اپنے اندر بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے اس لئے ذکر سے ورد مراد لینا صحیح نہیں کیونکہ احادیث اور سلف کا عمل اسکے مطابق نہیں ملتا بلکہ یہ بدعتی صوفیوں کا طریقہ ہے جیسا کہ زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ ذکر تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیہ کے سب طریقوں میں رائج ہے جس شخص کیلئے ذکر کا دروازہ کھل گیا اسکے لئے اللہ جل شانہ تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا اور جو اللہ جل شانہ تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے ☆ فضائل ذکر ص٦١ ﴾

ورد کے یہ طریقے نہ صرف بدعت پر مشتمل ہوتے ہیں بلکہ اکثر اوقات غیر فطری بھی ہوتے ہیں جس کے باعث ان صوفیاً کی عقل میں بھی فتور آجاتا ہے اور انھیں واہمات ہونے لگتے ہیں جیسا کہ زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت ممشاد دینوریؒ مشہور بزرگ ہیں جس وقت ان کا انتقال ہونے لگا تو کسی پاس بیٹھنے والے نے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہ آپ کو جنت کی فلاں فلاں دولت عطاء فرمائیں تو ہنس پڑے، فرمانے

لگے تیس برس سے جنت اپنے سارے سازوسامان کے ساتھ میرے سامنے ظاہر ہوتی رہی ہے ایک دفعہ بھی تو اللہ جل شانہ کی طرف سے نظر ہٹا کر ادھر توجہ نہیں کی اور حضرت رویمؒ کو انتقال کے وقت کسی نے کلمہ کی تلقین کی تو فرمانے لگے میں اسکے غیر کو اچھی طرح جانتا ہی نہیں ☆ فضائل ذکر ص ۱۸۴ ﴾

یعنی شیطان ان صوفیوں اس طرح اپنے پنجے میں جکڑ لیتا ہے کہ موت کے وقت ان لوگوں کو کلمہ پڑھنا بھی نصیب نہیں ہوتا اور جنت جسکے بارے میں حدیث کا قطعی فیصلہ ہے کہ اسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا یہاں تک کہ کسی کے دل پر اسکا شائبہ تک نہیں گذرا اس جنت کے نظر آنے کا وہم بھی ان صوفیوں کو ہونے لگتا ہے لیکن زکریا صاحب ان بدعتی صوفیوں کو شہیدوں کے مقام تک پہنچانے میں لگے ہوئے ہیں لکھتے ہیں کہ:

﴿ اللہ کا ذکر کثرت سے اخلاص کے ساتھ کرنے والے مرتے نہیں بلکہ وہ اس دنیا سے اس دنیا میں منتقل ہوجانے کے بعد بھی زندوں کے حکم میں رہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں شہیدوں کے متعلق وارد ہوا ہے اسی طرح ان کے لئے بھی ایک خاص زندگی ہے ☆ فضائل ذکر ص ۲۷ ﴾

شہیدوں کے لئے اپنے رب کے پاس ایک خاص زندگی ہے اسکا تذکرہ قرآن میں آتا ہے لیکن صوفیوں کیلئے بھی اس قسم کی کوئی زندگی ہے اسکا ثبوت کہاں ہے؟ کیا زکریا صاحب پر وحی آئی ہے کہ صوفیوں کیلئے بھی ایسی کوئی زندگی ہے؟ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی صوفیوں کی زندگی کو عام لوگوں سے مختلف بتاتے ہوئے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ صوفیہ کو بھی اکثر یہ چیز مجاہدوں کی کثرت سے حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ جمادات اور حیوانات کی تسبیح اور ان کا کلام ان کی گفتگو سمجھ لیتے ہیں۔ مجھے اپنے حضرت مولا خلیل احمد صاحب کے بعض خدام کے متعلق معلوم ہے کہ جب ان کو یہ صورت کشف کی پیدا ہونے لگی تو حضرت نے چند روز کے لئے اہتمام سے سب ذکر شغل چھڑا دیا تھا کہ مبادا یہ حالت ترقی پکڑ جائے ☆ فضائل ذکر ص ۱۷۰ ﴾

حالانکہ حیوانات کا کلام از خود سمجھنے کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف سلیمان علیہ السلام کو دیا تھا اسکے علاوہ کسی نبی یا صحابہ کرام میں سے بھی کسی کو جمادات وحیوانات کا کلام سمجھنے کا علم دیا جانا ثابت نہیں ہے البتہ کسی خاص موقع پر معجزانہ طور پر ایسا کوئی واقعہ ہوجانا ایک علیحدہ بات ہے جیسا کہ ایک کھجور کے تنے کے رونے کی آواز نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے سنی تھی جو ایک خرق عادت واقعہ تھا اسکی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام جمادات ونباتات کا کلام سنتے تھے بلکہ وہ ایک معجزانہ چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے کسی سبب اپنے نبی محمد ﷺ اور صحابہ کرام کو سنوادی اسی طرح کے بعض دوسرے واقعات بھی ہوسکتے ہیں مگر ان کی وجہ سے کسی صحابی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جمادات وحیوانات کا کلام سمجھتا ہے جبکہ یہاں زکریا صاحب یہ چیز ایک دعویٰ کے طور پر پیش کررہے ہیں کہ جو بھی ورد اور مراقبہ کرتا ہے وہ جمادات وحیوانات کا کلام سمجھنے کے لائق ہوجاتا ہے حتیٰ کہ یہاں تک لکھا کہ اس صوفی اپنے مرید کو اس کشف کے مقام تک پہنچنے سے روکنے کی خاطر مرید سے ''سب ذکر شغل چھڑا دیا کرتے تھے'' اور اس حالت کشف کے حصول کے لئے زکریا صاحب نے اخلاص کو شرط قرار دیا ہے اور حصول اخلاص کا ذریعہ صوفیوں کی جوتیاں سیدھی کرنا فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں، بدقسمتی اور محرومی ہے ان

لوگوں کی جو اس کو ہلکا سمجھتے ہیں، البتہ اس میں وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے جس قدر اخلاص ہوگا اتنا ہی وزنی یہ پاک نام ہوسکتا ہے اسی اخلاص کے پیدا کرنے کے واسطے مشائخ صوفیہ کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں ☆ فضائل ذکر ص۹٦ ﴾

اسے کہتے ہیں چت بھی میری پٹ بھی میری یعنی صوفیت کی زبردست اشتہار بازی بھی کردی اور جب اس اشتہار بازی سے متاثر ہوکر کوئی صوفیت کے ورد اور مراقبہ میں داخل ہوجائے اور ایک طویل مدت اپنے صوفی پیر کی خدمت گذاری کرتے ہوئے گزر جائے مگر جمادات وحیوانات کی تسبیح اور کلام سنائی نہ دے تو مرید کو یہ کہہ کر بے وقوف بنایا جاسکے کہ ابھی تک تم میں اخلاص پیدا نہیں ہوا ہے لہذا ابھی اپنے شیخ کی مزید جوتیاں سیدھی کرو، کاش تبلیغی جماعت کے اکابرین صوفیوں کی جوتیاں سیدھی کرنے اور کرانے کے بجائے اپنے عقائد اور غیر اسلامی نظریات کو سیدھا کرتے تو آج مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو اس تبلیغی نصاب جیسی کتابیں لکھ کر گمراہ نہ کرتے۔

مقاصد تبلیغی جماعت

تبلیغی جماعت کا یہ دعویٰ ہے انکی جماعت کے قیام کا واحد مقصد دین اسلام کو روئے زمین کے گوشے گوشے تک پھیلانا ہے مگر نظریات وافکار اور عقائد کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہم یہ جان چکے ہیں کہ اس جماعت کا خروج کم از کم اس دین کو پھیلانے کے لئے نہیں ہے جو دین نبی کریم ﷺ لے کر آئے تھے لہذا اب یہ جاننا ضروری ہے کہ آخر وہ کیا مقاصد واہداف ہیں جن کے حصول کے لئے یہ جماعت کام کر رہی ہے مگر قبل اس کے کہ ہم ان اہداف ومقاصد کو تفصیل سے آپکے سامنے بیان کریں اس ضمن میں ایک بنیادی بات قارئین کو ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ کسی بھی دین کو تسلیم کرنے کا دعویٰ یا اس دین کی تبلیغ کرنے کا دعویٰ کرنے سے قبل یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ دین کس چیز کا نام ہے کیا محض کسی کا نام لیوا ہونا یا کسی کا کلمہ پڑھ لینے کا نام دین ہے؟ یا دین کسی اور چیز کا نام ہے؟ مثلاً اس دور میں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں اور انہی کا کلمہ پڑھتے ہیں لیکن کیا کوئی مسلمان انکے اس انتساب کو درست کہہ سکتا ہے اور کیا ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ جس دین کی تبلیغ کر رہے ہیں وہ وہی دین ہے جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے؟ ظاہر ہے نہ عیسائیوں کا یہ انتساب درست ہے اور نہ ہی وہ دین صحیح ہے جس کی وہ تبلیغ کرتے پھر رہے ہیں بلکہ اس دین کا کچھ جز واور حصہ ان کے پاس ہے جس میں وہ اپنی جانب سے بے شمار چیزیں ملا کر اسکی تبلیغ کر رہے ہیں، پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ آج کوئی مسلمان یا کوئی جماعت دین اسلام کی چند چیزوں کو لے تبلیغ شروع کر دے اور ہم ان کی اس تبلیغ کی مخالفت محض اس وجہ سے نہ کریں کہ وہ لوگوں کو کلمہ اور نماز کی تلقین کرتے ہیں خواہ وہ کلمہ کے کچھ بھی معنی کرتے ہوں اور نماز کو احادیث میں بتائے گئے طریقہ کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ پڑھتے ہوں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ تبلیغی جماعت کی جانب سے کلمہ ونماز کی تبلیغ کا دعویٰ بھی محض ایک دھوکا اور فریب ہے اسکا ثبوت مولانا الیاس صاحب کا یہ مکتوب ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

> ﴿ وہ دو امر ہیں، ایک تو وہ جو نہ ہونا چاہیے اور وہ کرتے ہیں، دوسرا وہ جو ہونا چاہیے اور نہیں کرتے، امر اول کلمہ اور نماز کے صحیح کرانے کو گوارا کرتے ہیں تو بمنزلہ مقصود کے کرتے ہیں کہ جیسا کہ اس تحریک کا مقصد ہو، حالانکہ یہ مقصد نہیں، اور جو نہیں کرتے وہ یہ کہ ان مخاطبین کے لئے یہ فیصلہ کرلیں کہ جب تک اپنے مشاغل کو چھوڑ کر ترکِ وطن اختیار کر کے اس تحریک کو لیکر باہر نہیں نکلیں گے، مشاغل کی ظلمت اور اس کا شدتِ تکدر توجہ کا اور قلب کے دھیان کا مشاغل کے ساتھ لزوجیت کلمہ کے صحیح کرنے اور ان کے انوار و برکات کے قبول کرنے کی اہلیت ہرگز پیدا نہیں ہونے دیگی ☆
>
> مکاتیب مولانا الیاس ص ۱۲۲ ﴾

یعنی اس مکتوب میں مولانا الیاس صاحب فرما رہے ہیں کہ اس تبلیغی جماعت کا اصل مقصد لوگوں کو کلمہ اور نماز سکھانا نہیں بلکہ چلہ پر لے جانا ہے اگر تم کسی کو چلہ پر لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ یہی اصل کامیابی ہے پس جان لینا چاہیے کہ تبلیغ کا اصل محور دین ہے اور دین نام ہے عقائد اور نظریات کا اور ان لوگوں کو دین اسلام کی تبلیغ کا کوئی حق نہیں جن کے عقائد اور نظریات قرآن وحدیث سے متصادم ومتعارض ہوں اس تبلیغی جماعت نے اپنی جس تحریک کو تبلیغ دین کا نام دیا ہے اسکے اصل اہداف ومقاصد کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا مقصد صوفیت کی ترویج ہے

تبلیغی جماعت کے قیام کے مقاصد میں سے پہلا مقصد صوفیت کی طرف دعوت ہے اس سلسلہ میں زکریا صاحب ایک آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی طرف کسی کو بلائے وہ اس بشارت وتعریف کا مستحق ہے خواہ کسی طریق سے بلائے مثلاً انبیاء کرام معجزہ وغیرہ سے بلاتے ہیں اور علماء دلائل سے، مجاہدین تلوار سے اور مؤذنین اذان سے غرض جو کوئی بھی کسی شخص کو دعوت الی الخیر کرے وہ اس میں داخل ہے خواہ اعمال ظاہرہ کی طرف بلائے یا اعمال باطنہ کی طرف جیسے مشائخ صوفیہ معرفت اللہ کی طرف بلاتے ہیں ☆ فضائل تبلیغ فصل اول ص ۵ ﴾

قابل غور مقام ہے کہ جو لوگ تبلیغی جماعت کے ساتھ خروج کرتے ہیں وہ نہ نبی ہیں نہ عالم اور نہ مجاہد و مؤذن اسکے بعد ایک ہی زمرہ رہ جاتا ہے یعنی اعمال باطنہ کی طرف دعوت جو صوفیہ کا طریقہ ہے اور اسکے لئے کسی قابلیت کی ضرورت بھی نہیں ہے اور ایک دوسری آیت جس کا مضمون عام ہے اسکو صوفیت پر منطبق کرتے ہوئے اور صوفیت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ مفسرین نے لکھا ہے کہ سچوں سے مراد اس جگہ مشائخ صوفیہ ہیں جب کوئی ان کی چوکھٹ کے خدام میں داخل ہو جاتا ہے تو ان کی تربیت اور قوت ولایت کی بدولت بڑے بڑے مراتب تک ترقی کر جاتا ہے ☆ فضائل تبلیغ فصل سابع ص ۳۴ ﴾

اور ایک جگہ ذکر کی افادیت کو صوفیوں کے ذریعہ حاصل ہونے کو شرط کے طور پر ثابت کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں، بدقسمتی اور محرومی ہے ان لوگوں کی جو اسکو ہلکا سمجھتے ہیں البتہ اس میں وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، جس قدر اخلاص ہوگا اتنا ہی وزنی یہ پاک نام ہوسکتا ہے اسی اخلاص کے پیدا کرنے کے واسطے مشائخ صوفیہ کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں ☆ فضائل ذکر ص ۹۶ ﴾

تبلیغی نصاب میں فضائل کے تقریباً تمام ہی ابواب صوفیہ کی تعریف وتوصیف اور اقوال و اعمال سے بھرے ہوئے ہیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ اس جماعت کا اصل مقصد مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت نہیں بلکہ صوفیت کی ترویج و اشاعت ہے زکریا صاحب کو یہ اعتراف ہے کہ عبادت اور ذکر کے ضمن میں جو بھی طریقے انھوں نے اختیار کر رکھے ہیں وہ صحابہ کرام سے ثابت نہیں اسکے باوجود چونکہ ان طریقوں کے بغیر صوفیت کی ترویج ناممکن ہے اسلئے اس حقیقت کی تاویل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور اقدس ﷺ کے فیض صحبت سے یہ قوت قلبیہ اعلیٰ درجہ پر حاصل تھی تو ان کو ضربیں لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی، حضور ﷺ کے زمانے سے جتنا بعد ہوتا گیا اتنی ہی قلب کے لئے اس مقوی قلب خمیرہ کی ضرورت بڑھتی گئی ☆ فضائل ذکر ص ۴۴ ﴾

اس کے بعد زکریا صاحب نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ''حضورﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں'' اس حدیث کو نقل کر کے زکریا صاحب نے خود اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن اسکے باوجود اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منافقوں یا بیوقوفوں کے ریاکار یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہیے کہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں اور مجنون جب ہی کہا جائے گا جب نہایت کثرت اور زور سے ذکر کیا جائے آہستہ میں یہ بات نہیں ہوسکتی ☆ فضائل ذکر ص ۴۵ ﴾

حالانکہ ذکر بالجہر اسلام میں ناجائز ہے **صحیح بخاری کتاب الجھاد والسیر باب مایکرہ فی رفع الصوت بالتکبیر** میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ ''ہم نبی کریمﷺ کے ساتھ جب کسی وادی میں اونچی جگہ پر چڑھتے تو زور سے تکبیر کہتے یہ سن کر نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو، تم سننے اور دیکھنے والے کو پکارتے ہو'' اس حدیث سے معلوم ہو کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اسکے علاوہ صوفیأ کی ان خانقاہوں میں ضربیں لگانے اور باآواز بلند ذکر کرنے کے علاوہ ایک کام اور بھی ہوتا ہے جسے مراقبہ کہتے ہیں اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے زکریا صاحب رقم طراز ہیں کہ:

﴿ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ غور وفکر کو افضل عبادت اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں معنی ذکر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں، دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے، ایک اللہ کی معرفت اس لئے کہ غور فکر معرفت کی کنجی ہے، دوسری اللہ کی محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے، یہی غور وفکر ہے جس کو صوفیہ مراقبہ سے تعبیر فرماتے ہیں ☆ فضائل ذکر ص ۵۱ ﴾

دوسرا مقصد قرآن وحدیث کی تعلیم سے روکنا

زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں جو رسالہ فضائل قرآن کے عنوان سے شامل کیا ہے اس میں اپنا پورا زور عوام الناس کو یہ باور کرانے میں صرف کیا ہے کہ قرآن ہدایت کا ماخذ نہیں بلکہ صرف رٹنے اور ثواب حاصل کرنے کی چیز ہے یہاں تک کہ اپنے اس موقف کی تائید کی خاطر قرآن کی ایک آیت جو قرآن کو سمجھنے سمجھانے پر دلالت کرتی ہے کو حفظ قرآن پر دلیل بنا کر پیش کر دیا ہے جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے اسی تبلیغی نصاب میں خود نبی کریمﷺ سے ممانعت نقل کی ہے تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم کرنے کی اسکے باوجود من گھڑت روایات کے سہارے عوام الناس کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ایک دن میں ایک سے بھی زائد قرآن ختم کئے جاسکتے ہیں نبی کریمﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو روزانہ ایک کلام مجید ختم کرنے پر جو تنبیہ فرمائی اسے زکریا صاحب نقل فرماتے ہیں:

﴿ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مہینہ میں ایک قرآن پڑھا کرو میں نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ مجھے اپنی قوت وجوانی سے منتفع ہونے کی اجازت فرما دیجئے حضورﷺ نے فرمایا اچھا بیس روز میں ایک ختم کر لیا کرو میں نے عرض کیا بہت کم ہے مجھے اپنی قوت وجوانی متمتع ہونے کی اجازت

دیجئے غرض اسی طرح عرض کرتا رہا اخیر میں تین دن میں ایک ختم کی اجازت دی ☆ حکایات صحابہ گیارہوں باب حکایت نمبر ۱۷ ﴾

اسکے بعد صحابہ کرام کا عمل تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ بعض مرتبہ وتر کی ایک رکعت میں وہ تمام قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔اسی طرح عبداللہ بن زبیرؓ بھی ایک رات میں تمام قرآن شریف پورا فرمالیا کرتے تھے۔سعید بن جبیرؒ نے دو رکعت میں پورا قرآن شریف کعبہ کے اندر پڑھا۔ثابت بنانی دن رات میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے ☆ صالح بن کیسان جب حج پر گئے تو راستے میں دو قرآن ایک رات میں ختم کیا کرتے تھے ☆ اہل تاریخ نے امام اعظمؒ سے نقل کیا ہے کہ رمضان شریف میں اکسٹھ قرآن شریف پڑھا کرتے تھے ایک دن کا اور ایک رات کا اور ایک تمام رمضان شریف میں تراویح کا ختم کرتے تھے ☆ فضائل قرآن ص ۵۱ ﴾

معلوم نہیں زکریا صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی یا یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حکم غلطی سے دیا تھا سب کچھ بھی ہو مگر یہ ظاہر ہے کہ زکریا صاحب اور ان کے صوفی بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے یعنی ایک دن میں ایک سے زائد قرآن ختم کرنے کا معمول جائز اور صحیح ہے اسکے بعد قرأت قرآن کے آداب وشرائط کے ضمن میں آداب کا بیان کرتے ہوئے زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ صوفیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو قرأت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا ☆ فضائل قرآن ص ۸ ﴾

اور قرأت قرآن کی شرائط بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

﴿ قرآن شریف کے ظاہر اور باطن ہونے کا مطلب، ظاہر یہ ہے کہ ایک ظاہری معنی ہیں جن کو ہر شخص سمجھتا ہے اور ایک باطنی معنی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھتا ☆ فضائل قرآن ص ۱۸ ﴾

اسکے بعد اسکی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ بعض مشائخ نے ظاہر سے مراد اسکے الفاظ فرمائے ہیں جن کی تلاوت میں ہر شخص برابر ہے اور باطن سے مراد اسکے معنی و مطالب ہیں جو حسب استعداد مختلف ہوتے ہیں ☆ فضائل قرآن ص ۱۸ ﴾

قرأت قرآن کے آداب وشرائط کے ضمن میں شرائط کا بیان کرتے ہوئے زکریا صاحب نے ایک عامی آدمی کے لئے قرآن کے معنی جاننے کی غرض سے جو شرائط تحریر فرمائی ہیں اس کے چیدہ چیدہ نکات درجہ ذیل ہیں:

﴿ کلام پاک کے معنی کے لئے جو شرائط وآداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے ☆ اہل فن نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے ☆ اول لغت جس سے قرآن پاک کے

مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہوجائیں ☆ دوسرے نحو کا جاننا ضروری ہے ☆ تیسرے صرف کا جاننا ضروری ہے ☆ چوتھے اشتقاق کا جاننا ضروری ہے ☆ پانچویں علم معانی کا جاننا ضروری ہے ☆ چھٹے علم بیان کا جاننا ضروری ہے ☆ ساتویں علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں ☆ آٹھویں علم قرأت کا جاننا ضروری ہے ☆ نویں علم عقائد کا جاننا ضروری ہے ☆ دسویں اصول فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے ☆ گیارہویں اسباب نزول کا معلوم ہونا ضروری ہے ☆ بارہویں ناسخ ومنسوخ کا معلوم ہونا ضروری ہے ☆ تیرہویں علم فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے ☆ چودھویں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو مجمل آیات کی تفسیر میں نازل ہوئی ہیں ☆ اور پندرہواں علم وہبی ہے جو حق سبحانہ وتقدس کا عطیہ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کا عطاء فرماتا ہے ☆ فضائل قرآن ص ۱۸، ۱۹ ﴾

دراصل زکریا صاحب یہ چاہتے ہیں کہ لوگ قرآن کو پڑھ کر سمجھنے کا خیال بھی دل سے نکال دیں اسی لئے پندرہ علوم کی شرط لگائی اور پندرواں علم ایسا بیان کیا جسکے حصول کا کوئی دعویٰ ہی نہ کر سکے تا کہ اگر کوئی سر پھرا ان علوم کو حاصل کرنے کا تہیہ کر ہی لے تو پندرویں علم پر آ کر پھنس جائے زکریا صاحب نے فرمایا کہ ان علوم کی ضرورت صحابہ کرام کے لئے نہیں تھی کیونکہ ان کو نبی کریم ﷺ کی صحبت حاصل تھی حالانکہ ان پندرہ علوم کی ضرورت نہ کل تھی نہ آج ہے صرف آدمی کو عربی لغت اور گرامر سے واقفیت ہونا ضروری ہے باقی کی مشکل مفسرین کی لکھی ہوئی تفاسیر سے خود بخود حل ہو جاتی ہے لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین کو یہ ہرگز قابل قبول نہیں کہ لوگ قرآن وحدیث سے واقف ہوں اور ان اکابرین کی حقیقت عوام پر آشکارہ ہو جائے اسلئے زکریا صاحب محدثین کی توہین کرنے سے بھی نہیں چوکتے مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

﴿ ابدل میں سے ایک شخص نے حضرت خضر سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے سے زیادہ مرتبہ والا کوئی ولی بھی دیکھا ہے، فرمانے لگے ہاں دیکھا ہے میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں حاضر تھا میں نے امام عبدالرزاقؒ محدث کو دیکھا کہ وہ احادیث سنا رہے ہیں اور مجمع انکے پاس حدیث سن رہا ہے اور مسجد کے ایک کونے میں ایک جوان گھٹنوں پر سر رکھے علیحدہ بیٹھا ہے میں نے اس جوان سے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ مجمع حضور اقدس ﷺ کی حدیثیں سن رہا ہے تم انکے ساتھ شریک نہیں ہوتے؟ اس جوان نے نہ تو سر اٹھایا نہ میری طرف التفات کیا اور کہنے لگا کہ اس جگہ وہ لوگ ہیں جو رزاق کے عبد سے حدیثیں سنتے ہیں اور یہاں وہ ہیں جو خود رزاق سے سنتے ہیں نہ کہ اس کے عبد سے حضرت خضر نے فرمایا کہ اگر تمہارا کہنا صحیح ہے تو بتاؤ میں کون ہوں اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ اگر فراست صحیح ہے تو آپ خضر ہیں حضرت خضر فرماتے ہیں کہ اس سے میں نے جانا کہ اللہ جل شانہ کے بعض ولی ایسے بھی ہیں جنکو علو مرتبہ کی وجہ سے میں نہیں پہچانتا ☆ فضائل حج ص ۱۲۸، ۱۲۹ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کی نظر میں محدثین کی کیا عزت ہے اور جن کی نظر میں محدثین کی یہ قدر ہو وہ

حدیث کی کیا قدر کریں گے اور اس قسم کے واقعات پڑھنے کے بعد انکے متبعین کی نظر میں حدیث رسول کیا حیثیت رہ جائے گی لازمی طور پر وہ حدیث پڑھنے اور سننے سے کترائیں گے اور زیادہ سے زیادہ مراقبہ کرنے کی کوشش کریں گے تا کہ وہ بھی براہ راست رزاق سے حدیثیں سن سکیں پس تبلیغی جماعت کے اکابرین کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

تیسرا مقصد بنیادی اخلاقیات کی پامالی

تبلیغی جماعت کا نصاب اگر ایک جانب بنیادی عقائد اور اسلامی نظریات کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام نظر آتا ہے تو وہیں دوسری جانب بنیادی اخلاقیات کی تعلیم میں بھی غلط رخ اختیار کئے ہوئے دیکھائی دیتا ہے زکریا صاحب نے اپنے ان رسائل میں جا بجا عشقیہ اشعار اور کامیاب عشق بازی کے کلیے درج کئے ہیں جن میں سے چند ایک ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ عشق ہمیشہ صورت ہی سے پیدا نہیں ہوتا بسا اوقات یہ مبارک دولت بات سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔کان میں آواز پڑ جانا اگر کسی کی طرف بے اختیار کھینچتا ہے تو کسی کے کلام کی خوبیاں اسکے جوہر، اسکے ساتھ الفت کا سبب بن جاتی ہیں کسی کے ساتھ عشق پیدا کرنے کی تدبیر اہل فن نے یہ بھی لکھی ہے کہ اسکی خوبیوں کا استحضار کیا جاوے اسکے غیر کو دل میں جگہ نہ دی جاوے جیسا کہ عشق طبعی میں یہ سب باتیں بے اختیار ہوتی ہیں ☆ فضائل قرآن ص ٦٦ ﴾

﴿ کوئی عقلمند شخص اس وجہ سے کہ لیچی کا چھلکا خاردار ہے اس کے گودہ سے اعراض نہیں کرتا اور کوئی دل کھویا ہوا اپنی محبوبہ سے اس لئے نفرت نہیں کرتا کہ وہ اس وقت برقعہ میں ہے وہ پردہ کے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا اور کامیاب نہ بھی ہو سکا تو اس پردہ کے اوپر ہی سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا ☆ فضائل قرآن ص ٧٥ ﴾

﴿ کسی قابل عشق سے محبت پیدا کرنی ہو تو اسکے کمالات اسکی دل آویزیوں کا تتبع کرے، جوہروں کو تلاش کرے اور جس قدر معلوم ہو جاویں اس پر بس نہ کرے بلکہ اس سے زائد کا متلاشی ہو کہ فنا ہونے والے محبوب کے کسی ایک عضو کے دیکھنے پر قناعت نہیں کی جاتی اس سے زیادہ کی ہوس جہاں تک کہ امکان باقی ہو رہتی ہے ☆ فضائل قرآن ص ٦٦ ﴾

صوفیت میں جہاں اور بہت سی خباثتیں ہیں وہیں ایک خباثت بنیادی اخلاقیات سے محرومی بھی ہے کیونکہ صوفی اپنے تئیں شرعی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے اسلئے اسکے اخلاق واعمال کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہوتی حتی کہ قوم لوط علیہ السلام کا عمل بھی ان سے کچھ بعید نہیں ہے مثلاً مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے قلم سے یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں کہ:

﴿ حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا منصور علی خان صاحب مرحوم مرادآبادی حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے، طبیعت کے ساتھ ادھر جھکتے تھے (یعنی کم عمر لڑکوں سے

عشق کرتے تھے) انھوں نے اپنا واقعہ خود ہی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہوگیا اور اس قدر اسکی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گذرنے لگے، میری عجیب حالت ہوگئی، تمام کاموں میں اختلال ہوگیا، حضرت کی فراست نے بھانپ لیا، لیکن سبحان اللہ تربیت ونگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کرتے ہیں یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا ، فرمایا کہ ہاں بھائی وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں؟ میں شرم وحجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا نہیں بھائی یہ حالات تو انسان پر آتے رہتے ہیں، اس میں چھپانے کی کیا بات ہے غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اسکی محبت کا اقرار کرالیا اور کوئی خفگی اور ناراضگی ظاہر نہیں کی بلکہ دل جوئی فرمائی، اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونا شروع ہوئے، میں ایک دن تنگ آگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و ریشہ میں سرایت کرگئی ہے، مجھے تمام امور سے بیکار کردیا ہے، کیا کروں اور کہاں جاؤں آخر عاجز آکر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور ادب کے ساتھ عرض کیا کہ ایسی دعا فرمادیجئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب تھک گئے بس جوش ختم ہوگیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بے کار ہوگیا نکما ہوگیا اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوسکتا خدا کے لئے میری مدد فرمائیے، فرمایا بہت اچھا بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں، میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا، جب حضرت صلاۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب! میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں، میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا، فرمایا کہ ہاتھ لاؤ میں نے ہاتھ بڑھایا میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اسطرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں، خدا کی قسم میں نے عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے کھڑا ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کرلیا ہے گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں، میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کپکپی اور یہ خوف طاری نہ ہوا تھا، میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور بالکل خودی سے گذر گیا اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیرتے رہے، جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمائی تو یہ حالت بھی فرو ہوگئی، فرمایا جاؤ میں اٹھ کر چلا آیا، دو ایک دن بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں ہے ☆ ارواح ثلاثہ ص ۲۶۵، ۲۶۶ ﴾

اس قصہ سے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مولوی صاحب کے دل میں لڑکے کا جو عشق پیدا ہوا

تھا وہ دراصل اللہ کا عشق تھا چنانچہ مولانا نوتوی صاحب نے ان مولوی صاحب کو عرش کے نیچے پہنچا کر اس عشق کی تسکین فرمادی اس طرح اس عشق کو فرو کر دیا پس معلوم ہوا کہ جو کوئی بھی کسی لڑکے سے عشق کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ سے عشق کرتا ہے اسکے ثبوت کے طور پر اشرف علی صاحب تھانوی ہی کی کتاب سے یہ واقعہ ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ میرے والد کے اندر چشتیت بہت غالب تھی حالانکہ وہ کسی چشتی سے مستفید نہیں ہوئے تھے اور اسی بنا پر ان کی کیفیت یہ تھی کہ جس جگہ سنتے تھے کہ فلاں شئے خوبصورت ہے تو سفر کر کے اسے دیکھنے ضرور جاتے تھے (یعنی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہر خوبصورت شئے میں اللہ تعالیٰ خود ظہور فرماتا ہے) چنانچہ ایک مرتبہ انھیں معلوم ہوا کہ جے پور میں ایک تصویر بہت حسین ہے پس اسے دیکھنے کے لئے جے پور روانہ ہو گئے ،اسی طرح ان کو معلوم ہوا کہ لکھنو سے بہت دور مقام پر کسی کے یہاں ہانسی حصار سے کوئی اونٹنی آئی ہے جو بہت خوبصورت ہے یہ سن کر اس اونٹنی کو دیکھنے روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر اس اونٹنی کو دیکھا اور اسکی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسکے سر کو جھکایا اور بوسہ دے کر فرمایا کہ ”کہاں ظہور فرمایا ہے“ اسی طرح لکھنو کے اطراف میں ایک مقام پر ایک عالم رہتے تھے وہ ایک لڑکے پر عاشق تھے اور اسکو بہت محبت سے پڑھاتے تھے جب والد صاحب کو اس کے حسن کا قصہ معلوم ہوا تو حسب عادت اس دیکھنے چل دیئے جس وقت والد صاحب وہاں پہنچے تو اس وقت لڑکا سہ دری کی کوٹھڑی کے اندر تھا اور وہ عالم ایک چارپائی سے کمر لگائے ہوئے اس کوٹھڑی کی طرف پشت کئے ہوئے بیٹھے تھے، والد صاحب اسباب رکھ کر ان عالم سے مصافحہ کرنے گئے جب یہ سہ دری پر پہنچے تو وہ لڑکا ان کو دیکھ کر کوٹھڑی سے نکلا، والد صاحب نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تھے کہ ان کی نظر اس لڑکے پر پڑ گئی جس سے مصافحہ تو رہ گیا اور والد صاحب اس لڑکے کو دیکھنے میں مستغرق ہو گئے ☆ ارواح ثلاثہ ص۲۳۴،۲۳۵ ﴾

اسکے بعد عشق کے موضوع پر تبلیغی نصاب ہی سے چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں عرض کیا ہے کہ:

﴿ فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک ﴾

☆ فضائل قرآن ص ۶۷

﴿ مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے اسکو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا ﴾

☆ فضائل قرآن ص ۶۶

﴿ میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں ﴾

☆ فضائل تبلیغ ص ۱۱

﴿ ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے ﴾

﴿ پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے کیا جانیں ہم ہیں کب سے کسی پر مرے ہوئے ﴾

﴿ مری طفلی میں شان عشق بازی آشکارہ تھی   اگر بچپن میں کھیلا کھیل تو آنکھیں لڑانے کا ﴾

☆ فضائل حج ص ۱۴۱

معلوم ہوتا ہے کہ اخیر عمر میں زکریا صاحب اس قسم کے کھیلوں کے لائق نہیں رہے تھے اس لئے انھوں نے معصوم اور بھولے بھالے لوگوں کے دین ایمان سے کھیلنے کو اپنا مشغلہ بنالیا تھا تب ہی اس قسم کی کتابیں تبلیغی جماعت کے نصاب کے لئے تحریر فرمائیں جن پر اہل علم آج تک انگشت بدنداں ہیں۔

چوتھا مقصد رہبانیت کی تعلیم دینا

تبلیغی جماعت کے اہداف و مقاصد میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کو رہبانیت کی طرف مائل کرنا بھی ہے یہی وجہ ہے کہ تبلیغی نصاب میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ کو لوگوں کے سامنے مثال بنا کر پیش کرنے کے بجائے صوفیأ کا طریقہ اور افکار و نظریات کو نہایت شدومد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، رہبانیت کا دفاع کرتے ہوئے زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں رہبانیت کی تعلیم نہیں ہے اس میں دین و دنیا دونوں کو ساتھ رکھا گیا ہے ☆ فضائل تبلیغ ص ۱۷ ﴾

یعنی زکریا صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو لوگ رہبانیت کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور رہبانیت دین اسلام کا جزوحصہ ہے اسکے بعد متعدد مقامات پر انھوں نے مختلف مثالوں کے ذریعے اپنے اس موقف کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ بڑا قابل رشک ہے وہ مسلمان جو ہلکا پھلکا ہو یعنی اہل وعیال کا بوجھ زیادہ نہ ہو نماز سے وافر حصہ اسکو ملا ہو روزی صرف گذارے کے قابل ہو جس پر صبر کر کے عمر گذار دے، اللہ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو گمنامی میں پڑا ہو، جلدی سے مر جاوے، نہ میراث زیادہ ہو، نہ رونے والے زیادہ ہوں ☆ فضائل نماز ص ۱۳، ۱۴ ﴾

﴿ آج خانقاہوں میں بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں، آج انھیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں، کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے، جب وہ منبروں اور بالا خانوں پر ہوں گے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے ☆ فضائل ذکر ص ۴۰، ۴۱ ﴾

حقیقت یہ ہے کہ رہبانیت اسلام کی ضد ہے اور اسلام میں اسکے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اسلام سے قبل بھی جن لوگوں نے رہبانیت اختیار کی یہ ان کا اپنا بدعتی طریقہ تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر بھی رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿ ثم قفينا على أثرهم برسلنا وقفينا بعيسى ابن مريم وأتينه الانجيل و جعلنا فى قلوب الذين اتبعوه رافة و رحمة و رهبانية ابتدعوها ماكتبنها عليهم الا ابتغاء رضوان الله فمارعوها حق رعايتها فاتينا الذين أمنو منهم

اجرھم وکثیر منھم فاسقون ☆ سورہ الحدید ۲۷ ﴾

یعنی'' ہم نے ان کے پیچھے رسولوں کو بھیجا اور انکے پیچھے عیسٰی ابن مریم کو بھیجا اور عطاء کی ہم نے انھیں انجیل اور جنھوں نے اسکی اتباع کی ڈالا ہم نے انکے دلوں میں رافت کو، رحمت کو اور رہبانیت کو، نکالا جس کو انھوں ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا اس کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا تھا پھر وہ اسکا حق ادا نہیں کر سکے جیسا کہ حق ہے پس ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ان کے لئے اجر ہے مگر ان کی اکثریت فاسق ہے'' اسکا مطلب یہ ہوا کہ رہبانیت کا حکم اللہ نے کسی بھی امت کو نہیں دیا اسکے باوجود زکریا صاحب متعدد مقامات پر رہبانیت کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ عبدالواحد بن زید کہتے ہیں کہ میرا گذر ایک گرجا پر ہوا وہاں ایک راہب دنیا سے منقطع رہتا تھا میں نے اس کو راہب کہہ کر آواز دی وہ نہ بولا پھر دوسری دفعہ پکارا پھر بھی نہ بولا، پھر تیسری دفعہ جب میں نے پکارا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں راہب نہیں ہوں، راہب وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، اسکی کبریائی میں اسکی تعظیم کرتا ہو، اسکی بلاؤں پر صبر کرتا ہو، اسکے تقدیری فیصلوں پر راضی ہو، اسکی نعمتوں پر شکر کرتا ہو، اسکی عظمت کے سامنے تواضع سے رہتا ہو، اسکی عظمت کے مقابلے میں اپنے کو ذلیل رکھتا ہو، اسکی قدرت کاملہ کی اطاعت کرنے والا ہو، اسکی ہیبت سے عاجزی کرتا ہو، اسکے حساب اور اسکے عذاب کی ہر وقت فکر میں رہتا ہو، دن میں روزہ رکھتا ہو رات کو بیدار رہتا ہو، جہنم کے خوف اور میدان حشر کے سوال نے اسکی نیند اڑا دی ہو، جس میں یہ باتیں ہوں وہ راہب ہے، میں تو ایک ہڑکایا کتا ہوں اس وجہ سے یہاں بیٹھ گیا ہوں کہ کہیں کسی کو کاٹ نہ کھاؤں، میں نے اس سے پوچھا کیا بات ہے لوگ حق تعالٰی شانہ کی بڑائی کو جانتے ہیں پھر بھی انکا رشتہ ٹوٹا ہوا ہے، اس نے کہا صرف دنیا کی محبت اور اسکی زیب و زینت نے ان کا رشتہ توڑ رکھا ہے، دنیا گناہوں کا گھر ہے سمجھدار اور عاقل شخص وہ ہے جو اسکو اپنے دل سے پھینک دے اور اللہ جل شانہ کی جانب متوجہ ہو جائے اور ایسے کام اختیار کرے جو اللہ جل شانہ کے قریب کر دیں ☆ فضائل صدقات ص ۴۲۸، ۴۲۹ ﴾

اس واقعہ میں راہب نے اپنے آپ کو ہڑکایا ہوا کتا کہا ہے اور زکریا صاحب نے اس ہڑکایا ہوا کتا کہلانے والے کو راہب کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صوفی اور راہب اپنے آپ کو کتا کہلانے زیادہ فخر محسوس کرتے ہیں جیسا کہ زکریا صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں بارگاہ رسالت پر پہنچ کر اگر یاد آ جائے تو میری جانب سے یہ الفاظ بھی عرض کر دینا کہ:

﴿ ایک روسیاہ ہندی کتے نے بھی سلام عرض کیا تھا ☆ سوانح محمد یوسف ص ۱۳۲ اور امداد المشتاق ص ۲ ﴾

زکریا صاحب نے راہب کے اس واقعہ کو نقل کر کے اس پر کسی قسم کا کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راہب کی ان باتوں سے پوری طرح متفق ہیں اور چاہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے متعلقین بھی اسی طرز عمل کو اختیار کریں پس ثابت ہوا کہ یہ جماعت لوگوں کو دین کے نام پر جمع کر کے رہبانیت کی راہ پر ڈال رہی ہے۔

پانچواں مقصد حنفی مذہب کا تحفظ کرنا

تبلیغی جماعت کے اراکین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کسی خاص مسلک یا گروہ کی تبلیغ نہیں کرتی بلکہ اسکی تبلیغ عمومی ہے اور ہم اسی لئے کسی اختلافی مسئلہ میں دخل نہیں دیتے چناچہ ہر مسلک سے تعلق رکھنے والا تبلیغی جماعت میں رہتے ہوئے اپنے مسلک پر آزادی سے عمل کرسکتا ہے یہ نظریہ دراصل سیکولرازم سے ماخوذ ہے جو یہودیوں کا وضع کردہ ہے اس نظریہ کو یہودیوں نے اسلیئے دنیامیں متعارف کرایا تھا کیونکہ یہودی مذہبی لحاظ سے اقلیت میں تھے جسکے باعث انکے لئے عیسائیوں اور مسلمانوں کو اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا شکار بنانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا اسلیئے یہودیوں نے سیکولرازم کے نظریہ کو ترویج دی تا کہ مذہب کے مضبوط بندھن کو توڑا جاسکے اور علیحدہ علیحدہ ایک ایک ملک کو اپنا شکار بنایا جاسکے اسکے نتیجہ میں یہودیوں کو جو کامیابیاں حاصل ہوئیں ان سے سب ہی واقف ہیں اسی طرح تبلیغی جماعت کو جو کامیابی حاصل ہوئی وہ بھی سب کے سامنے ہے مگر تبلیغی جماعت کے ضمن میں اسکی وجہ نسبتاً مختلف ہے برصغیر دراصل ان خطوں میں شامل ہے جہاں پہلی صدی ہجری میں ہی اسلام کی کرنیں پہنچ گیئں تھیں مگر اقتدار بدقسمتی سے ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا جو ماتریدی حنفی تھے چناچہ ان لوگوں نے ایک ہزار سال تک قرآن وحدیث کو ہندوستان میں قدم نہیں رکھنے دیا لیکن کب تک آخر کار یہ جمود ٹوٹا اور یہاں کے لوگ قرآن وحدیث کی براہ راست تعلیم سے کسی قدر روشناس ہوئے تب حنفی مذہب کو اپنی بقا کا خطرہ لاحق ہوا کیونکہ حنفی مذہب کے بیشتر مسائل قرآن و حدیث سے متصادم ہیں چناچہ حنفی مذہب کی بقا کی خاطر جہاں کچھ دوسرے اقدامات ہوئے وہیں تبلیغی جماعت بھی وجود میں آئی جسکا مقصد لوگوں کو فضائل میں الجھا کر عقائد اور مسائل کا علم حاصل کرنے سے دور رکھنا تھا یعنی یہ ایک قسم کا مسلکی سیکولرازم تھا جسمیں لوگوں کو اختلافی مسائل پر غور فکر کرنے سے روکنا اور انکے اوقات کو فضائل پڑھنے اور پڑھانے میں صرف کرانا تھا تا کہ حنفی مذہب کا تحفظ ہوسکے پس تبلیغی جماعت کے قیام کا بنیادی مقصد عوام الناس کو قرآن وحدیث کے علم سے براہ راست استفادہ اور حنفی مذہب کی خامیوں پر مطلع ہونے سے روکنا ہے اسکی دلیل مولوی محمد الیاس بن قاری بندہ الٰہی میرٹھی کا یہ تحریری بیان ہے فرماتے ہیں:

> ﴿ اس پر آشوب دور میں جب کہ ملت اسلامیہ پر ہر قسم کے سخت ترین حملے ہورہے ہیں اور مسلمانوں نے مذہب اسلام کے ضوابط وقوانین پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب کے دل میں بھی اس دین کی اہمیت پیدا کی ، جب اس عالم دنیا میں انھوں نے نظر دوڑائی تو محسوس کیا کہ سارا عالم مذہب حنفیت سے برگشتہ اور خود مسلمان اسکے احکام پر عمل کرنے سے بیزار ہیں اور بے شعوری کا دور دورہ ہے فوراً حمیت اسلامی جوش میں آئی اور اپنی قوت کیساتھ کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نذر و نیاز بھی کی تا آنکہ ان کی اس تحریک کی برکت سے جس کو جماعت تبلیغ کہا جاتا ہے مسلمانوں میں دینی شعور پیدا ہوا اور مذہب اسلام کے شیدائی اس پر عمل کرنے لگے
> ☆ تبلیغی جماعت کا اسلام ص ۴۹ بحوالہ کیا تبلیغی کام ضروری ہے ﴾

تبلیغی جماعت تبلیغ دین کا دعویٰ کرتی ہے مگر تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاس صاحب اس جماعت کو تبلیغ دین نہیں بلکہ حنفیت

اور دیوبندیت کے پھیلانے کا ذریعہ بنانے کے عزم کا اظہار ان الفاظ میں کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی ☆ ملفوظات مولانا الیاس ص ۵۰ ﴾

معلوم ہوا کہ تبلیغی جماعت بنیادی طور پر حنفی مذہب کی بقا کے لئے کام کر رہی ہے اسلئے زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب کی حکایات کے ضمن میں جہاں کہیں بھی کوئی بات حنفی مذہب کے خلاف پائی ہے اسکا فوراً دفاع کیا ہے اور اسکی ہر ممکن تاویل کرنے کی کوشش کی ہے مثال کے طورر پر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ؛

﴿ یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امام اعظمؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا ممکن ہے ان صحابی کا مذہب بھی یہی ہو یا اس وقت تک اس مسئلہ کی تحقیق نہ ہوئی ہو کہ حضورﷺ اس مجلس میں تشریف فرما نہ تھے یا اس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو ☆ حکایات صحابہ پانچواں باب حکایت نمبر ۵ ﴾

زکریا صاحب نے اپنے تمام رسائل میں ہر جگہ امام ابوحنیفہ کو امام اعظم لکھا ہے اور اعظم افعل تفضیل کا صیغہ ہے جسکے معنی ہوئے ایسا امام جس سے بڑا امام کوئی ہے ہی نہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ ہمارے سب سے بڑے امام نبی کریمﷺ ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نہیں نبی کریمﷺ امام نہیں بلکہ رسول و نبی ہیں تو پھر اسے جان لینا چاہیے کہ قیامت کے دن اسکا حشر بھی امام ابوحنیفہ کیساتھ ہی ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ؛

﴿ **یوم ندعوا کل اناس بامامھم ☆ سورہ الاسراء ۷۱** ﴾

یعنی قیامت کے تمام انسانوں کو انکے اماموں کے ساتھ بلایا جائے گا اور ہم نہیں سمجھتے کہ زکریا صاحب اعظم کا معنی نہ جانتے ہوں اسکے باوجود بھی انھوں نے اگر امام ابوحنیفہ کو امام اعظم کہہ کر پکارا ہے تو اس مطلب ہے کہ وہ عوام الناس کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ فقہ حنفی کا کوئی بھی مسئلہ اتنے بڑے امام سے منسوب ہونے کی وجہ سے غلط نہیں ہوسکتا ہے گویا وہ لوگوں کو ذہنی اور اخلاقی دباؤ میں رکھ کر حنفیت کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ زکریا صاحب نے امام ابوحنیفہ کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھنے کے بجائے بیشتر مقامات پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر کیا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ لقب صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہے اور امام ابوحنیفہ صحابی نہیں ہیں بلکہ اکثر علماء کے نزدیک ان کا تابعی ہونا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کی ملاقات کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے صاف ظاہر ہے کہ زکریا صاحب کی یہ ساری کوششیں اسی لئے ہیں کہ اپنے عوام کے ذہنوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اتنا اونچا کر دیا جائے کہ پھر وہ ہر اس بات کو جو امام ابوحنیفہ کا نام لے کر انکو بتائی جائے اندھے اعتقاد کے ساتھ قبول کر لیں اور اسکو عقل یا نقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا خیال بھی انکے دل میں نہ آئے کیونکہ یہی ایک راستہ ہے حنفیت کی بقا کا بصورت دیگر قرآن وحدیث کی روشنی میں حنفیت کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اس لئے حنفی حضرات نے حنفیت کی بقا کی خاطر ہر قسم کی حد کو پار کر لیا ہے مثلاً شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ یحییٰ بن معاذ نے نبی کریمﷺ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ میں آپﷺ کو قیامت کے دن

کہاں تلاش کروں آپ ﷺ نے فرمایا ابوحنیفہ کے جھنڈے کے پاس ☆ کشف المحجوب ص ۱۴۳﴾

اس سے معلوم ہوا کہ صوفی کے عقیدے میں قیامت کے دن نبی کریم ﷺ امام ابوحنیفہ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے معاذ اللہ پس اگر تبلیغی جماعت یہ کہتی ہے کہ ہم امن پسند لوگ ہیں اس لئے اختلافی مسائل پر بات کرتے تو یہ سفید جھوٹ ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت دراصل حنفیت کی دفاعی فوج ہے اور دفاعی فوج کا کام صرف دفاع کرنا ہوتا ہے حملہ کرنے کی اسکو اجازت نہیں ہوتی اور اسی بات کو مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

﴿ مولانا کو پہلے بڑا شبہ تھا کہ جب ان علماء کو جنہوں نے آٹھ آٹھ دس دس سال مدرسوں میں تعلیم پائی تھی، تبلیغ میں پوری کامیابی نہیں ہوتی بلکہ صدہا اور نئے فتنہ کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ جاہل میواتی بغیر علم و تربیت کے اتنا نازک کام کیسے کریں گے ☆ ص ۱۲۵

لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن انھیں حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے اور نہ کسی اور چیز کو چھیڑتے ہیں تو مولانا کو اطمینان ہوا ☆ ص ۱۲۶ ﴾

یعنی تبلیغی جماعت کا لائحہ عمل یہ ہے کہ اپنا مذہب چھوڑو نہیں اور دوسرے کا چھیڑو نہیں بلکہ نئے آنے والے کو اپنے ساتھ ملا کر اسے اسکے ماحول سے دور لے جاؤ اس طرح آج نہیں تو کل وہ تمہارے رنگ میں رنگ ہی جائے گا اور حنفی بھلے ہی نہ بنے مگر حنفی مذہب کی خامیاں تو کم از کم اسکو نظر نہیں آئیں گی اس طرح رفتہ رفتہ حاصل ہونے والی عوام الناس کی حمایت حنفی مذہب کو تحفظ اور تقویت پہنچانے کا باعث بنے گی۔

چھٹا مقصد روح جہاد و قتال کو ختم کرنا

جہاد و قتال اسلام کے دیگر فرائض کی طرح ایک اہم ترین فرض ہے جس کا انحصار اسکی شرائط کے پورا ہونے پر ہے چنانچہ جب بھی یہ شرائط پوری ہوں گی جہاد و قتال مسلمانوں کیلئے ضروری ہوگا مثلاً جب انگریز برصغیر پر قابض ہوئے تو اس وقت کے مسلمانوں پر دفاعی نوعیت کا جہاد فرض ہو گیا تھا مگر اسے اتفاق کہیں یا کوئی سازش کہ اسی دور میں مسلمانوں میں دو جماعتیں ایسی پیدا ہوئیں جنہوں نے جہاد کا انکار کیا ایک قادیانی جنہوں نے بلا تاویل جہاد و قتال کو منسوخ قرار دیا اور دوسرے تبلیغی جماعت جس نے کھل کر جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان تو نہیں کیا البتہ دیگر عبادات کے فضائل کو جہاد کے مقابلے میں بڑھا چڑھا کر بیان کیا تا کہ مسلمانوں میں پائی جانے والی روح جہاد کو سلب کر لیا جائے جسکی چند مثالیں ہم تبلیغی نصاب سے منتخب کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں صحابی رسول ﷺ انس بن نضر ؓ تلوار لے کر جنگ احد میں دشمنوں سے لڑنے کے لئے جانے لگے تو سعد نے پوچھا کہاں جا رہے ہو تو انس ؓ نے فرمایا:

﴿ خدا کی قسم جنت کی خوشبو احد پہاڑ سے آ رہی ہے ﴾

اس پر مولانا زکریا صاحب ف (فائدہ) کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ جو لوگ اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے یہ حضرت انس ؓ زندگی ہی میں جنت کی خوشبو سونگھ رہے تھے اگر آدمی میں اخلاص ہو تو

دنیا میں بھی جنت کا مزہ آنے لگتا ہے میں نے ایک معتبر شخص سے جو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے مخلص خادم ہیں حضرت کا مقولہ سنا ہے کہ ''جنت کا مزہ آ رہا ہے''
☆ حکایات صحابہ باب اول حکایت نمبر۲ ﴾

یعنی جہاد کرنے والوں کو صرف خوشبو آ رہی ہے جبکہ اخلاص والوں کو مزہ آ رہا ہے قارئین خود فیصلہ کرلیں کون زیادہ فائدہ میں رہا؟ جہاد کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے کیا یہ ف (فائدہ) کا نوٹ کافی نہیں ہے اور کیا اس ''ف'' کو فائدہ کے بجائے اگر فساد کہیں تو زیادہ موزوں نہیں ہوگا؟ اسی طرح درود شریف کی بہت سی فضیلتوں میں سے ایک فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ اس کا ثواب بیس جہادوں سے زیادہ ہے ☆ فضائل درود شریف ص۳۲ ﴾

اسی طرح ایک حدیث جو انتہا درجہ کی ضعیف ہے زکریا صاحب اسی ضمن میں لائے ہیں اسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿ حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو عاجز ہو راتوں کو محنت کرنے سے اور بخل کی وجہ سے مال بھی نہ خرچ کیا جاتا ہو اور بزدلی کی وجہ سے جہاد میں بھی شرکت نہ کرسکتا ہو اسکو چاہیے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرے ☆ فضائل ذکر ص۴۳ ﴾

زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں ذکر کرنے والوں کو متعدد مقامات پر مجاہد اور ضربیں لگانے کے عمل کو مجاہدہ قرار دیا ہے جبکہ مجاہد فی سبیل اللہ کی جو ناقدری کی ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں کہ:

﴿ طاؤس کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنا افضل ہے اس شخص کی عبادت سے بھی جو روزہ دار شب بیدار اور مجاہد فی سبیل اللہ ہو ☆ فضائل حج ص۷۷ ﴾

جہاد کی اہمیت گھٹاتے ہوئے اور مسلمانوں کے جہاد کا مقصد مال کا حصول ثابت کرتے ہوئے زکریا صاحب لکھتے ہیں:

﴿ حضور اقدسﷺ نے نجد کی طرف ایک مرتبہ جہاد کے لئے ایک لشکر بھیجا جو بہت جلد واپس لوٹ آیا اور ساتھ ہی بہت سارا مال غنیمت لیکر آیا لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنی ذرا سی مدت میں ایسی بڑی کامیابی اور مال و دولت کیساتھ واپس آ گیا حضورﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں اس سے بھی کم وقت میں اس مال سے بہت زیادہ غنیمت اور دولت کمانے والی جماعت بتاؤں یہ وہ لوگ ہیں جو صبح کی نماز میں جماعت سے شریک ہوں اور آفتاب نکلنے تک اسی جگہ پر بیٹھے رہیں، آفتاب نکلنے کے بعد جب مکروہ وقت نکل جائے تو دو رکعت اشراق کی نماز پڑھیں ☆ فضائل نماز ص۲۰ ﴾

اس حدیث کو امام طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ نقل کیا ہے مگر اس حدیث سے زکریا صاحب نے جو اپنے متبعین کو باور کرانے کی کوشش کی ہے وہ غلط ہے، یہ حدیث اس وقت کی ہے جب حجازِ مقدس میں اسلام غالب آ چکا تھا اور اسلامی نظام کو استحکام حاصل ہو چکا تھا کیونکہ حدیث کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ لشکر نجد کی جانب بھیجا گیا تھا اس لئے قتال اب مسلمانوں پر فرض عین نہیں رہا تھا بلکہ فرض کفایہ کے درجہ میں تھا لہذا فطری بات تھی کہ وہ صحابہ کرام جن کو اس قتال کے لئے منتخب نہیں کیا گیا وہ اس ثواب سے محروم رہ جانے اور ان اموال غنیمت سے حصہ نہ پانے کی وجہ سے افسوس کریں چنانچہ ان کی تالیف قلب کی خاطر نبی کریمﷺ نے انھیں یہ ثواب حاصل کرنے

کا ایک راستہ سمجھا دیا مگر یہاں زکریا صاحب نے اس روایت کو اسکے سیاق وسباق کے منقطع کر کے عوام الناس کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نوافل کا اہتمام جہاد وقتال سے زیادہ افضل ہے حالانکہ موجودہ دور میں اسلام مغلوب ہے اس سبب جہاد وقتال ہر نفلی عبادت سے افضل ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے فرض عین ہے بشرطیکہ جہاد کی شرئط پوری ہوں اور جب تک جہاد کی شرائط پوری نہ ہوں اس وقت تک مسلمانوں کے دلوں شوق جہاد اور ذوق شہادت کو بیدار رکھنا علماء کرام کی ذمہ داری ہے مگر اسکے برخلاف تبلیغی جماعت کے اکابرین جہاد بالسیف کو خارج از بحث قرار دے کر معطل کئے بیٹھے ہیں پس یہی وجہ ہے آج تبلیغی جماعت کے لوگ اپنی تبلیغ پر جہاد سے متعلق آیات اور احادیث کا اطلاق کرتے ہیں اور اگر کوئی اعتراض کرے تو اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ جہاد کا لفظ اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے اس لئے اسے صرف قتال پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے اور یہ بات ایک حد تک صحیح بھی ہے مگر جو روایات تبلیغی نصاب کے حوالے سے ابھی ہم نے نقل کی ہے اس نے جہاد کا اطلاق اپنی تبلیغ پر کرنے کے اصل مقصد کو مکمل طور سے بے نقاب کر دیا ہے ان میں قتال فی سبیل اللہ کو نماز اور روزے سے بھی کم تر کر کے دیکھایا گیا ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس جماعت کا اپنی تبلیغ کے لئے لفظ جہاد کا استعمال اس لفظ کے وسیع تر مفہوم میں نہیں بلکہ قتال فی سبیل اللہ کی تردید اور تبلیغ کو قتال فی سبیل اللہ سے برتر ثابت کرنے کے لئے ہے بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھکر ان صوفیوں نے ذکر کو بھی قتال فی سبیل اللہ سے برتر ثابت کیا ہے کیونکہ صوفیاً کے نزدیک ذکر کی مجالس میں ذکر کے ذریعہ سے سرکش نفس کو قابو میں کیا جاتا ہے اس لئے یہ جہاد اکبر ہے اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک جھوٹی حدیث بھی مشہور کر رکھی جسے زکریا صاحب نے فضائل حج کے آخر میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ کسی غزوہ سے کامیاب ہوکر واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں ﴾

حالانکہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اس قسم کی ذکری مجالس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا جس اعتراف خود زکریا صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو حضور اقدس ﷺ کے فیض صحبت سے یہ قوت قلبیہ اعلیٰ درجہ پر حاصل تھی تو ان کو ضربیں لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی، حضور ﷺ کے زمانہ سے جتنا بعد ہوتا گیا اتنی ہی قلب کے لئے اس مقوی قلب خمیرہ کی ضرورت بڑھتی گئی ☆ فضائل ذکر ص ۴۴ ﴾

پس معلوم ہوا کہ تبلیغی جماعت کے اہداف ومقاصد میں سے ایک اہم مقصد مسلمانوں میں سے روح جہاد وقتال کو سلب کرنا بھی شامل ہے جو اعلا کلمۃ اللہ کا جزو لازم ہے جس کے بغیر امت مسلمہ کا عروج ناممکن ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قتال کے بغیر ہی اسلام دنیا میں غالب ہوجائے گا وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو نبی کریم ﷺ کو کبھی بھی قتال کی ضرورت نہ پڑتی اور اسلام بغیر کسی جنگ وجدال کے غالب ہوجاتا پس جاننا چاہیے کہ تبلیغ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی تعداد کو تو بڑھایا جاسکتا ہے اسلام کو بحثیت نظام ہرگز نافذ نہیں کی جاسکتا یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی اور اسکے ساتھیوں کی تعریف سورہ الفتح میں ان الفاظ میں کی ہے:

﴿ **محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم** ﴾

یعنی '' محمد ﷺ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھی کافروں کے ساتھ بہت سخت اور آپس میں رحمدل ہیں '' اس سے معلوم ہوا کہ

محض میٹھے میٹھے تبلیغ کرنا کافی نہیں ہے بلکہ کافروں کے ساتھ سختی کی بھی ضرورت ہوتی اوراس سختی کا ایک انداز قتال بھی ہے یعنی قتال بوقت ضرورت مسلمانوں پر فرض ہے اوراسکی ضرورت سے انکار کفر ہے۔

ساتواں مقصد قبر پرستی کی ترغیب دینا

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ والذین ید عون من دون اللہ لایخلقون شیأ وھم یخلقون ☆ اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون ☆ سورہ النحل آیت ۲۰ ،۲۱ ﴾

یعنی ’’ اور جولوگ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کسی بھی دوسرے کو، وہ کسی بھی چیز کے خالق نہیں ہیں بلکہ وہ تو خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں ان میں زندگی کی رمق تک نہیں اورانھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ خود کب اٹھائے جائیں گے ‘‘ اورایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ ومایستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء ومانت بمسمع من فی القبور ☆ سورہ الفاطر آیت ۲۲ ﴾

یعنی ’’ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوسکتے اللہ جس کو چاہتا ہے سنوادیتا ہے اور آپ ﷺ نہیں سنا سکتے ان کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں ‘‘ لیکن قرآن کریم کی اس صراحت کے باوجود تبلیغی جماعت کے اکابرین اس بات کے قائل ہیں کہ مردے سنتے ہیں اور نہ صرف سنتے ہیں بلکہ جس طرح زندہ آدمی دنیا میں کسی مدد کرتے ہیں اسی طرح مردے بھی قبر میں لیٹے ہونے کے باوجود مدد کرنے پر قادر ہوتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر زکریا صاحب کے نزدیک زندہ حقیقت میں مردہ ہوتا ہے اور مردہ درحقیقت زندہ ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ شیخ نجم الدین اصفہانی مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کے جنازے میں شریک ہوئے جب لوگ ان کو دفن کر چکے تو تلقین کرنے والوں نے قبر کے پاس بیٹھ کر تلقین کی، شیخ نجم الدین ہنسنے لگے اوران کی عادت ہنسنے کی بالکل نہیں تھی، بعض خدام نے ہنسی کی وجہ پوچھی تو شیخ نے جھڑک دیا، کئی دن بعد فرمایا کہ میں اس لئے ہنسا تھا کہ جب تلقین کرنے والا قبر پر تلقین کے لئے بیٹھا تو میں نے ان بزرگ کو جو دفن کئے گئے تھے یہ کہتے ہوئے سنا دیکھو جی حیرت کی بات ہے کہ ایک مردہ زندہ کو تلقین کررہا ہے ☆ فضائل حج ص ۲۴۶ ﴾

یہی وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین اپنے بزرگوں کی قبروں پر جا کر مراقبہ کرتے ہیں اوران سے فیض حاصل ہونے پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مردہ زندے سے بھی زیادہ زندہ ہوتا ہے اس نظریہ کو مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے واشگاف الفاظ میں یوں بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اوران کے سینوں اورقبروں سے باطنی فیوض پہنچنا سو بے شک صحیح ہے ☆ المھند علی المفند یعنی عقائد علماء دیوبند ص ۴۵ ﴾

اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اصحاب القبور سے فیض حاصل ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ ایک مولوی صاحب نے استفادہ کے لئے اذن کی ضرورت پر عرض کیا کہ حضرت قبروں پر جا کر فیض لیتے ہیں وہاں کس کا اذن ہوگا فرمایا کہ وہاں پر اذن کی ضرورت نہیں یہاں تو تنگی کی وجہ سے بدون استفادہ سے منع کیا جاتا ہے وہاں پر تو عالم ملکوت ہے وہاں پر تنگی و پریشانی کچھ بھی نہیں تکلیف و راحت یہاں ہی ہے ☆ الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ ملفوظ نمبر ۱۴۹ ص ۱۱۱ ج ۳ ﴾

زکریا صاحب قبر پر چلہ کرنے سے حاصل ہونے والے فیض کو یوں نقل کرتے ہیں:

﴿ حضرت حاتم اصم بلخی جو مشہور صوفیہ میں سے ہیں کہتے ہیں کہ تیس برس تک ایک قبر میں انھوں نے یہ چلہ کیا تھا کہ بے ضرورت کسی سے بات نہیں کی، جب حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے تو اتنا ہی عرض کیا تھا کہ اے اللہ ہم لوگ تیرے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کو حاضر ہوئے ہیں تو ہمیں نامراد واپس نہ کیجئیو، غیب سے آواز آئی کہ ہم نے تمہیں اپنے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت نصیب ہی اس لئے کی ہے کہ اس کو قبول فرمائیں، جاؤ ہم نے تمہارے اور تمہارے ساتھ جتنے حاضر ہیں سب کی مغفرت کردی ☆ فضائل حج فصل زائرین کے واقعات، واقعہ ۴ ﴾

لیکن قبروں سے حاصل ہونے والا یہ فیض بعض اوقات صاحب قبر کے لواحقین کے لئے وبال جان بھی بن جاتا ہے ثبوت کے طور پر اشرف علی تھانوی صاحب کے قلم سے یہ قصہ ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں کہ:

﴿ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے، وہ حضرت کی ایک کرامت جو بعد از وفات واقع ہوئی بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے نونوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی، سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے ہی آرام ہو جاتا، بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈالواؤں تب ہی ختم ہو جائے، کئی مرتبہ ڈال چکا پریشان ہو کر ایک دفعہ مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزدے مزاج کے بہت تیز تھے) آپ کی تو کرامت ہوگئی اور ہماری مصیبت ہوگئی، یاد رکھو اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ایسے ہی پڑے رہیو، لوگ جوتا پہن کر ایسے ہی تمہارے اوپر چلیں گے، بس اس دن کے بعد سے کسی کو آرام نہ ہوا، جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا ☆ ارواح ثلاثہ ص ۳۳۹ ﴾

اسی طرح قبر سے فیض حاصل کرنے کے لئے بانی تبلیغی جماعت مولانا الیاس صاحب کا مولانا رشید احمد گنگوہی کی وفات کے بعد جو حال تھا وہ بھی ملاحظہ فرمائیے مولانا سید ابوالحسن ندوی عبادت و نوافل کا انہماک کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

﴿ گنگوہ کے قیام کے دوران میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد زیادہ سکوت اور مراقبہ طاری رہتا تھا، شاید سارے دن میں کوئی ایک بات کرتے ہوں، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اسی زمانہ میں ان سے ابتدائی فارسی پڑھتے تھے، ان

دنوں ان کا دستور یہ تھا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ یعنی قبر کے پیچھے ایک بوریہ پر بالکل خاموش دوزانو بیٹھے رہتے تھے ☆ مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ص ۵۸ ﴾

اب مولانا الیاس صاحب کی اس عبادت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حدیث ملاحظہ کیجئے، امام مسلم اپنی صحیح میں ایک باب قائم کرتے ہیں جس کا عنوان ہے ''قبر پر بیٹھنے اور نماز پڑھنے کی ممانعت کا باب'' اس باب کے تحت جو حدیث آئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ عن ابی مرثد الغنویؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاتصلوا الی القبور ولا تجلسوا علیھا ☆ رواہ مسلم کتاب الجنائز باب النھی عن الجلوس علی القبر والصلاۃ علیہ ﴾

یعنی'' ابی مرثد الغنویؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قبر پر نماز نہ پڑھو اور نہ اس پر بیٹھو'' اب قارئین کرام خود فیصلہ کریں کی جس جماعت بانی کا یہ حال ہو کہ اسے دین کے بنیادی احکامات کا بھی علم نہ ہو اس کی جماعت سے کس خیر کی امید کی جاسکتی ہے نیز معلوم ہونا چاہیے کہ قبر پرستی کی اس لعنت میں صرف مولانا الیاس نہیں بلکہ تبلیغی جماعت کے تمام ہی اکابرین ملوث ہیں اسی سبب مولانا زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں قبروں سے استمدادا اور فیوض حاصل ہونے کی متعدد روایت نقل کی ہیں مثال کے طور پر چند ایک روایات ہم یہاں نقل کررہے ہیں زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ مصر کے ایک صاحب خیر ایک ضرورت مند کے لئے ایک سخی کی قبر پر درخواست گذار ہوئے رات کو وہ بزرگ انھیں خواب میں ملے اور کہا کہ تم میرے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ مکان کے فلاں حصے میں جو چولھا بن رہا ہے اسکے نیچے ایک چینی کا مرتبان گڑا ہے اس میں پانچ سو اشرفیاں ہیں وہ اس فقیر کو دے دیں، یہ خواب حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور اس پر عمل کیا گیا ☆ فضائل صدقات ص ۷۱۶ ﴾

﴿ عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کی قبر کی زیارت کو گئی، دور کا سفر تھا رات کو وہاں ٹھہرے ان میں سے ایک شخص نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ تو اپنے اونٹ کو میرے بختی اونٹ کے بدلے میں فروخت کرتا ہے (بختی اونٹ کا شمار اعلیٰ قسم کے اونٹوں میں ہے) خواب دیکھنے والے نے خواب میں معاملہ کرلیا، وہ صاحب قبر اٹھا اور اس نے اسکے اونٹ کو ذبح کردیا جب یہ اونٹ والا نیند سے بیدار ہوا تو اسکے اونٹ کا خون جاری تھا اس نے اٹھ کر اس کو ذبح کردیا (کہ اسکی زندگی کی کوئی امید نہیں رہی تھی) اور گوشت تقسیم کردیا، سب نے پکایا کھایا پھر یہ لوگ وہاں سے واپس ہوئے جب اگلی منزل پر پہنچے تو ایک شخص بختی اونٹ پر سوار ملا جو تحقیق کررہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں سے کوئی ہے، اس خواب دیکھنے والے شخص نے کہا کہ یہ میرا نام ہے، اس نے پوچھا تو نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے تو خواب والے شخص نے اپنا خواب کا قصہ سنایا، جو شخص بختی اونٹ پر سوار تھا اس نے کہا وہ میرے باپ کی قبر تھی یہ اسکا بختی اونٹ ہے، اس نے

مجھے خواب میں آکر کہا کہ اگر تو میری اولاد ہے تو میرا بختی اونٹ فلاں شخص کو دے دے تیرا نام لیا تھا اب یہ بختی اونٹ تیرے حوالے ہے یہ کہہ کر وہ اونٹ دے کر چلا گیا ☆ فضائل صدقات ص ۷۰۹ ﴾

﴿ ابن جلاء کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا مجھ پر فاقہ تھا میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا حضور ﷺ میں آپ کو مہمان ہوں، مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی حضور ﷺ نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی میں نے آدھی کھائی اور جب جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی ☆ فضائل صدقات ص ۹۴۴ ﴾

﴿ شیخ ابوالخیر اقطع ایک مرتبہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ان پر وہاں پانچ دن ایسے گذر گئے کہ نہ کھانے کو ملا اور نہ ہی کوئی چیز چکھنے کی نوبت آئی، وہ قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور حضور اقدس ﷺ اور شیخین پر سلام عرض کر کے انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! میں آج رات کو آپ ﷺ کا مہمان بنوں گا وہ یہ کہہ کر منبر شریف کے پاس سو گئے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں، دائیں بائیں شیخین ہیں اور سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، حضرت علی نے انہیں بلایا اور کہا کہ دیکھو حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں وہ اٹھے تو آپ ﷺ نے انھیں روٹی مرحمت فرمائی، انھوں نے آدھی کھائی اور جب آنکھ کھلی تو آدھی روٹی ہاتھ میں تھی ☆ فضائل حج ص ۱۳۳ ﴾

اسی نوعیت کے اور بھی بہت سے واقعات زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں نقل کیے ہیں جن کے ذریعہ قبروں سے استمداد اور فیوض کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اگر قبروں سے کسی کو فیض حاصل ہوتا بھی ہو تو وہ فیض اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں بلکہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہوگا کیونکہ قبر پرستی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور شیطان کی خوشنودی کا باعث ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات اولئک اصحاب النار ھم فیھا خلدون ☆ سورہ البقرۃ ۲۵۷ ﴾

یعنی'' اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے جو ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کفر کرتے ہیں (اللہ کے مددگار ہونے سے، خواہ عملی طور پر کریں یا اعتقادی طور پر) ان کا مددگار شیطان ہے جو ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف لے جاتا ہے یہی لوگ ہیں دوزخ میں جانے والے یہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے '' اور اللہ کے سوا جس کسی کو بھی اپنا مددگار بنایا جائے اسکے بارے میں قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ:

﴿ ان الذین یدعون من دون اللہ عباد امثا لکم ☆ سورہ العراف ۱۹۴ ﴾

یعنی'' اللہ کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو (خواہ وہ فرشتے ہوں، جنات ہوں، انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں) وہ تمہاری ہی طرح اللہ کے بندے ہیں'' معلوم ہونا چاہیے کہ استمداد اور فیوض حاصل کرنے کے لئے جب بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو پکارا گیا تو وہ ان ہی چار ہستیوں میں سے کوئی نہ کوئی ہوتا تھا اور نہ کوئی بھی انسان اتنا بے عقل تو نہیں ہو سکتا کہ کسی کو اپنے ہی جیسا عام انسان سمجھنے کے باوجود اسکی

قبر پر کوئی فیض حاصل کرنے کے لئے جائے یا اسے اپنی مدد کے لئے پکارتا ہواور ایک دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ارشاد ہوا:

﴿ **واتخذوا من دون الله الهة لايخلقون شيأ وهم يخلقون ولايملكون لانفسهم ضراولا نفعا ولايملكون موتا ولا حيوة ولا نشورا ☆ سوره الفرقان ٣** ﴾

یعنی'' اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے وہ کوئی چیز نہیں پیدا کر سکتے وہ تو خود مخلوق ہیں اور اپنی جانوں کے لئے بھی برے بھلے کا اختیار نہیں رکھتے اور انہیں تو مرنے جینے اور دوبارہ جی اٹھنے کی بھی قدرت نہیں ہے'' لیکن قرآن کی ان واضح دلیلوں کے ہوتے ہوئے بھی تبلیغی جماعت کے اکابرین اہل قبور سے مدد اور فیوض حاصل کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہی عقیدہ تبلیغی نصاب کے ذریعہ اپنے متبعین میں بھی پھیلا رہے ہیں چناچہ اگر ہم یہ کہیں تو زیادہ صحیح ہوگا کہ تبلیغی جماعت میں شامل لوگ دراصل تبلیغ کے عامل نہیں بلکہ معمول ہیں یعنی وہ تبلیغ نہیں کر رہے بلکہ تبلیغی جماعت کے بدعقیدہ اکابرین ان سادہ لوح افراد کو اپنے غلط عقائد کی تبلیغ کا نشانہ بنا رہے ہیں جبکہ قرآن وحدیث کی بنیادی تعلیمات سے لاعلم یہ معصوم لوگ اپنی دانست میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم انبیاء کرام کے طریقہ پر تبلیغ کر کے اپنے لئے جنت میں محلات تعمیر کر رہے ہیں کاش کے یہ لوگ کچھ ہوشمندی سے کام لیں ورنہ کہیں قیامت کے دن یہی کہتے نظر نہ آئیں کہ:

﴿ **وقالوا لوكنا نسمع او نعقل ما كنا فى اصحاب السعير ☆ الملك ١٠** ﴾

یعنی''لوگوں میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو کہیں گے کہ کاش ہم نے کسی نصیحت کرنیوالے کی بات پر کان دھرے ہوتے یا ہم عقل رکھتے ہوتے تو آج جہنم میں جانے والوں کے ساتھ شریک نہ ہوتے'' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نامرادی سے محفوظ رکھے۔

آٹھواں مقصد انکار رسالت کو چور دروازے سے داخل کرنا

مسئلہ تقلید مشہور ومعروف چیز ہے مگر تبلیغی جماعت اپنے متبعین سے اس معروف تقلید سے بھی بڑھکر جس چیز کی امید رکھتی اور انھیں ترغیب دیتی ہے وہ توحید مطلب ہے، تقلید کی بالعموم دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں تقلید مطلق اور تقلید شخصی لیکن صوفیاً نے تقلید کی ایک تیسری قسم بھی توحید مطلب کے نام سے ایجاد کی ہے جسے تقلید کی بدترین قسم اور انکار رسالت کا چور دروازہ کہا جا سکتا ہے۔

اولاً تقلید مطلق : کسی کی بات کو بلا دلیل مان کر اس پر عمل پیرا ہو جانا تقلید مطلق کہلاتا ہے اس قسم کی تقلید میں کسی شخصیت کا التزام نہیں کیا جاتا بلکہ کسی بھی عالم سے جو کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتا ہو اپنا مسئلہ دریافت کر لیا جاتا ہے اور اس مسئلہ پر قرآن وحدیث یا اجماع امت کی دلیل کو طلب نہیں کیا جاتا یعنی مسئلہ دریافت کرنے والا اس مسئلہ کے صحیح یا غلط اور عذاب یا ثواب کو اس عالم کے ذمہ ڈال دیتا ہے، چوتھی صدی ہجری میں جب تقلید کا آغاز ہوا تو تقلید کی صرف یہی ایک قسم یعنی تقلید مطلق پائی جاتی تھی۔

ثانیاً تقلید شخصی یا تقلید جامد : کسی معین شخص کی بلا دلیل بات اور فتویٰ کو اپنے لئے حجت سمجھنا تقلید شخصی یا تقلید جامد کہلاتا ہے، اس قسم کی تقلید میں کسی خاص شخصیت کا التزام کیا جاتا ہے جیسا کہ حنفی کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں ہوتی اور اسی طرح شافعی کو امام شافعیؒ کے سوا کسی کی بات حجت نہیں ہوگی خواہ وہ قرآن وحدیث کے موافق ہی کیوں نہ ہو یعنی قرآن وحدیث کے احکامات کو اپنے امام کے قول کے تابع کر دینے کا نام تقلید شخصی ہے ویسے تو تقلید بذاتہ مذموم شئے ہے مگر تقلید شخصی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے اپنے امام کے فضائل میں روایتیں کھڑی جانے لگیں اور قرآن وحدیث کو اپنے امام کے فتویٰ کے موافق لانے کے لئے ہر قسم کی تاویلات وتحریفات

کا دروازہ کھل گیا نیز اماموں میں تقسیم ہو کرامت کی وحدت بھی پارہ پارہ ہوگئی۔

ثالثاً توحید مطلب : تقلید کی یہ تیسری قسم صوفیت کی ایجاد ہے کیونکہ صوفیت سستی پر مبنی ہے اس لئے قرآن وحدیث میں تاویلات وتحریفات کرنا بھی صوفیوں کے بس کا کام نہیں تھا چنانچہ ان صوفیوں نے تقلید کی یہ تیسری قسم ایجاد کی جس میں مقلد ہر قسم کی شرعی پابندی سے ہی آزاد ہو گیا اب اسکے لئے اسکے پیر کا حکم ہی دین وشریعت بن گیا یعنی اسکے پیر کے منہ سے نکلی ہوئی بات خواہ دین وشریعت کے صریح خلاف ہی کیوں نہ ہوا سے ماننا اور اس پر عمل کرنا مرید کے لئے لازم اور ضروری ہے یعنی پیر کا قول ہی دراصل شریعت ہے اور مرید کو یہ جاننے یا سوچنے کے بھی اجازت نہیں کہ اسکے پیر کا کوئی قول دین وشریعت کے خلاف تو نہیں ہے، توحید مطلب کی تعریف کرتے ہوئے مولانا زکریا صاحب فضائل تبلیغ فصل سابع میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تیرے کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہوتے تو تو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کرسکتا گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے لہذا تجھے کوئی ایسا شخص ملے جسکا احترام تیرے دل میں ہو تو اس کی خدمت گذاری کر اور اسکے سامنے مردہ بن کر رہ کہ وہ تجھ میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور تیری اپنی کوئی خواہش نہ رہے اسکے حکم کی تعمیل میں جلدی کر اور جس چیز سے روکے اس سے احتراز کر اگر پیشہ کرنے کا حکم کرے تو پیشہ کر مگر اس کے حکم سے نہ کہ اپنی رائے سے، بیٹھ جانے کو کہے تو بیٹھ جا لہذا ضروری ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں سعی کرتا کہ تیری ذات کو اللہ سے ملا دے ﴾

اور شیخ رشید احمد گنگوہی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام امداد السلوک ہے اسکے اردو ترجمہ کا مقدمہ مولانا زکریا صاحب نے لکھا ہے، اس کتاب میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے یہ توحید مطلب کا ایک باقاعدہ عنوان قائم کیا ہے جس کے تحت وہ لکھتے ہیں کہ:

﴿ توحید مطلب اسکو کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کے متعلق اس کا یقین رکھے کہ دنیا میں اسکے علاوہ مجھکو مطلوب تک کوئی نہیں پہنچا سکتا اور گو اس زمانے میں دوسرے مشائخ بھی ہوں اور انہی اوصاف کاملہ سے متصف بھی ہوں مگر میرا منزل مقصود پر پہنچنا اسی ایک کی بدولت ہوگا، سو توحید مطلب سلوک کا بڑا رکن ہے اور جس کو یہ حاصل نہ ہوگا ہو پراگندہ و پریشان اور ہرجائی بنا پھرے گا اور کسی جنگل میں بھٹکتا ہوا کیوں نہ ہلاک ہو جائے حق تعالیٰ کو بھی اس کی مطلق پرواہ نہ ہوگی ☆ امداد السلوک ص۶۴،۶۵ ﴾

اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی تفسیر بیان القرآن سورہ البقرہ آیت ۴ کے مسائل السلوک میں لکھا ہے کہ:

﴿ **والذین یومنون بما انزل الیک وماانزل من قبلک وبلآخرۃ ھم یوقنون** ﴾

﴿ وماانزل من قبلک ☆ اس پر قیاس کیا جاوے گا کہ اعتقاد تو تمام مشائخ اہل حق کے ساتھ ایسا ہی رکھنا چاہیے جیسے اپنے مشائخ کے ساتھ البتہ اتباع صرف اپنے شیخ کا ہوتا ہے جیسا بعینہ یہی حکم انبیاء علیم السلام میں ہے ﴾

پس جب تبلیغی جماعت کے اکابرین کا یہ حال ہے تو ہم اس جماعت سے کسی خیر کی امید کیسے کر سکتے ہیں امیر المومنین عمر فاروقؓ جن کے ہاتھ پر تمام مسلمان بیعت کیے ہوئے تھے وہ جب منبر پر کھڑے ہوتے تو فرماتے تھے کہ لوگو! میں جب تک صحیح چلوں تو میرا ساتھ دینا اور صحیح راہ سے ہٹوں تو مجھے سیدھا کر دینا جبکہ زکریا صاحب یہ نظریہ پیش کر رہے ہیں کہ تمہارا پیر تم کو کسی کام کا بھی حکم دے تو اسکا حکم بلا چوں چراں مان اس پر عمل کرنا وہ پیر تم کو اللہ سے ملا دے گا حالانکہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا راستہ بیان فرمادیا ہے:

﴿ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفوررحیم ☆ سورہ آل عمران آیت ۳۱ ﴾

یعنی ''اے نبی ﷺ کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو (اسکا تقرب چاہتے ہو) تو میری اتباع کرو اللہ خود تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں کا معاف فرمادے گا اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے'' پس کسی غیر نبی کی ایسی مطلق اتباع اور پیروی جسکا حکم قرآن نے نبی کریم ﷺ کے لئے دیا ہے غیر نبی کو نبی کے مرتبہ پر فائز کرنے کے مترادف ہے، کسی بھی نبی کی مطلق پیروی کا حکم اس پر آنے والی وحی کے سبب ہے جو کسی غیر نبی پر نہیں آتی اس لئے نبی کے سوا کسی بھی شخص کی غیر مشروط اور مطلق پیروی کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا اومن ورآئے حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء انہ علی حکیم ☆ الشوریٰ ۵۱ ﴾

یعنی '' ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہیے وحی کرے بے شک وہ برتر حکمت والا ہے '' اس آیت میں وحی الٰہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں پہلی یہ کہ دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتا دینا اس یقین کے ساتھ کے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، دوسری پردے کے پیچھے سے کلام کرنا جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور محمد ﷺ سے معراج پر ہوا، تیسری صورت فرشتے کے ذریعہ وحی بھیجنا جیسا کہ جبرائیل کے ذریعہ تمام انبیاء کی طرف آنے والی وحی اور یہ پورا قرآن بھی اسی تیسری قسم کی وحی سے تعلق رکھتا ہے لیکن زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں وحی کی ایک چوتھی قسم بیان کی ہے جو صوفیائ پر آتی ہیں جس میں زکریا صاحب کے بقول اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے صوفی کی زبان سے کلام فرماتا ہے لکھتے ہیں کہ:

> ﴿ عاشق وہ ہے جو اپنی خودی سے جاتا رہے، خدا کے ذکر کے ساتھ وابستہ ہوگیا ہو اور اس کا حق ادا کرتا ہو، دل سے اللہ کی طرف دیکھتا ہو، اسکے دل کو انوار ہیبت نے جلا دیا ہو اسکے لئے خدا کا ذکر شراب کا پیالہ ہو، اگر کلام کرتا ہو تو اللہ ہی کا کلام ہو، گویا حق تعالیٰ شانہ ہی اسکی زبان سے کلام فرماتا ہے ☆ فضائل ذکر ص ۱۷۵ ﴾

اب کوئی بھی شخص اگر اس قسم کا عقیدہ رکھے گا تو لازمی بات ہے کہ اسکے لئے اپنے پیر کی منہ سے نکلی ہوئی بات اللہ تعالیٰ کے فرمان کے درجہ میں ہوگی نیز توحید مطلب کا ایک اہم رکن وحدت الوجود بھی ہے جیسا کہ امداد السلوک جس کا مقدمہ زکریا صاحب نے تحریر کیا ہے

اس میں لکھا ہے کہ:

﴿ مبتدی ذکر کرتے وقت ہمیشہ اس طریق پر کرے کہ لا الہ سے ہر خیر وشر کی نفی کا دھیان کرے اور لا الہ کہتے وقت شیخ کا دھیان دل میں لائے اور اسکی روح کو اپنے اندر سمجھے اور الا اللہ سے حق تعالیٰ کی ذات کا اثبات کرے کہ اسکا عدم محال ہے ☆ امداد السلوک ص ۷۳ ﴾

یعنی یہاں الہ کے معنی موجود کئے جارہے ہیں جس کے ذریعہ سے ہر اچھائی اور برائی کی نفی کی جارہی ہے اور اپنی اور اپنے پیر کے وجود کی نفی کرکے اللہ کے موجود ہونے کا اثبات کیا جارہا ہے پس ان تمام خباثتوں کے باعث توحید مطلب ایک کفر، الحاد اور انکار رسالت پر مبنی تقلید ہے جس کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

نواں مقصد جھوٹے قصے کہانیوں میں الجھائے رکھنا

تبلیغی نصاب کی تیاری میں زکریا صاحب نے جن کتب کا سہارا لیا ہے ان میں سے اکثر غیر معروف وغیر مستند ہیں جس کا لازمی نتیجہ جھوٹے اور من گھڑت قصص کا تبلیغی نصاب میں شامل ہونے کی صورت میں نکلتا ہے اس قسم کے قصے کہانیوں کی تعداد تبلیغی نصاب میں بہت زیادہ مگر یہاں ان قصص میں سے ہم صرف چند ایسے قصائص کو ہی نقل کریں گے جن کا جھوٹا ہونا ایک عام آدمی بھی معمولی غور و فکر سے معلوم کرسکتا ہے مگر تبلیغی جماعت کے لوگ اپنی آنکھوں پر عقیدت کی پٹی باندھ لینے کے بعد ان قصص کو بڑی ڈھٹائی سے ہر اجتماع میں سنتے اور سناتے ہیں ان ہی قصص وحکایات میں سے کچھ انتخاب ہم آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

﴿ ایک کافر بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ نہایت متشدد متعصب تھا اتفاق سے مسلمانوں کی ایک لڑائی میں گرفتار ہوگیا چونکہ مسلمانوں کو اس سے تکلیفیں بہت پہنچی تھیں اس لئے انتقام کا جوش ان میں بھی بہت تھا، اسکو ایک دیگ میں ڈال کر آگ پر رکھدیا گیا، اس نے اول تو اپنے بتوں کو پکارنا شروع کیا اور مدد چاہی، جب کچھ بن نہ پڑا تو ہیں مسلمان ہوا اور لا الہ الا اللہ کا ورد شروع کیا لگاتار پڑھتا رہا، اور ایسی حالت میں جس خلوص اور جوش سے پڑھا جاسکتا ہے ظاہر ہے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی اور اس زور سے بارش ہوئی کہ وہ ساری آگ بجھ گئی اور دیگ ٹھنڈی ہوگئی، اسکے بعد زور سے آندھی چلی جس سے وہ دیگ اڑ کر دور کسی شہر میں جاگری جہاں سب ہی کافر تھے، یہ شخص لگاتار کلمہ پڑھ رہا تھا، لوگ اسکے گرد جمع ہوگئے، اور اعجوبہ دیکھ کر متحیر تھے، اس سے حال دریافت کیا اس نے اپنی سرگذشت سنائی جس سے وہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے ☆ فضائل ذکر ص ۱۰۵ ﴾

﴿ علامہ سخاوی بعض تواریخ سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت گنہگار تھا جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اسکو ویسے ہی زمین پر پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اسکو غسل دے کر نماز جنازہ پڑھیں، میں نے اس شخص کی مغفرت کردی، حضرت موسیٰ نے کہا

یااللہ یہ کیسے ہوگیا؟ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اس نے ایک دفعہ توراۃ کو کھولا تھا اس میں محمدﷺ کا نام دیکھا تھا تو اس نے ان پر درود پڑھا تھا تو میں نے اس وجہ سے اسکی کی مغفرت کردی ☆ فضائل درود شریف ص۹۹ ﴾

﴿ حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ جب دشمنوں نے حضرعثمانؓ کو محصور کر رکھا تھا میں ان کی خدمت میں سلام کیلئے حاضر ہوا تو فرمانے لگے بھائی بہت اچھا کیا آئے، میں نے اس کھڑکی میں سے حضور اقدسﷺ کی زیارت کی حضورﷺ نے ارشاد فرمایا عثمان تمہیں ان لوگوں نے محصور کر رکھا ہے، میں نے عرض کیا جی کر رکھا ہے پھر حضورﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں پیاسا کر رکھا ہے، میں نے عرض کیا جی ہاں اس پر حضورﷺ نے ایک ڈول پانی کا لٹکایا جس میں سے میں نے پانی پیا اس پانی کی ٹھنڈک اب تک میرے دونوں شانوں اور دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس ہو رہی ہے، اسکے بعد حضورﷺ نے فرمایا چاہو تو ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کی جائے اور تمہارا دل چاہے تو یہاں ہمارے پاس آکر ہی افطار کرلینا میں نے عرض کیا کہ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، اسی دن شہید کردیئے گئے ☆ فضائل حج ص۱۳۲ ﴾

﴿ ایک کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چرایا کرتا تھا، اس نے ایک قبر کھودی تو اس نے ایک شخص کو اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا، قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا اور وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور ان کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہوکر گر پڑا لوگوں نے اسکو قبر سے نکالا تین دن بعد ہوش آیا، لوگوں نے قصہ پوچھا اس نے سارا حال سنایا، بعض لوگوں نے اس قبر کو دیکھنے کی تمنا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتادے، اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لیجا کر قبر دکھاؤں، رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا کہہ رہے ہیں اگر تو نے میری قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا تب اس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا ☆ فضائل صدقات ص۶۵۷ ﴾

﴿ حسن بن حی کہتے ہیں کہ میرے بھائی علی کا جس رات انتقال ہوا انھوں نے مجھے آواز دے کر پانی مانگا میری نماز کی نیت بندھ رہی تھی میں سلام پھیر کر پانی لے کر گیا تو وہ فرمانے لگے میں تو پی چکا، میں نے کہا آپ نے کہاں سے پی لیا گھر میں تو میرے اور آپ کے سوا کوئی نہیں ہے، کہنے لگے حضرت جبرائیل علیہ السلام ابھی پانی لائے تھے وہ مجھے پانی پلا گئے اور یہ فرما گئے کہ تو اور تیرا بھائی ان لوگوں میں سے ہیں جن پر حق تعالیٰ نے انعام فرما رکھا ہے ☆ فضائل صدقات ۴۷۹ ﴾

تبلیغی نصاب کے جھوٹ اور تضاد بیانیاں

تبلیغی جماعت کے لوگ تبلیغی نصاب کو کتاب اللہ اور سنت رسول سے ماخوذ سمجھتے ہوئے اسکی تلاوت اپنے گھروں اور مساجد میں بڑی باقاعدگی اور ادب واحترام سے کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو ہم نے یہاں تک بھی دیکھا کہ تبلیغی نصاب کو سنانے سے قبل سنانے والا شخص سننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اس کتاب کو باوضو ہو کر سماعت فرمائیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے مؤلف نے اپنے غلط عقائد ونظریات کو عوام الناس کے اذہان میں راسخ کرنے کے لئے اس کتاب میں قرآن وحدیث کو محض ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے اور اسکا سب سے بڑا ثبوت اس کتاب میں متعدد مقامات پر پائی جانے والی تضاد بیانیاں ہیں پس معلوم ہونا چاہیے کہ جب بھی کوئی کتاب دین کے بنیادی اصولوں سے ہٹ کر لکھی جائے گی اس میں متضاد باتوں کا واقع ہونا ایک یقینی امر ہے چناچہ ایسی ہی چند متضاد باتیں اور جھوٹی احادیث ہم تبلیغی نصاب کے حوالے سے اس باب کے تحت نقل کر رہے ہیں تاکہ وہ لوگ جو تبلیغی نصاب کے بارے میں اب تک کسی پس وپیش اور شک وشبہ میں مبتلا ہیں یقین کی روشنی میں آسکیں اور تبلیغی جماعت کے ظاہری اعمال واقوال کی خوشنمائی سے کسی دھوکے میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔

خون کا ناقض وضو ہونا ثابت ہے یا نہیں

زکریا صاحب نے ایک انصاری صحابی عمار بن یاسرؓ کا قصہ نقل کیا ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ قافلہ کی پہرے داری پر معمور ہوئے اور فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے نماز میں مشغول ہوگئے اس دوران دشمن نے موقعہ پا کر ان پر تیروں کی بارش کر دی مگر انھوں نے زخموں سے خون بہتے رہنے کے باوجود نماز جاری رکھی اس واقعہ پر اپنے فقہی مسلک کا دفاع کرتے ہوئے زکریا صاحب نقل فرماتے ہیں کہ:

﴿ یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امام اعظمؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا ممکن ہے ان صحابی کا مذہب بھی یہی ہو یا اس وقت تک اس مسئلہ کی تحقیق نہ ہوئی ہو کہ حضور ﷺ اس مجلس میں تشریف فرما نہ تھے یا اس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو☆ حکایات صحابہ پانچواں باب حکایت نمبر ۵ ﴾

یعنی زکریا صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے امام اعظم کے کسی مسئلہ میں غلطی پر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسلئے اور کوئی وجہ ہو تو ہو مسئلہ ہمارے نزدیک وہی رہے گا جو امام صاحب نے فرما دیا ہے اسی کو تقلید جامد کہتے ہیں جو دراصل سارے فساد کی جڑ ہے اور شرک فی النبوۃ ہے یعنی حرام، حلال، جائز اور ناجائز قرار دینے کا حق جو وحی الٰہی کے سبب صرف نبی کو حاصل ہوتا ہے اسمیں دوسروں کو شریک کرنا نبوت میں شرک کرنا کہلاتا ہے اور تقلید جامد اسکی ایک بدترین شکل ہے اسی کی مزمت کرتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ **اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله ☆ سوره التوبه ٣١** ﴾

یعنی انھوں نے اللہ کو چھوڑ کو اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنالیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک صحابی رسول ﷺ عدی بن حاتمؓ جو عیسائیت سے اسلام میں داخل ہوئے تھے انھوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ عیسائی اپنے علماء اور مشائخ کی پوجا نہیں کرتے پھر وہ ان کے رب کیسے ہوگئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا یہ سچ نہیں ہے ان کے علماء جس چیز کو حلال کہہ دیتے ہیں وہ حلال تسلیم کر لیتے ہیں اور جس چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں وہ حرام مان لیتے ہیں کہا یہ سچ ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسی کو رب بنالینا کہا جاتا ہے اب کیا قرآن کا یہ حکم ان لوگوں پر صادق نہیں آتا جو اپنے امام کی بات کو اوپر رکھنے کے لئے ہر حیلہ کو اختیار کرتے ہیں اور اس بات کی قطعی پر وہ نہیں کرتے کہ قرآن و حدیث اس مسئلہ کے ضمن میں کیا حکم دے رہے ہیں جیسا کہ زکریا صاحب نے اس مسئلہ میں ہر ممکن طور پر اپنے امام کی بات کو برتر رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن جتنے بھی حیلے انھوں نے اس مسئلہ کو رد کرنے کے لئے تراشے ہیں وہ غلط ہیں اسکا ثبوت خود اسی حکایت صحابہ میں عمر فاروقؓ کے زخمی ہونے والے واقعہ میں موجود ہے جو ان کی شہادت کا سبب بھی ہوا زکریا صاحب نقل فرماتے:

> ﴿ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں جب ان کے خنجر مارا گیا جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا تو ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہو جاتی تھی لیکن اس حالت میں بھی جب مطلع کئے جاتے تو اسی حالت میں نماز ادا فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اسکا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے ☆
> حکایات صحابہ پانچواں باب حکایت نمبر۴ ﴾

شاید زکریا صاحب اب بھی یہی کہیں گے کہ عمر فاروقؓ بھی شافعی مذہب پر تھے یا نبی کریم ﷺ کی وفات کے اتنے عرصہ بعد بھی اس مسئلہ کی تحقیق نہیں ہوئی تھی یا عمر فاروقؓ جو ساری زندگی نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور اب امیر المومنین تھے اس مسئلہ سے بھی لاعلم تھے کہ خون لگے کپڑوں میں ہی نماز پڑھتے رہے حنفیہ کے یہاں خون کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ خون اگر کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو وہ ناپاک ہو جاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے جو لوگ خون کو ناپاک مانتے ہیں وہ سورہ انعام آیت ۱۴۶ سے دلیل لیتے ہیں جہاں ارشاد ہوا:

> **﴿ قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغیرالله به فمن اضطرغیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم ﴾**

یعنی کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) میں نہیں پاتا کسی چیز کو حرام جو وحی مجھ پر آئی اس میں کسی کھانے والے کے لئے کہ وہ کھائے سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سؤر کا گوشت کہ وہ ناپاک ہے یا گناہ کی چیز کہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو پس جو کوئی مجبور ہو گیا ہو نہ کہ زیادتی اور زور کے سبب تو تمہارا رب معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے اس آیت کی رو سے احناف مردار، خون اور سؤر کے گوشت تینوں کو ناپاک قرار دیتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کے یہاں مردے کی نماز جنازہ مسجد میں نہیں ادا کی جاتی لیکن اس آیت میں لفظ ''فانه رجس'' قابل غور ہے کیونکہ یہاں واحد مذکر غائب کی ضمیر استعمال ہوئی ہے لہذا اعربی قاعدہ کے مطابق اس لفظ کا اطلاق قریب ترین لفظ پر ہوگا اور یہاں قریب ترین لفظ سؤر کا گوشت ہے یعنی مذکورہ بالا تینوں اشیاء حرام ہیں مگر سؤر کا گوشت حرام ہونے کے ساتھ ساتھ نجس بھی ہے اس کے علاوہ خون کے نجس ہونے کے متعلق کچھ احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں جیسا کہ بلوغ المرام کی یہ حدیث

جوکہ متفق علیہ ہے:

﴿عن اسماء بنت ابی بکرؓ ان النبی ﷺ قال فی دم الحیض یصیب الثوب تحته ثم تقرصه بالماء ثم تنضحه ثم تصلی فیه ☆متفق علیه﴾

یعنی اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حیض کے خون کے متعلق جو کپڑے کو لگ جائے فرمایا اس کو رگڑ ڈالو پھر پانی سے مل کر دھولو پھر اس پر پانی بہا کر اس میں نماز پڑھ لو اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اسی طرح کی کچھ اور احادیث بھی ہیں جو خون کے نجس ہونے کے جواز میں پیش کی جاتی ہیں مگر یہ تمام احادیث حیض کے خون سے متعلق ہیں لہذا ان احادیث کو عام خون پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ عام خون کا کئی دوسری احادیث کے لحاظ سے پاک ہونا ثابت ہے پس عام خون کا حکم حیض کے خون سے جدا ہے یعنی عام خون پاک ہے جبکہ حیض کا خون ناپاک ہے اگر وہ کپڑوں پر لگ جائے تو اسکا دھونا ضروری ہے

آدمؑ نے توبہ پہلے کی یا نکاح پہلے ہوا

تبلیغی نصاب فضائل حج میں آدم علیہ السلام کے نبی کریم ﷺ کے طفیل دعا کرنے کی ایک عجیب وغریب روایت نقل ہوئی ہے زکریا صاحب نقل فرماتے ہیں:

﴿ حاکم نے روایت کیا اور اسکو صحیح بتایا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے دانہ کھانے کی خطا صادر ہوئی تو انھوں نے اللہ جل شانہ سے حضور ﷺ کے طفیل دعا کی اللہ جل شانہ نے دریافت کیا کہ آدمؑ تم نے کیسے جانا ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا یا اللہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا اور مجھ میں جان ڈالی تھی تو میں نے عرش کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے پاک نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے وہ ساری مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا بے شک وہ ساری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور جب تم نے اسکے طفیل مغفرت طلب کی تو میں نے تمہاری خطاء معاف کردی ☆فضائل حج ص ۱۱۵ ﴾

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور امام ذہبی نے اسے خبر باطل قرار دیا ہے ملاحظہ فرمائیے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ ج ا ص ۳۸ اور علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حاکم کی اس حدیث کو منکر قرار دیا گیا ہے کیونکہ اسکا ایک روای عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے جس کے بارے میں حاکم نے خود اپنی کتاب المدخل میں لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے علمائے حدیث کہتے ہیں کہ حاکم بعض اوقات ایسی احادیث کو بھی روایت کردیتے ہیں جو محدثین کی نزدیک موضوع اور بناوٹی ہوتی ہیں بحوالہ مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ج ا ص ۲۵۴ نیز اس روایت کا باطل ہونا اسکے متن سے بھی ظاہر ہے کیونکہ قرآن کریم میں آدم علیہ السلام کی جو دعا توبہ کے طور پر بیان ہوئی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ☆اعراف ۲۳﴾

یعنی ''اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور رحم نہ کیا تو ہم تباہ ہو جائیں گے'' اس دعا میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت آدم نے اپنی بخشش کے لئے محمد ﷺ کا واسطہ دیا تھا اگر ایسا ہوتا تو قرآن اتنی اہم بات کا کیسے تذکرہ نہ کرتا؟ اسلئے یہ روایت قرآن کے بیان سے مطابقت نہیں رکھتی اور جن لوگوں نے واسطوں اور وسیلوں کی بدعت نکالی ہے وہ اس قسم کی روایات کا سہارا لیتے ہیں کیونکہ نہ ان کو قرآن میں حجت ملتی ہے اور نہ سنت ثابتہ میں بلکہ ضعیف اور موضوع احادیث ہی ان کا آخری سہارا ہوتی ہیں اور چونکہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کا بھی یہی مذہب رہا ہے چنانچہ تبلیغی نصاب میں بھی اس قسم کی روایات کثرت سے شامل کی گئی ہیں جو تبلیغی جماعت کے اکابرین کے عقیدہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور عوام الناس کے عقیدہ میں فساد کا سبب ہیں یہ تعلیم لوگوں کو جس انداز سے دعا مانگنے کی ترغیب دیتی اسکا ایک نمونہ خود تبلیغی نصاب ہی میں ملاحظہ فرمایئے محمد احتشام الحسن صاحب تبلیغی نصاب کے آخر میں شامل ضمیمہ میں فرماتے ہیں:

﴿ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے میری بداعمالیوں اور سیاکاریوں کی پردہ پوشی فرمادیں اور مجھے اور آپ کو ان مقدس ہستیوں کے طفیل سے اچھے کردار نصیب فرمادیں ☆ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج باعنوان اظہار حقیقت ص۲ ﴾

اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ وہی شرک نہیں جس کو مٹانے کے لئے چودہ سو سال قبل اسلام آیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی شئے بغیر اپنے بزرگوں کا واسطہ دیئے طلب نہ کرنا اپنے بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ لازمی طور پر بخشے بخشائے ہیں اور انھیں تقرب الٰہی بھی ضرور حاصل ہے اور ان کا واسطہ دے کر مانگی گئی دعا کے قبولیت کے امکانات بلا واسطہ کی گئی دعا سے زیادہ ہیں پس جب ان بزرگوں کا واسطہ دے کر مانگی گئی دعا کا یہ حال ہے تو پھر اگر وہ خود سفارش کر دیں تو کیا بات ہے لہذا اب ان بزرگوں کو خوش کرنے اور ان کی رضا حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے ان کے بت بنا کر ان پر چڑھاوے چڑھائے جائیں یا انکی قبروں پر جا کر مراقبے کیے جائیں پھول چڑھائے جائیں آخر کار نتیجہ وہی غیر اللہ کی عبادت کی صورت میں برآمد ہوتا ہے گویا کسی شخصیت کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرنا شرک کی پہلی منزل ہے اور اگر اسکا سد باب اسی موقع پر نہ کیا جائے تو انسان اسی مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں کفار مکہ یا یہود مدینہ تھے۔

تبلیغی نصاب میں موجود آدم علیہ السلام کی توبہ کا یہ قصہ جہاں عقلی اور نقلی اعتبار سے غلط ہے وہیں خود تبلیغی نصاب میں موجود آدم علیہ السلام کے ایک دوسرے قصہ سے بھی متصادم ہے وہ قصہ اس طرح ہے:

﴿ جب حضرت حوا علیہا السلام پیدا ہوئیں، حضرت آدم علیہ السلام نے ان پر ہاتھ بڑھانا چاہا ملائکہ نے کہا صبر کرو جب تک نکاح نہ ہو جائے اور مہر ادا نہ کر دو انھوں نے پوچھا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ رسول مقبول ﷺ پر تین بار درود شریف پڑھنا اور ایک اور روایت میں بیس بار آیا ہے ☆ فضائل درود شریف پانچویں فصل حکایت نمبر ۱۴ ﴾

پس جب نکاح کے وقت آدم علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے نام اور مقام سے واقف تھے تو پھر توبہ کے وقت اللہ تبارک تعالیٰ کا اس کے متعلق استفسار کیا معنی رکھتا ہے نیز قرآن کی گواہی ہے کہ حوا کو آدم کے جسم سے پیدا کیا گیا ایسی صورت میں نکاح کے لوازمات کا ہونا ضروری قرار نہیں پاتا اس لئے حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی روایتیں موضوع اور بناوٹی ہیں اور اس اعتبار سے بھی مذکورہ کہانی جھوٹی ہے

کہ مہر خاص عورت کا حق ہوتا ہے جو اس عورت کی عزت و آبرو کے عوض خاوند پر واجب ہوتا ہے پھر اس میں کسی غیر کا حق کہاں سے شامل ہو گیا مثلاً آج اگر کسی نکاح میں دلہن کا مہر دلہن کے بجائے اور دلہن کی مرضی کے بغیر کسی دوسرے کو دے دیا جائے جیسا کہ بقول زکریا صاحب نکاح آدم وحوا کا تھا اور مہر نبی کریم ﷺ کو دے دیا گیا تو کیا یہ نکاح درست ہو جائے گا ظاہر ہے شریعت میں ایسے نکاح کی کوئی گنجائش نہیں مزید برآں کیا تبلیغی جماعت کے مذہب میں اس طرح کا مہر جائز ہے؟ بلکہ حنفی مذہب میں تو نقد رقم کی بھی ایک خاص مقدار ہے جس کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں ہے اور خود زکریا صاحب نے فضائل ذکر ص ۱۷۶ پر یہ مقدار ڈھائی روپے لکھی ہے۔

قرآن کے معنی جاننے کے لئے عام آدمی اور صوفی میں فرق

قرأت قرآن کے آداب و شرائط کے ضمن میں شرائط کا بیان کرتے ہوئے ذکریا صاحب نے ایک عامی آدمی کے لئے قرآن کے معنی جاننے کی غرض سے جو شرائط تحریر فرمائی ہیں اس کے چیدہ چیدہ نکات درجہ ذیل ہیں:

﴿ کلام پاک کے معنی کے لئے جو شرائط و آداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے ☆ اہل فن نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے ☆ اول لغت جس سے قرآن پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جائیں ☆ دوسرے نحو کا جاننا ضروری ہے ☆ تیسرے صرف کا جاننا ضروری ہے ☆ چوتھے اشتقاق کا جاننا ضروری ہے ☆ پانچویں علم معانی کا جاننا ضروری ہے ☆ چھٹے علم بیان کا جاننا ضروری ہے ☆ ساتویں علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں ☆ آٹھویں علم قرأت کا جاننا ضروری ہے ☆ نویں علم عقائد کا جاننا ضروری ہے ☆ دسویں اصول فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے ☆ گیارہویں اسباب نزول کا معلوم ہونا ضروری ہے ☆ بارہویں ناسخ ومنسوخ کا معلوم ہونا ضروری ہے ☆ تیرہویں علم فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے ☆ چودھویں ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو مجمل آیات کی تفسیر میں نازل ہوئی ہیں ☆ اور پندرہواں علم وہبی ہے جو حق سبحانہ وتقدس کا عطیہ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کا عطاء فرماتا ہے ☆ فضائل قرآن ص ۱۸، ۱۹ ﴾

محترم زکریا صاحب نے یہ تمام شرائط ایک عام آدمی کے لئے قرآن کے معنی جاننے پر عائد کی ہیں جو ایک عام آدمی میں تو خیر ہونا ہی محال ہیں لیکن خود سابقہ مفسرین قرآن میں سے کسی کی جانب سے بھی ان تمام شرائط پر مکمل دسترس کا دعویٰ بھی کبھی ہماری نظر سے نہیں گذرا خاص طور پر پندرہویں ''وہبی علم'' کی شرط کا دعویٰ سوائے کسی صوفی کے کوئی کر ہی نہیں سکتا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ زکریا صاحب نے قرآن کی تفسیر کرنے کے لئے صوفی کو ان تمام شرائط سے آزاد کر دیا ہے اگر یقین نہیں آتا تو یہ تبلیغی نصاب کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے جس میں زکریا صاحب رقمطراز ہیں کہ:

﴿ سید علی بن میمونؒ کا قصہ مشہور ہے کہ جب شیخ علوان حمویؒ جو ایک متجر عالم اور مفتی اور مدرس تھے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سید صاحب کی ان پر خصوصی توجہ ہوئی تو ان کو سارے

مشاغل درس وتدریس فتویٰ وغیرہ سے روک دیا اور سارا وقت ذکر میں مشغول کردیا عوام کا تو کام ہی اعتراض اور گالیاں دینا ہے لوگوں نے بڑا شور مچایا کہ شیخ کے منافع سے دنیا کو محروم کردیا اور شیخ کو ضائع کردیا وغیرہ وغیرہ کچھ دنوں بعد سید صاحب کو معلوم ہوا کہ شیخ کسی وقت کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں سید صاحب نے اسکو بھی منع کردیا تو پھر پوچھنا ہی کیا، سید صاحب پر زندیقی اور بددینی کا الزام لگنے لگا لیکن چند ہی روز بعد شیخ پر ذکر کا اثر ہوگیا اور دل رنگ گیا تو سید صاحب نے فرمایا کہ اب تلاوت شروع کردو کلام پاک کھولا تو ہر ہر لفظ پر وہ علوم و معارف کھلے کہ پوچھنا ہی کیا ہے ☆ فضائل ذکر فصل سوم ص ۸۰ ﴾

ترکِ تراویح بمقابلہ ترکِ فرض روزہ ونماز

فرض نماز کو ترک کرنے والے لئے صحابہ کرام اور ائمہ کا جو فتویٰ ہے اور جس پر سوائے فقہ حنفی سب کا اتفاق ہے اس کو زکریا صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

﴿ بڑے بڑے صحابہؓ جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ حضرات کا مذہب یہی ہے کہ بلا عذر جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے ائمہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور ابن مبارکؒ کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے ☆ فضائل نماز ص ۲۶ ﴾

اسکے بعد اپنا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ اگر کوئی شخص تمام عمر نماز نہ پڑھے، کبھی روزہ نہ رکھے اسی طرح کوئی اور فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اسکا منکر نہ ہو تو وہ کافر نہیں، جس فرض کو ادا نہیں کرتا اسکا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال ادا کرتا ہے ان کا اجر ملتا ہے ☆ فضائل رمضان ص ۳۶ ﴾

اب اسکے بالمقابل یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

﴿ بعض کتب فقہ نقل کیا گیا ہے کہ کسی شہر کے لوگ اگر تراویح چھوڑ دیں تو اس کے چھوڑنے پر امام ان سے مقاتلہ کرے ☆ فضائل رمضان ص ۶ ﴾

گویا تراویح کی نماز جو نہ فرض عین ہے، نہ فرض کفایہ اور نہ سنت موکدہ اس کے لئے مقاتلہ کیا جائے جبکہ فرض نماز، روزہ، حج اور زکواۃ جو فرائض میں شامل ہیں اور دین کے ارکان ہیں انکے ترک کرنے سے کوئی آدمی کافر ہی نہیں ہوگا پس ایسے شخص سے مقاتلہ بھی نہیں کیا جائیگا۔

وضو سے کبیرہ اور نماز سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں

فضائل نماز کے باب میں زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ علماء تحقیق، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی وجہ سے یہ بات محقق ہے کہ نماز وغیرہ عبادات سے صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے ہیں اس لئے نماز کے ساتھ توبہ واستغفار کا اہتمام بھی کرنا چاہیے ☆ فضائل نماز ص ۷ ﴾

جبکہ وضو کا ذکر کرتے ہوئے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ امام اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تو اس پانی میں جو گناہ دھلتا ہوا نظر آتا اسے معلوم کر لیتے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ کبیرہ گناہ ہے یا صغیرہ ،مکروہ فعل ہے یا خلاف اولیٰ جیسا کہ حسی چیزیں نظر آتی ہیں اسی طرح یہ بھی معلوم ہو جاتا تھا چناچہ ایک دفعہ کوفہ کی جامع مسجد کے وضو خانہ میں تشریف فرما تھے، ایک نوجوان وضو کر رہا تھا اسکے وضو کا پانی گرتے ہوئے آپ نے دیکھا اسکو چپکے سے نصیحت فرمائی بیٹا والدین کی نافرمانی سے توبہ کر لے، اس نے توبہ کی، ایک دوسرے شخص کو دیکھا تو اس کو نصیحت فرمائی بھائی زنا نہ کیا کر بہت برا عیب ہے اس نے اس وقت زنا سے بھی توبہ کی، ایک اور شخص کو دیکھا شراب خوری اور لہولعب کا پانی گر رہا ہے اس کو بھی نصیحت فرمائی اس نے بھی توبہ کی ☆ فضائل ذکر ص ۱۷۰ ﴾

زکریا صاحب کی اس تحریر پر کسی صاحب نے اشکال کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

﴿ زنا گناہ کبیرہ ہے اور وضو میں صرف صغائر ہی معاف ہوتے ہیں، جیسا کہ میں نے سنا ہے رفع اشکال کے لئے تشریح فرمادیں ﴾

اس کے جواب میں زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ یہ بات ٹھیک ہے کہ وضو سے صغائر ہی معاف ہوتے ہیں مگر پھر بھی کوئی اشکال نہیں ہے اسلئے کہ بسا اوقات گناہ گار آدمی وضو کرتا ہے اور اپنے دل میں اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے کہ میں روسیاہ بارگاہ خداوندی میں ملوث حاضر ہو رہا ہوں اور پشیمان ہو کر استغفار کرتا ہے اس وقت وضو کے پانی کے ساتھ سارا گناہ نکل جاتا ہے صغیرہ ہو یا کبیرہ ☆ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ازمولانا زکریا صاحب ص ۱۶۲ ﴾

اس واقعہ کے ضمن میں زکریا صاحب کی یہ وضاحت نہایت ہی غیر معقول ہے کیونکہ وہ خود فرما رہے ہیں کہ ” اس کو نصیحت فرمائی بھائی زنا نہ کیا کر بہت برا عیب ہے اس نے اس وقت زنا سے بھی توبہ کی ” یعنی جب وضو کے دوران اس کے گناہ جھڑتے ہوئے امام صاحب نے مشاہدہ کیا تھا اس وقت تک اس نے توبہ نہیں کی تھی بلکہ امام صاحب کی نصیحت کرنے پر اس نے توبہ کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسکا گناہ امام صاحب کے نصیحت کرنے سے قبل ہی دھل گیا تھا پس اس واقعہ میں موجود اسطرح کے تضادات اس بات کی طرف نشان دہی کر رہے ہیں کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط اور جھوٹ ہے اور اسے محض اپنے امام کی شان بڑھانے کے لئے کسی نے گھڑا ہے اور زکریا صاحب نے اسے جوں کا توں بلا تحقیق نقل کر دیا ہے نیز زکریا صاحب کی جانب سے کی گئی اس وضاحت کو پڑھنے سے اندازہ

ہوتا ہے کہ زکریا صاحب نے تبلیغی نصاب کے یہ رسائل لکھے ضرور ہیں مگر لکھنے کے بعد کبھی ان کو پڑھنے کی زحمت نہیں کی ورنہ اس اشکال کا اس قدر غیر معقول جواب کبھی نہ دیتے۔

جلدی مرنا باعث سعادت ہے یا دیر سے مرنا افضل

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ بڑا قابل رشک ہے وہ مسلمان جو ہلکا پھلکا ہو یعنی اہل وعیال کا بوجھ زیادہ نہ ہو نماز سے وافر حصہ اسکو ملا ہو روزی صرف گذارے کے قابل ہو جس پر صبر کر کے عمر گذار دے، اللہ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو گمنامی میں پڑا ہو، جلدی سے مرجاوے، نہ میراث زیادہ ہو، نہ رونے والے زیادہ ہوں ☆ فضائل نماز ص۱۳،۱۴ ﴾

اور دوسری جگہ زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ایک قبیلہ کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا، میں نے خواب میں دیکھا وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا ان شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہو گئے تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے، میں نے حضورﷺ سے خود عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا ان کی نیکیاں نہیں دیکھتے کتنی زیادہ ہو گئیں ایک رمضان المبارک کے پورے روزے اور چھ ہزار اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ان کی بڑھ گئیں ☆ فضائل نماز ص۱۵ ﴾

مصافحہ کے لئے قبر سے ہاتھ نکلنا

زکریا صاحب کے بقول صوفی جامی نے ایک نعت لکھی تھی جو قصہ یوسف زلیخا میں شامل ہے اس صوفی کے متعلق زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ مولانا جامیؒ نوراللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ یہ نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضہ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدسﷺ کی زیارت کی ،حضورﷺ نے خواب میں ان کو یہ اشاد فرمایا کہ جامی کو مدینہ نہ آنے دیں، امیر مکہ نے ممانعت کر دی مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے، امیر مکہ نے دوبارہ خواب میں دیکھا کہ حضورﷺ فرمارہے ہیں وہ آرہا ہے اسکو یہاں نہ آنے دو، امیر مکہ نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا اس پر امیر کو

تیسری مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی مجرم نہیں ہے بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہوکر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے، اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا، اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا ☆ فضائل درود شریف ص ۱۲۵ ﴾

یہاں ہاتھ نکلنے سے فتنہ ہو رہا تھا اس لئے ہاتھ نہیں نکلا مگر دوسری روایت میں ہاتھ نکلنے کا بیان ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ سید رفاعی مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں انکا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ ہجری میں حج سے فارغ ہوکر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ ہے کہ'' دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی ،اب جسموں کی باری آئی ہے اپنا دست مبارک عطاء کیجئے تا کہ میرے ہونٹ اسکو چومیں'' اس پر قبر شریف سے دست مبارک نکلا اور انھوں نے اسکو چوما، کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کی زیارت کی جن میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے ☆ فضائل حج ص ۱۳۱ ﴾

معلوم نہیں کہ اب کوئی فتنہ کیوں نہیں ہوا بلکہ یہی نہیں ایک دوسری روایت میں سلام کا جواب بھی آیا مگر اس سے بھی فتنہ نہیں ہوا :

﴿ شیخ ابراہیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں کہ میں حج سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور قبر اطہر پر حاضر ہوکر میں نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو حجرہ شریف کے اندر سے میں نے وعلیک السلام جواب میں سنا ☆ فضائل حج ص ۱۲۷ ﴾

﴿ سید نورالدین ایجی شریف عفیف الدین کے والد ماجد کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ روضہ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو سارے مجمع نے جو وہاں حاضر تھا سنا کہ قبر شریف سے وعلیک السلام یا ولدی کا جواب ملا ☆ فضائل حج ص ۱۳۱ ﴾

آدم علیہ السلام کے ہزار حج

تبلیغی نصاب فضائل حج میں منذری کی کتاب ترغیب کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

﴿ آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے چل کر پیدل ایک ہزار حج کئے ☆ فضائل حج ص ۳۵ ﴾

اس روایت کا ایک راوی قاسم بن عبدالرحمٰن ہے جس کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں (یعنی لائق اعتبار نہیں) اور ابوزرعہ کہتے ہیں کہ وہ منکر حدیثیں بیان کرتا ہے اور اسکے دوسرے راوی عباس بن فضل انصاری کے بارے میں علامہ البانی کہتے ہیں وہ متروک ہے اور ابوزرعہ اسے متہم قرار دیتے ہیں ملاحظہ فرمایئے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ ج ا ص ۳۰۳ مزید برآں قرآن کریم ابرہیم علیہ

السلام کو کعبہ کے معمار کی حیثیت سے پیش کرتا ہے یعنی آدم علیہ السلام کے زمانے میں خانہ کعبہ کا موجود ہونا ثابت ہی نہیں ہے تو حج کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور آدم علیہ السلام کا ہندوستان میں اتارا جانا بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور یہ بات تو ایک معجزہ ہی ہوسکتی ہے کہ وہ ہندوستان سے پیدل چل کر ایک ہزار حج کریں اور معجزہ کے ثبوت کے لئے روایت بیان کرنے والے روایوں کا ثقہ ہونا نہایت ضروری ہے جبکہ اس روایت میں ایک سے بھی زائد غیر ثقہ راوی پائے جاتے ہیں پس غیر معتبر راویوں کے بیان کرنے سے کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوتا اس لئے یہ روایت قطعی موضوع اور باطل ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف کی فضیلت

﴿ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر گذرنے کے وقت نور ہے اور جو شخص جمعہ کے دن اسی دفعہ مجھ پر درود پڑھے اسکے اسی سال کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے ☆ فضائل درود شریف ص ۴۰ ﴾

اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ علامہ سخاویؒ نے قول بدیع میں اس حدیث کو متعدد روایات سے جن پر ضعف کا حکم بھی لگا ہے نقل کیا ہے ﴾

لیکن یہ حدیث صرف ضعیف نہیں بلکہ موضوع بھی ہے جسکی صراحت علامہ البانی نے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ میں ج ا ص ۲۵۱ پر کی ہے اس حدیث کا موضوع ہونا اسکے متن سے صاف ظاہر ہے کیونکہ اس میں جمعہ کے دن اسی ۸۰ دفعہ درود پڑھنے کا اجر اسی ۸۰ سال کے گناہوں کا معاف کردینا بتایا گیا ہے جبکہ قرآن میں ہے کہ:

﴿ **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ☆ الانعام ۱۶۰** ﴾

یعنی جو ایک نیکی لے کر آئے گا اسکے لئے دس گنا اجر ہے اور صحیح حدیث میں ایک مرتبہ درود پڑھنے کا اجر بھی دس گنا بتایا گیا ہے:

﴿ **من صلیٰ علی واحدة صلی اللّٰه علیه عشرا ☆ رواه مسلم** ﴾

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرے گا پس ثواب میں مبالغہ آرائی ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن رہی ہے اس لئے ایسی حدیثوں کو دین کی تبلیغ کا ذریعہ بنانا جائز نہیں اس سے دین کا اصل حلیہ بگڑ جاتا ہے اور آدمی اپنے اصل فرائض سے غافل ہوجاتا ہے۔

قبر میں نبی کریم ﷺ کا درود شریف سننا

تبلیغی نصاب میں بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

﴿ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب سے دورد پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھکو پہنچادیا جاتا ہے ☆ فضائل درود شریف ص ۱۸ ﴾

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اسکے راوی محمد بن مروان سدی کے بارے میں ابن نمیر نے کہا کہ وہ جھوٹا ہے اورنسائی کہتے ہیں کہ متروک ہے ملاحظہ فرمائیے کتاب الموضوعات ج۱ص۳۰۳ اورعلامہ البانی نے اسکے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے اورلکھا ہے کہ صحیح حدیث میں صرف یہ بات بیان ہوئی ہے کہ جوشخص آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے اسکا درود آپ ﷺ تک پہنچادیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ ج۱ص۲۰۳۔

ایک حقب کی مقدار

زکریا صاحب نے ایک حدیث ترک نماز پرنقل کی ہے اوراسکا بے سند ہونا بھی خودہی نقل کیا ہے مگر چالاکی یہ کی ہے کہ حدیث کو نقل کرکے اسکا ترجمہ کردیا ہے مگراس پر جوتبصرہ ہے اسکا ترجمہ نہیں کیا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ حضور ﷺ سے روایت ہے کہ جوشخص نماز کو قضاء کردے، گوبعد میں پڑھ بھی لے پھربھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اورحقب کی مقداراسی برس کی ہوتی ہے اورایک برس تین سوساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کا ہوگا اس حساب سے ایک حقب کی مقداردوکروڑاٹھاسی لاکھ برس ہوئی ☆ فضائل نماز ص۳۶ ﴾

اسکے بعداس حدیث کی سند پر جوکچھ زکریا صاحب نے عربی میں لکھا ہے اسکا ترجمہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کردیتے ہیں پھر کسی اورکی بات کولکھنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جائے گی لکھتے ہیں کہ:

﴿ یہ روایت مجالس ابرار میں آئی ہے، میں کہتا ہوں کہ حدیث کی جو کتابیں میرے پاس ہیں ان میں مجھے یہ حدیث کہیں نہیں ملی البتہ ہمارے بزرگوں میں سے بزرگ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے مجالس ابرارکی تعریف کی ہے ﴾

کلمہ طیبہ کی فضیلت

زکریا صاحب تحریرفرماتے ہیں کہ:

﴿ حضور ﷺ کاارشاد ہے کہ بچے کوشروع میں جب وہ بولنا سیکھنے لگے تولا الہ الا اللہ یادکراؤاور جب مرنے کا وقت آئے جب بھی لا الہ الا اللہ کی تلقین کروجس شخص کا اول کلمہ لا الہ الا اللہ اورآخر کلمہ لا الہ الا اللہ تووہ اگر ہزار برس بھی زندہ رہے توانشاءاللہ کسی گناہ کااس سے مطالبہ نہیں ہوگا ☆ فضائل ذکرص۱۰۷ ﴾

اس حدیث کونقل کرکے زکریا صاحب نے خوداس حدیث پرعربی میں جوتبصرہ کیا ہے اسکا ترجمہ یہ ہے کہ:

﴿ یہ حدیث موضوع ہے اوراس حدیث کے راوی ابن محمویہ اوراسکا باپ دونوں مجہول ہیں، امام بخاریؒ نے ابراہیم بن مہاجر کوضعیف قرار دیا ہے سیوطی نے علامہ ابن جوزی سے نقل کیا ہے پھراس کا تعاقب کیا ہے وغیرہ ﴾

اس حدیث کو یہاں بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کا عقیدہ مرجئیہ والا ہے اور مرجئیہ کے نزدیک کلمہ پڑھنے والا جنتی ہے اور وہ کسی گناہ کی وجہ سے جہنم میں نہیں جائے گا جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے ذکر میں عبدالقادر جیلانیؒ کا قول اسی کتاب کے گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جماعت تبلیغ بھی حنفی ہونے کی وجہ سے مرجئیہ کا عقیدہ رکھتی ہے۔

مقام محمود کی تفسیر

زکریا صاحب نبی کریم ﷺ کو عطاء کئے جانے والے مقام محمود کی تفسیر نقل فرماتے ہیں کہ:

﴿ اور بعض نے کہا کہ اللہ جل شانہ آپ ﷺ کو قیامت کے دن عرش پر اور بعض نے کہا کرسی پر بیٹھانے کو کہا ہے ☆ فضائل درود شریف ص ۴۶ ﴾

یہ قول سند کے اعتبار سے صحیح نہیں جو کہ مشہور مفسر اور تابعی امام مجاہد کی طرف منسوب ہے اور ان کے اس قول میں یہ صراحت بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بیٹھائے گا مگر زکریا صاحب اور ان کی جماعت چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے قائل نہیں اس لئے زکریا صاحب نے مجاہد کے اس قول سے یہ بات کمال ہوشیاری سے حذف کر دی جو کہ ایک بڑی علمی خیانت میں شمار ہوتی ہے۔

تعارف اکابرین ونصاب تبلیغی جماعت

تبلیغی جماعت اپنی شہرت کے اعتبار سے یقیناً کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر اس جماعت کے اکابرین کے کوائف اور تبلیغی جماعت کے نصاب اور طریقہ کار سے متعلق چند امور ایسے ہیں کہ جن پر روشنی ڈالے بغیر اس جماعت کے قیام کے مقاصد اور اہداف کا تجزیہ کرنا مشکل بھی ہے غیر مفید بھی یہی وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت کی تردید میں لکھی گئیں متعدد کتابیں مبنی برحق اور معیاری ہونے کے باوجود بھی تبلیغی جماعت کے اس سیلاب کو روکنے میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کرسکیں ہیں نیز ہم جانتے ہیں کہ ہر جماعت کو اپنے اکابرین اور اپنی کتب سے ایک والہانہ عقیدت ہوتی ہے جسکے باعث اکثر اوقات بہت سی غلط باتیں اپنی آنکھوں کے سامنے ہونے کے باوجود بھی انسان کو نظر نہیں آتیں پس یہاں ہم ان ہی باتوں کی نقاب کشائی کررہے ہیں تبلیغی جماعت کے متعلقین سے دلی معذرت اور اس گذارش کے ساتھ کہ ہماری اس کاوش کا مطالعہ برائے مہربانی خالی الذہن ہوکر کریں اور عام قارئین سے ہماری یہ گذارش ہے کہ'' تعارف تبلیغی جماعت'' کے اس باب پر خصوصی توجہ دیں تاکہ آئندہ ابواب کے تحت بیان کئے جانے والے تبلیغی جماعت کے عقائد، مقاصد، افکار ونظریات کو سمجھنے میں انھیں کسی دقت کا سامنا نہ رہے۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین بحوالہ تبلیغی نصاب

تبلیغی جماعت کے اکابرین میں مولانا الیاس صاحب بانی تبلیغی جماعت، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب اور تبلیغی نصاب کے مؤلف زکریا صاحب کے علاوہ جو لوگ شامل ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے زکریا صاحب فرماتے ہیں:

> ﴿ وہ زمانہ اگرچہ کچھ دور ہوگیا ہے جبکہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ اور قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری حاضرین جلسہ کے قلوب کو منور فرمایا کرتی تھی مگر وہ منظر ابھی آنکھوں سے زیادہ دور نہیں ہوا جبکہ ان مجدد دین اسلام اور شموس ہدایت کے جانشین حضرت شیخ الھند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں مجتمع ہوکر مردہ قلوب کے لئے زندگی ونورانیت کے لئے چشمے جاری فرمایا کرتے تھے اور عشق کے پیاسوں کو سیراب فرماتے تھے ☆فضائل قرآن ص ۵ ﴾

قارئین کرام ان شخصیات کے ناموں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں اور ان کے علاوہ ایک نام اور یاد رکھیں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا جو کہ ان تمام دیوبندی اکابرین کے پیرو مرشد ہیں ان اکابرین کے اسماء گرامی ہم اس لئے قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں تاکہ قارئین پیش منظر میں رہنے والے اکابرین کے ساتھ ساتھ پس منظر میں رہنے والے اکابرین سے بھی واقف ہوجائیں کیونکہ آئندہ صفحات میں ہم ان ہی افراد کے عقائد واعمال کے حوالے سے تبلیغی جماعت کے ان افکار ونظریات پر روشنی ڈالیں گے جن کے تحت وہ معرض وجود میں آئی ہے اور جو اس جماعت کے قیام کے اسباب، اہداف اور مقاصد ہیں۔

تبلیغی نصاب کی تالیف کے وقت مؤلف کی دماغی حالت

تبلیغی نصاب کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں جابجا ایسے واقعات ملتے ہیں جو بنیادی اسلامی عقائد سے متصادم ہیں نیز موضوع اور ضعیف احادیث کی بھی ایک کثیر تعداد ملتی ہے جنہیں دیکھ کر بعض اوقات اس کتاب کے مؤلف کی دماغی صحت پر شبہ ہونے لگتا ہے اور یہ شبہ اس وقت یقین میں بدل جاتا ہے جب ہم تبلیغی نصاب کی یہ عبارت پڑھتے ہیں جس میں زکریا صاحب بقلم خود فرماتے ہیں کہ:

﴿ صفر ۱۳۵۷ ہجری میں ایک مرض کی وجہ سے چند روز کے لئے دماغی کام سے روک دیا گیا۔ تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایام کو اس بابرکت مشغلہ میں گذاردوں (یعنی تبلیغی نصاب کے رسائل کی تیاری) کہ اگر یہ اوراق پسند خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے یہ خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گذر ہی جائیں گے ☆ حکایات صحابہ تمہید ص ۷ ﴾

تبلیغی نصاب میں شامل رسائل میں جو فاش غلطیاں پائی جاتی ہیں متعدد علماء کرام کی جانب سے ان پر بارہا نکیر کی جا چکی ہے اسکے باوجود وہ تمام کا تمام مواد تبلیغی نصاب میں جوں کا توں موجود ہے لیکن جب کسی تبلیغی کو ان باتوں کی طرف توجہ دلائی جائے تو اولاً تو وہ ان کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیتا ہے مگر جب تبلیغی نصاب کھول کر اسے ان کا مشاہدہ کرا دیا جائے تو پھر یا تو وہ ان کی کوئی نہ کوئی تاویل ڈھونڈھنے کی کوشش کرتا ہے یا پھر یہ کہتا ہے کہ اب یہ تمام باتیں تبلیغی نصاب سے خارج کر دی گئی ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ تبلیغی نصاب میں جو کچھ کل تھا وہ جوں کا توں آج بھی موجود ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ تبلیغی نصاب میں شامل رسائل آگے پیچھے کیے جاتے رہتے ہیں مگر جو کچھ بھی ان رسائل میں لکھا ہے وہ نہ کبھی تبدیل ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ مؤلف مولانا زکریا صاحب کی ہدایت یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

﴿ بندہ ناکارہ نے جو رسائل تالیف کئے ہیں، حکایات صحابہ، فضائل نماز وغیرہ نیز جو بھی اس ناکارہ کی تالیف ہے اردو کی ہو یا عربی کی نہ تو انکا حق تالیف کسی کے لئے محفوظ ہے نہ کسی کو ان کی رجسٹری کرنے کا حق ہے۔ بندہ کی جانب سے ہر شخص کو اجازت ہے جس کا دل چاہے طبع کرالے بشرطیکہ مضامین میں تصرف نہ کرے البتہ یہ درخواست ضرور ہے کہ تصحیح کا حتی الوسع اہتمام کرے ☆ زکریا کاندھلوی، مظاہر علوم سہانپور ۲۸ رجب ۱۳۶۵ ہجری ﴾

زکریا صاحب کے اس بیان کی وضاحت کرتے ہوئے محمد شاہد سہارنپوری لکھتے ہیں کہ:

﴿ مضامین میں تصرف کرنے کی کسی کو بھی اجازت نہیں بلکہ وہی عبارت، وہی طرز اور اسلوب باقی رکھا جائے جو مصنف کا اختیار کردہ ہے ☆ کتب فضائل پر اشکالات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۵۱ ﴾

پس معلوم ہوا کہ زکریا صاحب کے تحریر کردہ رسائل خواہ تبلیغی نصاب کی شکل میں ہوں یا فضائل اعمال کی صورت میں ہوں کسی بھی

قسم کی قطع برید کے بغیر آج بھی جوں کے توں تبلیغی جماعت کے مبلغین کو بحیثیت نصاب پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں۔

بانی تبلیغی جماعت کی دماغی کیفیت اور اسکا غیر فطری علاج

مولانا الیاس صاحب کی سوانح حیات رقم فرماتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ آپ (مولانا الیاس صاحب) ابتدا سے نحیف ولاغر تھے اسی گنگوہ کے قیام کے میں آپ کی صحت خراب ہوگئی، دردسر کا ایک خاص قسم کا دورہ پڑا جسکی وجہ سے سر کا بھی جھکا نا حتیٰ کہ تکیہ پر سجدہ کرنا بھی ناممکن تھا، مولانا گنگوہی کے صاحبزادے حکیم مسعود احمد صاحب معالج تھے، اور انکا خصوصی طرز یہ تھا کہ بعض امراض میں بہت دنوں تک پانی چھڑا دیتے، بہت کم لوگ اس پرہیز کو برداشت کر سکتے اور زیادہ مدت کیلئے پانی چھوڑ سکتے تھے مگر مولانا نے اپنے مخصوص مزاج یعنی اصول کی پابندی اور اطاعت کے مطابق معالج کی پوری اطاعت کی اور اپنی خداداد قوت ارادی اور عزیمت سے جوان کی پوری زندگی میں جلوہ گر رہی ہے پانی سے پورا پرہیز کیا اور سات برس کامل پانی نہیں پیا، اسکے بعد بھی پانچ برس تک برائے نام پانی پیا ☆ مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ص ۵۵ ﴾

اس واقعہ کے بارے میں سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ یہ بات میں نے خود مولانا کی زبان سے سنی ہے اور شیخ الحدیث اور ان کے خاندان کے تمام بزرگوں سے با تواتر سننے میں آیا ہے اسکے بعد اس بیماری اور مولانا الیاس صاحب کی زندگی پر اس بیماری کے جو اثرات مرتب ہوئے اس کے بارے میں ابوالحسن علی ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ اس شدید علالت اور خاص طور پر دماغی کمزوری کیوجہ سے سلسلہ تعلیم منقطع ہوگیا، اس کے دوبارہ جاری ہونے کی امید نہیں تھی لیکن مولانا کو تعلیم کے نامکمل رہ جانے کا بڑا غم تھا اور اسکی بے کلی رہتی تھی، آپ کا پڑھنے کے لئے اصرار تھا اور ہمدروں کا مشورہ تھا کہ مسلسل آرام کریں ☆ مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ص ۵۶ ﴾

بہر کیف مولانا الیاس صاحب نے اپنے ہمدردوں کے مشورہ کے برخلاف مولانا گنگوہی صاحب کے پاس تعلیم وتربیت کے سلسلے کا ایک بار پھر سے آغاز کر دیا لیکن مولانا الیاس صاحب کی اس دماغی بیماری اور اسکے غیر فطری طریقہ علاج کے جو اثرات اسکے بعد ظاہر ہوئے اور مولانا گنگوہی صاحب نے اپنے صاحبزادے کے نیم حکیم ہونے پر جس طرح پردہ ڈالا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ابوالحسن علی میاں ندوی لکھتے ہیں کہ:

﴿ مولانا الیاس صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا حضرت گنگوہی سے کہا تو حضرت تھرا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے یہی شکایت حاجی صاحب سے فرمائی تھی تو حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے فرمایا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا ☆ مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ص ۵۵ ﴾

مولانا الیاس اور حضرت جی کو علم کہاں سے حاصل ہوا؟

مولانا محمد منظور نعمانی مولانا الیاس صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی تو محسوس ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم عطاء ہوا ہے جو مدرسہ اور کتب خانہ کا علم نہیں ہے اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریروں میں بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہی علم ان کو بھی عطاء ہوا ہے اور قوت بیان مزید برآں ہے ☆ تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۳۱ ﴾

اب جو علم مدرسہ اور کتب خانہ میں نہیں ہو وہ علم یقیناً وحی کے ذریعہ ہی حاصل ہوا ہوگا کیونکہ اسکی کوئی وضاحت مؤلف نے نہیں کی ہے کہ مولانا الیاس صاحب کو وہ علم کہاں سے حاصل ہوا تھا البتہ مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے بارے میں مؤلف نے کچھ صراحت کی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ مولانا الیاس صاحب کے انتقال کے بعد اگلے دن صبح کو جب مولانا محمد یوسف صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کے مطابق تقریر شروع فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ تو مولانا محمد یوسف کی زبان سے حضرت (مولانا الیاس) بول رہے ہیں اس وقت حضرت شیخ مدظلہ کی وہ بات یاد آئی کہ (جانے والے کی نسبت دفعۃً کسی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے) اور اس تقریر کے ختم ہونے سے پہلے یہ یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ نے جو کچھ فرمایا تھا یہ اسکا ظہور ہے اور اللہ تعالیٰ نے وہ دولت مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف منتقل فرمادی ہے، انتقال نسبت کا لفظ سنا بھی تھا اور کتابوں میں پڑھا بھی تھا لیکن اسکا مشاہدہ اس دن پہلی دفعہ ہوا ☆ تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۲۵ ﴾

حضرت جی کی علمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے منظور نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ ان کی قابل ذکر تصنیف حیاۃ الصحابہ ہے مگر ان کی اصل علمیت ان کی تقاریر ہی میں ہے کیونکہ بیان کے دوران ان پر علوم بذریعہ وحی نازل ہوتے تھے نعمانی صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ فقیر کے نزدیک حضرت جی کے وہبی علوم خاصہ حضرت جی کے بیانات وملفوظات ہی میں بکھرے ہوئے ہیں جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت جی گھنٹوں مسلسل بیان کرتے رہتے تھے بندہ نے خود ایک دن میں حضرت کے پانچ بیان سنے ہیں جن میں ایک ساڑھے پانچ گھنٹے کا تھا، یہاں علوم اندر سے پھوٹ کر نکلتے تھے، صاف محسوس ہوتا تھا کہ آپ نہیں کہہ رہے کہلوایا جارہا ہے، علوم الٰہیہ کا فیضان موسلا دھار بارش کی طرح حضرت کے قلب پر ہوتا رہتا تھا اور فقیر کا گمان غالب یہ ہے کہ ذکر دائم کی طرح حضرت کا یہ حال بن چکا تھا کہ ہر وقت و ہر حال میں سوتے جاگتے، بیٹھتے اٹھتے علوم کا القا جاری رہتا تھا، ملاء اعلیٰ کی توجہات خاصہ کا مرکز آپ کی ذات بن چکی تھی اور معارف ربانیہ

،دقائق احسانیہ اور سب سے بڑھ کر حقائق نظام تشریعی کا ورد و فیضان ہوتا رہتا تھا ☆ تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ٦٤ ﴾

حضرت جی کی موت کا سبب تجلیات الٰہیہ کا ظہور تھا

مولانا محمد منظور نعمانی نے مولانا زکریا صاحب جو حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کے چچازاد بھائی اور خسر تھے کے حوالے سے حضرت جی کی ناگہاں موت کے بعد ایک مکتوب کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

﴿ چچا جان (مولانا الیاس صاحب) کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس (مولانا محمد یوسف صاحب) نے کی جس کے متعلق اس ناکارہ (مولانا زکریا صاحب) اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہ کی نسبت خاصہ منتقل ہوئی ہے اور ہر بات میں اسکا خوب مشاہدہ ہوتا، اسکے بعد اسکی ترقیات کو دیکھتا رہا، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے بھی اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا اسکے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد اسکی گفتگو اور تقاریر میں انوار اور تجلیات کا ظہور پیدا ہوا ☆ تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف ص ٣٦ ﴾

زکریا صاحب کے اس مکتوب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحب ہر علمی شخصیت کی موت کے بعد اس شخص کی علمیت کو اپنے اندر ہضم کرتے جارہے تھے غالباً اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا تو ایک دن حضرت جی شاید پیغمبر ہونے کا بھی دعویٰ کر دیتے لیکن افسوس کہ ان کی موت کے باعث تبلیغی جماعت ایسی ہمہ جہت شخصیت سے محروم ہوگئی بہرکیف ان کی موت کا سبب اسی مکتوب میں آگے چل کر زکریا صاحب خود حضرت جی کی زبانی بذریعہ ایک خواب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت جی نے فرمایا کہ:

﴿ کچھ دنوں سے جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو مجھ پر تجلیات الٰہیہ کا خاص ظہور ہوتا تھا، اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان کا اتنا زیادہ ظہور ہوا کہ میرا قلب ان کا تحمل نہ کر سکا اور دورہ پڑ گیا اسکے بعد ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا اور اسکے ساتھ ہی میری روح نکل گئی بس اتنی سی بات ہوئی فقط ☆ تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف ص ٣٧ ﴾

زکریا صاحب کے اسی مکتوب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جی اپنی ذاتی حیثیت میں کوئی علمی شخصیت نہیں تھے اور جو کچھ بھی وہ تھے اس میں ان کی ذاتی حیثیت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا بلکہ زکریا صاحب نے اپنے اسی مکتوب میں یہاں تک لکھا ہے کہ پیدائش کے بعد سے اپنے والد مولانا الیاس صاحب کی وفات تک حضرت جی کی سوانح حیات میں کوئی قابل ذکر بات ہی نہیں ہے ایسی صورت میں وہ جماعت جس کے مقتداء و رہنما جس کے ہاتھ پر تبلیغی جماعت کے لوگ غائبانہ طور پر آج بھی بیعت کرتے ہیں کی علمیت کا یہ حال ہے تو اس جماعت سے کس خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔

تبلیغی جماعت اور توہین رسالت ﷺ

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

﴿ **من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة ولا یتمثل الشیطان بی ☆ رواہ البخاری حدیث ٦٩٩٣** ﴾

جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے جاگتے ہوئے ضرور دیکھے گا اور انسؓ سے روایت ہے

﴿ **قال قال النبی ﷺ من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتخیل بی☆ رواہ البخاری حدیث ٦٩٩٤** ﴾

جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل نہیں بنا سکتا ان احادیث سے ثابت ہے کہ شیطان رسول اللہ ﷺ کی شکل وصورت اختیار نہیں کرسکتا لہذا جس نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اس نے آپ ہی کو دیکھا، یہ واضح رہے کہ ان احادیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صورت شیطان نہیں بنا سکتا لیکن کسی دوسری صورت وشکل میں آکر اپنے بارے میں رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعوی کرسکتا ہے یعنی جو شخص رسول اللہ ﷺ وحقیقی صورت سے واقف نہیں ہے امام ترمذی کتاب الشمائل حدیث ۴۱۲ میں یہ حدیث لائے ہیں کہ:

﴿ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے ابن عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل نہیں بنا سکتا ابن عباسؓ نے فرمایا کیا تم اس شخص کی شکل میرے سامنے بیان کر سکتے ہو جسکو تم نے دیکھا ہے اس شخص نے ابن عباسؓ کے سامنے وہ صورت بتائی جو اس نے دیکھی تھی تو ابن عباسؓ نے فرمایا واقعی تم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے ﴾

ابن عباسؓ کا اس شخص سے یہ سوال کرنا جس کو تم نے خواب میں دیکھا ہے اسکی شکل وصورت مجھے بتاؤ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ خواب میں آنے والا ہر وہ شخص جو محمد ﷺ ہونے کا دعوی کرے وہ محمد ﷺ نہیں ہوسکتا بلکہ اس کی تحقیق ہونی چاہئیے اگر رسول اللہ ﷺ کی شکل وصورت کے ساتھ اسکی مطابقت ہو تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کسی جن کو دیکھا ہے جس نے اسکو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے اس مسئلہ کو سمجھ لینے سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں اور شیطان و دجالوں کے دھوکے وفریب سے نجات مل سکتی ہے ان صوفیوں نے جو خوابوں پر اپنی دکان چمکا رکھی ہے اور عوام الناس کو شرک و بدعت میں مبتلا کر رکھا ہے اس سے نجات پانے کے لئے خواب کے اس مسئلہ کو ذہن نشین کر لینا چاہئیے اس مسئلے میں بہت لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے خاصکر جماعت تبلیغ کے شیوخ واکابرین کو اس غلط فہمی ودھوکہ دہی میں وافر حصہ ملا ہے اسی سبب زکریا صاحب تبلیغی نصاب میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطاء نہیں فرمائی کہ وہ خواب میں آکر کسی طرح اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ ہونا ظاہر کرے مثلاً یہ کہے کہ میں نبی ہوں یا خواب دیکھنے والا شیطان کو نعوذ باللہ نبی

کریم ﷺ سمجھ بیٹھے ☆ فضائل درود شریف ص ۵۷ ﴾

اسکے بعد اپنے اس غلط نظریہ کی تشریح کرتے ہوئے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ جس نے حضرت ﷺ کو اچھی صورت میں دیکھا بسبب کمال دین اپنے کے دیکھا اور جس نے برخلاف دیکھا بسبب نقصان اپنے دین کے دیکھا، اسطرح ایک نے بڈھا دیکھا ایک نے جوان دیکھا اور ایک نے راضی دیکھا اور ایک نے خفا دیکھا، یہ تمام مبنی ہے اوپر اختلاف حال دیکھنے والے کے، پس دیکھنا آنحضرت ﷺ کا گویا کسوٹی ہے معرفت احوال دیکھنے والے کے اور اس میں ضابطہ مفید ہے سالکوں کے لئے کہ اس سے احوال اپنے باطن کا معلوم کر کے علاج اسکا کریں ☆ فضائل درود شریف ص ۵۸ ﴾

گویا کہ نبی کریم ﷺ آئینہ ہیں جو شخص ان کو جس شکل میں دیکھتا ہے وہ شکل دیکھنے والے کی ہوتی ہے نبی کریم ﷺ کی نہیں ہوتی اسی نوعیت کا عقیدہ یہ صوفیہ اپنے پیر کی متعلق بھی رکھتے ہیں تفصیل کے لئے آئندہ صفحات میں چلہ کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے اس سے ثابت ہوا کہ ان صوفیوں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہی نہیں ہے لہذا درجہ بالا سطور میں نقل کی گئی ابن عباس ؓ کی روایت کی روشنی میں صوفیوں کا یہ دعویٰ قطعی غلط اور بے بنیاد ہے پس نبی کریم ﷺ کو اپنی اصلی صورت پر دیکھنا ہی صحیح رویت نبی کریم ﷺ پر دلیل ہے اور جو کوئی بھی نبی کریم ﷺ کو اپنی اصل صورت پر نہیں دیکھتا اسکا خواب جھوٹا ہے اور ایسے خواب کا بیان کرنا بھی جائز نہیں خاص طور جب کسی ایسی صورت میں دیکھا جائے جو محال یا خلاف واقعہ یا خلاف شریعت ہو اور ایسے کسی خواب کا بیان کرنا بھی توہین رسالت کے ذیل میں داخل ہے جیسا کہ زکریا صاحب کا نقل کیا ہوا یہ خواب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ حضرت شیخ علی متقیؒ نقل کرتے تھے کہ ایک فقیر نے فقراء مغرب سے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ اسکو شراب پینے کے لئے فرماتے ہیں ☆ فضائل درود شریف ص ۵۸ ﴾

مولوی زکریا صاحب مولف تبلیغی نصاب و فضائل اعمال کے مبشرات پر اقبال نامی شخص نے دو کتابیں لکھی ہیں ایک کتاب بنام بہجۃ القلوب میں خواب اور بشارتیں جمع کی ہیں ان بشارتوں و خوابوں میں یہ بھی ہے کہ:

﴿ رسول اللہ ﷺ زکریا صاحب کی زیارت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے ان خوابوں میں سے ایک میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شیخ زکریا صاحب کی مجلس میں دیکھے گئے داڑھی آپ کی سفید تھی آنکھوں پر چشمہ لگا رکھا تھا ☆ بہجۃ القلوب ص ۱۶ ﴾

اسی کتاب کے ص ۱۴ پر خواب مذکور ہے جس میں ہے کہ رائے پور شریف کی خانقاہ میں ایک ذاکر شاغل بزرگ مولانا خدا بخش صاحب مقیم تھے انھوں نے ایک روز خواب دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شیخ زکریا صاحب بیت اللہ کی تعمیر کر رہے ہیں انہوں نے خواب حضرت رائے پور قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا حضرت اقدس نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق فرمایا کہ اس کی تعبیر حضرت شیخ سے پوچھنا حضرت رائے پوری تشریف لے گئے تو یہ خواب بیان ہوا اور تعبیر پوچھی گئی حضرت شیخ نے فرمایا میں آج کل رسالہ فضائل حج تالیف کر رہا ہوں انشاء اللہ یہ رسالہ بیت اللہ کی تعمیر روحانی میں معین ہوگا چنانچہ ہزاروں خطوط اس نوع کے پہنچنے کہ اس رسالہ سے حج و

زیارت میں بہت لطف آیا غور کیجئے پہلی بشارت میں رسول اللہ ﷺ کو سفید داڑھی اور چشمہ کے ساتھ بتایا حالانکہ رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے تو آپ کی داڑھی کالی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے چشمہ کبھی نہیں پہنا پھر لطف کی بات یہ ہے کہ آپ حجرہ کے اندر تشریف فرماتھے اور حجرے میں بیٹھا ہوا انسان نظر کا چشمہ لگا تا ہے کوئی دوسرا نہیں اس ظالم صوفی نے رسول اللہ ﷺ کو بوڑھا بتایا اور آنکھوں کی کمزوری کا عیب آپ پر لگایا ان صوفیہ کو جو شیطان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی کوئی پرواہ نہیں ہے انھوں نے اپنی دکان چمکانا ہے دوسری بشارت کو لیجئے رسالہ فضائل حج جو بدعات وخرافات وشرکیات سے بھرا ہوا ہے اس کی تالیف کے وقت جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اس ظالم صوفی نے اپنے خواب میں منگوالیا حالانکہ جناب ابراہیم علیہ السلام شرک کی جڑ کاٹنے والے حنیف تھے نیز اگر فضائل حج کی یہی فضیلت ہے جو مذکورہ ہوئی ہے تو جماعت تبلیغ نے اس رسالے کو فضائل اعمال سے خارج کیوں کیا ہے اور کیوں یہ لوگ اب اس فضائل حج کی تلاوت عام مجالس میں کرنے کے بجائے صرف خاص مجالس میں ہی کرتے ہیں اس کا فضائل اعمال سے خارج کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رسالہ شرکیہ باتوں پر مشتمل ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی جماعت تبلیغ کے شیوخ واکابرین کا شیوہ رہا ہے، انورشاہ صاحب کشمیری نے (فیض الباری ج ۱ ص۲۰۳-۲۰۴) میں کسی شخص کے خواب کا ذکر کیا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے سر پر انگریزی ٹوپی دیکھی اس کی تعبیر مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب نے یہ کی ہے کہ آپ ﷺ کے دین پر نصاری کا دین غالب آجائیگا. کیا یہ شخص جس نے سر پر انگریزی ٹوپی لگا رکھی تھی رسول اللہ ﷺ تھے ایسا ہونا ہرگز ممکن نہیں ہے اس صوفی کے ساتھ جس نے یہ خواب دیکھا ہے شیطان نے اس کو بیوقوف بنایا ہے اس صوفی کے سامنے شیطان انگریزی ٹوپی لگا کر آیا اور اپنے آپ کو اس کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ ظاہر کیا اگر یہ صوفی جانتا کہ آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے کیا شرائط ہیں تو اس سے کبھی دھوکہ نہ کھاتا.

تبلیغی جماعت اور توہین صحابہ کرام

نبی کریم ﷺ کے انتقال کے وقت حسینؓ کی عمر چھ سال اور چند ماہ تھی انکے بارے میں زکریا صاحب نقل فرماتے ہیں:

﴿ چھ برس کا بچہ دین کی باتوں کو کیا محفوظ کرسکتا ہے لیکن امام حسینؓ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں اور محدثین نے اس جماعت میں ان کو شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں ☆ حکایات صحابہ گیارہواں باب حکایت نمبر۲۰ ﴾

اور امام حسنؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ صاحب تلقیح نے ان صحابہؓ میں ان کو ذکر فرمایا ہے جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں ﴾

جبکہ اسی مضمون میں آگے چل کر اپنے والد صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ میں نے اپنے والد نوراللہ مرقدہ سے بارہا سنا اور اپنے گھر کی بڑی بوڑھیوں سے بھی سنا ہے کہ میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کا جب دودھ چھڑایا گیا تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا ﴾

زکریا صاحب کی اس خودستائشی پر اعتراض کرتے ہوئے ایک صاحب نے زکریا صاحب کو لکھا کہ آپ نے اپنے والد صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھا دیا انھوں نے تو گہوارے میں چند باتیں کیں تھی لیکن آپ کے والد نے پاؤ پارہ حفظ کرلیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ میرے والد صاحب کے واقعہ کو حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر بڑھا دینے کا الزام میری عقل سے باہر ہے ہمارے اطراف میں تو عام طور سے بہت سے بچے بولنا شروع کر دیتے ہیں اور باتیں کرنے لگتے ہیں اگر ایسی حالت میں چند سورتیں اگر والدین نے یاد کرادی ہوں تو اس میں کیا محال لازم آ گیا کیا آپ نے کسی ایسے بچے کو کبھی نہیں دیکھا جو دودھ چھڑانے کے وقت باتیں کرنے لگا ہو ☆ کتب فضائل پر اشکالات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۵۱ ﴾

یہ صحیح ہے کہ اکثر بچے دودھ چھڑانے کے وقت تک باتیں کرنے لگتے ہیں مگر باتیں کرنا اور پاؤ پارہ حفظ کرلینا دو مختلف چیزیں ہیں خاص طور پر اس وقت جب آپ لکھ رہے ہیں کہ حسنؓ اور حسینؓ کو سات اور آٹھ سال کی عمر میں تیرہ حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں تھیں زکریا صاحب کو اپنے والد کے بارے میں اس طرح کی بات کرنا زیب نہیں دیتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ زکریا صاحب کے نزدیک صحابہ کرام کی توہین معمولی بات ہے اسکے ثبوت میں یہ حکایت ملاحظہ ہو زکریا صاحب کسی بزرگ مسلم خولانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ جب ان پر کچھ سستی ہوتی تو وہ کوڑے کو اپنی پنڈلیوں پر مارتے اور فرماتے تھے کہ یہ پنڈلیاں پٹنے کے لئے میرے گھوڑے کی نسبت زیادہ مستحق ہیں اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ صحابہ کرام یوں سمجھتے ہیں کہ جنت کے سارے درجے وہی اڑا کر لے جائیں گے، نہیں ہم ان سے ان درجوں میں اچھی طرح مزاحمت کریں گے تاکہ ان کی بھی معلوم ہو جائے کہ وہ بھی اپنے پیچھے مَردوں کو چھوڑ آئے ہیں ☆ فضائل صدقات ص ۴۳۱ ﴾

اسی طرح امیر المومنین عمر فاروقؓ کا یہ قول کہ ''جو شخص حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے قسم کھا کر کہہ دو کہ وہ نصرانی مرا یا یہودی مرا ہے'' خود نقل کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ:

﴿ ممکن ہے یہ عمرؓ کی اپنی تحقیق ہو ورنہ علماء کے نزدیک حج نہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا ☆ فضائل حج ص ۳۰ ﴾

گویا زکریا صاحب یہاں یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کسی کے کافر یا فاسق ہونے کا فتویٰ کسی نص صریح کے بغیر محض اپنی رائے ہی سے دے دیا کرتے تھے۔

تبلیغی نصاب اور تحریف قرآن

قرآن کے حفظ ہوجانے کو قرآن کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴾ حق تعالیٰ شانہ نے اسکے یاد ہو جانے کو سورہ القمر میں بطور احسان کے ذکر فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی ''**ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر**'' کہ ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کیلئے سہل کر رکھا ہے کوئی ہے حفظ کرنے والا ☆ فضائل قرآن ص ۶۲ ﴿

حالانکہ مفسرین میں سے کسی نے بھی کبھی اس آیت کا یہ ترجمہ نہیں کیا ہے لیکن جب تبلیغی جماعت کے لوگوں نے اور بعض دوسرے لوگوں نے بھی اس ترجمہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ کسی نے بھی اس آیت کا یہ ترجمہ نہیں کیا اور کہا کہ اگر اور مقامات کی طرح اس آیت کے ضمن میں حضرت تھانوی کا ترجمہ لکھ دیتے تو یہ غلطی سرزد نہ ہوتی تو زکریا صاحب نے اپنی اس غلطی سے رجوع کرنے کے بجائے فرمایا کہ:

﴾ اگر تھانوی نوراللہ مرقدہ نے ایک تفسیر اختیار فرمائی ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسکے علاوہ تمام تفاسیر غلط ہو جائیں گی۔ اگر آپ جلالین دیکھ لیتے تو شاید اتنا تشدد باقی نہ رہتا ☆ کتب فضائل پر اشکالات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۲۱۷ ﴿

چنانچہ زکریا صاحب کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ جلالین نے اس آیت کی تفسیر میں کیا لکھا ہے جلالین کی تفسیر کی اصل الفاظ یہ ہیں:

﴾ **سھلنا للحفظ و ھیأناه للتذکر، متعظ به و حافظ له والا ستفھام بمعنی الأمر، أي احفظوه و اتعظوا به ولیس یحفظ من کتب اللّٰه عن ظھرالقلب غیره**

یعنی'' آسان کر دیا ہم نے اسکو یاد کرنے اور یاد دہانی کے لئے، اسکے ذریعہ سے نصیحت حاصل کرنے اور اسکی محافظت کرنے پر یہاں استفہام حکم کے معنی میں ہے، کوئی بھی اسکو یاد کر سکتا ہے اور اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور قرآن کے علاوہ کتب سماویہ میں سے کوئی کتاب نہیں جو اس طرح پوری دل پر نقش ہو جاتی ہو'' اب پوری اس عبارت میں کہاں ہے ایسی کوئی بات جس کا ترجمہ یہ ہو سکے کہ'' ہم نے اس قرآن کو حفظ کرنے کیلئے آسان کر دیا پس ہے کوئی حفظ کرنے والا ''اس آیت کا یہ ترجمہ کرنے کے بعد زکریا صاحب نے جو تحریر فرمایا وہ بھی قابل غور ہے تبلیغی نصاب میں آپ فرماتے ہیں کہ:

﴾ صاحب جلالین نے لکھا ہے کہ استفہام اس آیت میں امر کے معنی میں تو جس چیز کو حق تعالیٰ شانہ بار بار تاکید سے فرما رہے ہوں اسکو ہم مسلمان لغو اور حماقت اور بے کار اضاعت وقت سے تعبیر کرتے ہوں اس حماقت کے بعد پھر بھی ہماری تباہی کے لئے کسی اور چیز کے انتظار کی ضرورت باقی ہے ☆ فضائل قرآن ص ۶۲ ﴿

مولانا زکریا صاحب کے اس بیان پر اعتراض کرتے ہوئے ایک صاحب نے اپنے مکتوب میں زکریا صاحب کو لکھا کہ:

﴾ حفظ قرآن کہاں ہر ایک کے لئے فرض و واجب ہے ﴿

اسکا جواب دیتے ہوئے زکریا صاحب نے فرمایا کہ:

﴾ میرے کلام میں ہر شخص کے لئے فرض و واجب کہیں نہیں ہے ☆ کتب فضائل پر اشکالات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۲۱۸ ﴿

حالانکہ اعتراض کرنے والے کا اعتراض بالکل درست ہے کیونکہ جب زکریا صاحب اس آیت کا یہ ترجمہ کررہے ہیں کہ ''ہم نے اس قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کردیا پس ہے کوئی حفظ کرنے والا'' اور اسکے بعد جلالین سے یہ بات نقل فرماتے ہیں کہ ''یہاں استفہام حکم کے معنی میں ہے'' تو اس کا مطلب یقیناً یہی ہوا کہ قرآن کا حفظ کرنا ہر ایک پر فرض ہے کیونکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے جبکہ حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ اس آیت کا یہ ترجمہ غلط اور قرآن کی معنوی تحریف میں داخل ہے اس آیت میں ہے کہ ''**ولقد یسرنا القرآن للذکر**'' یعنی ہم نے قرآن کو آسان کردیا ذکر کے لئے جس کا معنی ''حفظ'' کرنا غلط ہے اور تحریف فی القرآن ہے اسکے بعد الفاظ آئے ''**فھل من مدکر**'' اور ''مدکر'' کا اصل ہے ''متذکر'' جس کے معنی ہیں ''نصیحت حاصل کرنے والا'' اس لحاظ سے اس پوری آیت میں لفظ ''حفظ'' کا کوئی تذکرہ ہے ہی نہیں پس اس آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ وہی ہے جو دیگر تمام مفسرین نے کیا ہے کہ ''ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا ہے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا'' دراصل قرآن کی اس آیت کا یہ غلط ترجمہ کرنے کا تکلف اور باوجود لوگوں کی سرزنش کے اپنے کئے ہوئے اس ترجمہ پر اٹل رہنے کی ضرورت زکریا صاحب کو اس لئے محسوس ہوئی تا کہ کوئی شخص قرآن کو سمجھنے کے لئے زکریا صاحب کے بیان کردہ پندرہ علوم پر اعتراض کرتے ہوئے قرآن کی اس آیت کو دلیل کے طور پر نہ پیش کردے اور تبلیغی جماعت کے اکابرین جوامت کو محض قرآن رٹنے رٹانے پر لگا کر قرآن کے علوم سے ناواقف رکھنا چاہتے ہیں اپنے اس مقصد میں ناکام ہوجائیں کیونکہ تبلیغی جماعت کی کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ علم ہے جیسا کہ مولانا الیاس اپنے ایک مکتوب میں اس رکاوٹ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

﴿ جو سچی اور واقعی بات بلا جہد محض تقریر اور تحریر سے پیدا ہوئی ہو وہ محض زعم کا پیدا کرنے والا مضمون اور حقیقت کا حجاب ہے جس کو بزرگوں نے '' العلم الحجاب الاکبر '' لکھا ہے راہ مولیٰ میں ایک سدِ سکندری ہے ☆ مکاتیب مولانا الیاس صاحب ص ۱۵ ﴾

پس معلوم ہوا کہ اس مذکوہ آیت کا یہ غلط ترجمہ محض اتفاق یا زکریا صاحب کا سہو نہیں بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے مزید برآں تبلیغی نصاب میں صوفیت کو ثابت کرنے کے لئے بھی مؤلف نے تحریف قرآن کا سہارا لیا ہے قرآن کی آیت کہ:

﴿ **یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین** ☆ **سورہ التوبۃ** ﴾

یعنی '' اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ '' اس آیت کی تفسیر میں زکریا صاحب نے لکھا ہے کہ:

﴿ سچوں سے مراد اس جگہ مشائخ صوفیا ہیں، جب کوئی شخص ان کی چوکھٹ کے خدام میں داخل ہوتا تو ان کی تربیت اور قوت ولایت کی بدولت بڑے بڑے مراتب تک ترقی کرجاتا ہے ☆ فضائل تبلیغ ص ۳۴ ﴾

حالانکہ یہ آیت غزوہ تبوک میں رہ جانے والے صحابہ کرام کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انھوں نے غزوہ سے پیچھے رہ جانے کے سلسلے میں کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا بلکہ سچ بول کر اپنے آپ کو ایک بہت بڑے امتحان میں ڈال لیا تھا اس پر اللہ نے انکو بطور مثال تمام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور یہ آیت نازل کی لیکن اس آیت کو صوفیہ کے حق میں بتا کر صاحب فضائل اعمال نے صحابہ کو بھی صوفی بنا دیا العیاذ باللہ!

تبلیغی نصاب اور موضوع احادیث

''موضوع'' احادیث کی وہ قسم ہے جس کا نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہونا قطعی ثابت نہ ہو اور جو جھوٹ اللہ کے رسول ﷺ کی جانب منسوب کیا جائے وہ دراصل اللہ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن وحدیث میں سخت وعید ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا لیضل الناس بغیر علم ☆ الانعام ١٤٤ ﴾

یعنی'' اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کو گمراہ کرے'' اور یہی بات جب حدیث میں آئی تو ارشاد نبوی ﷺ ہوا:

﴿ من حدث عنی حدیثاً وھو یری انہ کذب فھو احد الکاذبین☆رواہ مسلم ﴾

یعنی جس نے میری جانب سے کوئی حدیث بیان کی اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے اب جو لوگ فضائل کے ضمن میں ضعیف احادیث کے بیان کرنے کے قائل ہیں اور ضعیف احادیث کی آڑ میں موضوع احادیث بھی بیان کرنے سے نہیں چوکتے ان پر نبی کریم ﷺ کی یہ وعید صادق آتی ہے لیکن اس وعید وتنبیہ کے باوجود بہ کثرت احادیث گھڑی گئیں اور علماء کرام کے نشان دہی کردینے کے باوجود آج تک ان احادیث کو سنا اور سنایا جارہا ہے ان ہی میں سے بہت سی احادیث تبلیغی جماعت کے نصاب میں بھی شامل ہیں جن میں سے چند موضوع احادیث کی نشان دہی اس کتاب میں مختلف مقامات پر ہم نے کی ہے اس امید پر کہ شاید تبلیغی جماعت کے اکابرین کی توجہ کبھی اس جانب مبذول ہو اور اللہ انھیں توفیق دے تو وہ دیگر فضولیات کے ساتھ ساتھ ان موضوع احادیث کو بھی اپنے نصاب سے خارج کردیں۔

تبلیغی نصاب اور ضعیف احادیث

فن حدیث کے علماء نے ضعیف حدیث کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ ''ہر وہ حدیث ضعیف ہے جس میں نہ حدیث صحیح کی صفات پائی جاتی ہوں اور نہ حدیث حسن کی'' یعنی ضعیف حدیث وہ ہے جس کی صحت مشکوک ہو ایسی حدیث سے نہ کوئی شرعی حکم ثابت ہوتا ہے اور نہ وہ دین میں حجت ہے مگر علماء کا ایک گروہ فضیلت کے باب میں ضعیف احادیث کو نقل کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا ان کے نزدیک ایسی احادیث ترغیب کے لئے مفید ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ قبول حدیث کے معاملہ میں اس بے احتیاطی نے دین وملت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔

فضائل اعمال کا بھی دین میں ایک مقام ہے اسلئے ضروری ہے کہ دین میں جس چیز کا جو مقام ہے اسکو اسی مقام پر رکھا جائے پھر ایسی احادیث کو عوام الناس کے سامنے پیش کرکے یہ تاثر دینا کہ یہ ارشادات رسول ﷺ ہیں لوگوں کی نظر میں دین کو مشتبہ بنادینے کا باعث ہے پس حقیقت یہ ہے کہ ضعیف اور موضوع احادیث کے چلن نے دین کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے قرآن میں تاکید ہے عمل صالح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی پر جبکہ اسکے برعکس فضائل اعمال کی غلو آمیز اور غیر مستند روایات ایک معمولی سی نیکی پر جنت کا پروانہ ہاتھ میں تھما دیتی ہیں تبلیغی نصاب میں بھی ایسی ہی ضعیف احادیث کی بھرمار ہے مگر چونکہ تبلیغی جماعت کے اکابرین وہی رٹا رٹایا جملہ

کہ ”فضائل اعمال میں ضعیف احادیث قابل قبول ہیں“ بول کر اپنی جان چھڑالیں گے اسلئے اس قسم کی احادیث کی نشان دہی یہاں کرنا بھی فضول ہے۔

تبلیغی جماعت کالائحہ عمل عیسائیت سے مستعار ہے

دین اسلام دراصل عقائد، شرعی احکامات اور اخلاق حسنہ سے عبارت ہے جبکہ تبلیغی جماعت اور اسکے نصاب میں ان میں سے کوئی بھی شے داخل نہیں ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جسکی تبلیغ یہ جماعت کرنا چاہتی؟ اسکا جواب ہے فضائل! جسکی تبلیغ کیلئے اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں کوئی جماعتی مثال نہیں البتہ نصاریٰ میں اسکی مثال موجود ہے کیونکہ انکے پاس نہ عقائد ہیں اور نہ شرعی احکامات صرف فضائل موجود ہیں جسکی تبلیغ وہ کرتے ہیں اور تبلیغی جماعت کا لائحہ عمل اسی سے متاثر ہو کر ترتیب دیا گیا ہے اسکا ثبوت تبلیغی نصاب کی یہ عبارت ہے جس میں زکریا صاحب تبلیغی جماعت کے قیام کی ضرورت کو واضح کرتے ہوئے فرمارہے ہیں:

﴿ نصاریٰ کی مستقل جماعتیں دنیا میں تبلیغ کے لئے مخصوص ہیں اور اسی طرح دوسری اقوام میں اسکے مخصوص کارکن موجود ہیں لیکن کیا مسلمانوں میں بھی کوئی جماعت ایسی ہے؟ اسکا جواب نفی میں نہیں تو اثبات میں بھی مشکل ہے ☆ فضائل تبلیغ فصل اول ص ۷ ﴾

کیا تبلیغی جماعت کے اکابرین بتا سکتے ہیں کہ تبلیغ دین کے لئے اسطرح کی مخصوص کارکنان والی جماعت تبلیغی جماعت سے قبل کس زمانے میں موجود تھی اور اگر تھی تو کب اور کیسے ختم ہوئی جو آپ کو تبلیغی جماعت کے قیام کی ضرورت پڑی اور اگر ایسی کوئی جماعت صحابہ کرام میں موجود تھی تو اس کا ذکر تبلیغی نصاب میں کیوں نہیں ہے کیونکہ احادیث میں صحابہ کرام کا جو طریقہ ملتا ہے وہ یہی تھا کہ وہ انفرادی طور پر جو بات بھی نبی کریم ﷺ سے ان تک پہنچتی تھی اسے اپنے کنبہ، قبیلہ اور اہل خانہ تک پہنچادیا کرتے تھے مگر زکریا صاحب اس طریقہ کو ناکافی سمجھتے ہوئے اسکے رد میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اس امت کے لئے تمغہ امتیاز ہونے مطلب یہ ہے کہ اسکا مخصوص اہتمام کیا جائے ورنہ کہیں چلتے پھرتے تبلیغ کر دینا اس میں کافی نہیں ☆ فضائل تبلیغ فصل اول ص ۸ ﴾

یعنی زکریا صاحب یہ کہنا چاہتے کہ صرف اپنے اہل خانہ، احباب اور جاننے والوں تک دین کی بات پہنچانا کافی نہیں بلکہ اسکے لئے باقاعدہ جماعتی نظم کے ساتھ خروج کر کے شہر شہر، گاؤں گاؤں اور گھر گھر دین کی بات پہنچانی ہوگی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ کام ہر شخص نے کرنا ہے تو پھر علماء کا کام کیا ہے کیا صحیح دین کو عوام الناس تک پہنچانے کا کام علماء کا نہیں ہے اس کے متعلق زکریا صاحب نقل فرماتے ہیں کہ:

﴿ علماء کا وجود فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اس کے لئے موجود ہے تو یہ فرض سب سے ساقط ہے ورنہ تمام دنیا گنہگار ہے ☆ فضائل تبلیغ فصل سادس ص ۳۰ ﴾

عام مشاہدے کی بات ہے کہ تبلیغی جماعت کے اراکین ہر نماز کے بعد لوگوں کو گھیر کر بیٹھ جاتے ہیں اور تبلیغی نصاب کی تلاوت

شروع کر دیتے ہیں خواہ اسی مسجد میں کوئی عالم قرآن وحدیث کا درس بھی دے رہا ہو مگر یہ لوگ اپنی علیحدہ جماعت بنا کر لوگوں کو تبلیغی نصاب سننا شروع کر دیتے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے چلے کی حقیقت

تبلیغی جماعت جو چلہ لگاتی ہے اسکی اصل کیا ہے اسکا بیان کرتے ہوئے زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ چالیس دن کی خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ حالات کے تغیر میں چالیس دن کو خاص دخل ہے چنانچہ آدمی کی پیدائش کی ترتیب جس حدیث میں آئی ہے اس میں بھی چالیس دن تک نطفہ رہنا پھر گوشت کا ٹکڑا چالیس دن تک، اسی طرح چالیس چالیس دن میں اس تغیر کا ذکر فرمایا ہے اسی وجہ سے صوفیأ کے یہاں چلہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے ☆ فضائل نماز ص ۴۹ ﴾

لیکن ہمارے خیال میں حالت بدلنے کے لئے سہ روزہ ہی بہت کافی ہے صوفیأ خواہ مخواہ ہی اس چلہ کا تکلف کرتے ہیں ورنہ امام شافعیؒ کا تو یہ کہنا ہے کہ:

﴿ **التصوف مبنی علی الکسل ولو تصوف رجل اول النہار لم یات الظہر الاوھو احمق** ☆ **صفتہ الصفوہ** ﴾

یعنی اگر کوئی شخص اول دن میں صوفیت اختیار کرے تو ظہر آنے سے قبل وہ عقل کھو کر احمق ہو چکا ہوگا بہر کیف چلہ کی کیا حقیقت ہے اسکو سمجھانے کے لئے ہم ایک واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جس سے چلہ کی حقیقت کھل کر قارئین کے سامنے آجائے گی اشرف علی تھانوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ ایک بزرگ کی خدمت میں ان کے ایک معتقد حاضر ہوئے بس مل کر مرجھا ہی گئے بزرگ نے پوچھا کیا بات ہے، عرض کیا یہاں آ کر ایک عجیب بات دیکھی کہ آپ کی سؤر کی سی شکل نظر آتی ہے ان بزرگ نے فرمایا تم ایک چلہ لگاؤ، پھر جب آئے تو کتے کی سی شکل نظر آئی، کہا ایک چلہ اور لگا کر آؤ، پھر جب چلہ لگا کر آئے تو اپنے پیر کی شکل بلی کی سی نظر آئی اسکے بعد جب ایک چلہ اور لگایا تو اپنے پیر کی شکل انسان کی سی نظر آئی، اس شخص نے دریافت کیا تو بزرگ نے فرمایا کہ یہ خرابی تمہارے اپنے اندر تھی میں تو آئینہ ہوں جیسی تمہاری حالت تھی ویسی ہی تمہیں میرے اندر نظر آئی ☆ مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ ص ۲۹۹ ﴾

اس حکایت سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اولاً تبلیغی جماعت کے لوگ اس لئے چلہ لگاتے پھرتے ہیں کہ ان کی شکل انسانوں والی ہو جائے ثانیاً معلوم ہوا کہ انسان کو انسان کی شکل میں آنے کے لئے کم از کم تین چلوں کی ضرورت ہوتی ہے ثالثاً جو لوگ چلہ نہیں کھینچتے تبلیغی جماعت کے لوگوں کے نزدیک وہ لوگ کتے اور خنزیر جیسے ہیں اسی لئے یہ لوگ اپنے علاوہ کسی دوسرے کی کسی بات کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے ہیں اور اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ تبلیغی جماعت کے ان چلوں کا اصل مقصد اپنی جماعت کے لوگوں کو علم سے دور کرنا ہے کیونکہ علم قرآن وحدیث اور صوفیت ورہبانیت میں باپ مارے کا بیر ہے اسکے ثبوت میں دلیل کے طور پر یہ حکایت ملاحظہ

فرمائیے جوملفوظات نظام الدین اولیا سے لی گئی ہے اورڈاکٹر مسعودالدین عثمانی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ ایک پیر تھا جس کا بیٹا محمد صاحب علم اور مرد اہل تھا جب اس نے چاہا کہ میں عالم طریقت میں آؤں تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی درویش بنوں اسکے باپ نے کہا کہ پہلے تو ایک چلہ کر، اس نے کہا بہت اچھا اور باپ کے فرماتے ہی چلہ پر چل دیا جب وہ تمام ہوا تو باپ کی خدمت میں آیا، باپ نے اس سے چند مسائل پوچھے اس نے ان سب کا جواب دیا، باپ نے کہا ایک چلہ اور کرو یہ چلہ تمہارے لئے سود مند نہیں ہوا، اس نے ایک چلہ اور کیا پھر باپ کی خدمت میں حاضر ہوا، باپ نے اس سے پھر چند سوالات کئے اس نے ان میں سے کچھ کا جواب دیا ، باپ نے کہا بیٹا ایک چلہ اور کرو چناچہ اس نے ایک چلہ اور کیا اور پھر باپ کی خدمت میں حاضر ہوا، باپ نے ایک مرتبہ پھر اس سے چند مسائل دریافت کئے مگر وہ لڑ کا حق میں ایسا مشغول ہو گیا تھا کہ کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکا ☆ ایمان خالص قسط اول ص۱۱۰ ﴾

پس معلوم ہوا کہ ان چلوں کا اصل مقصد لوگوں کو صوفیت میں غرق کرنا اور علم سے بیزاری پیدا کرنا ہے جولوگ ان چلوں سے گذر چکے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان چلوں کے دوران چلہ کرنے والوں کے کیا معمولات ہوتے ہیں، صبح سویرے مشورہ منعقد ہوتا ہے ،صبح شام تبلیغی نصاب کی تلاوت ہوتی ہے،گشت ہوتا ہے، قرآن کی چند سورتیں یاد کرائی جاتی ہیں، وضو اور غسل کے سنن ،فرائض اور واجبات بیان کیے جاتے ہیں اور چند دعائیں وغیرہ یاد کرائی جاتی ہیں لیکن نہ قرآن کی تفسیر پڑھائی جاتی ہے اور نہ باقاعدہ حدیث کا درس ہوتا ہے پس چلہ کی ایک طویل مدت کو یونہی ضائع کر دیا جاتا ہے۔

چلوں کا مقصد تبلیغ دین نہیں ہے

تبلیغی جماعت میں جب کوئی شخص شامل ہوتا ہے تو یہ یہی سمجھ کر شامل ہوتا ہے کہ وہ تبلیغ دین کے لئے اس جماعت میں شامل ہو رہا ہے اور اسکا خروج اور چلہ تبلیغ دین کے لئے ہوگا جس سے معاشرے کی اصلاح ہوگی اور اسکا ثواب مجھے حاصل ہوگا لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین نے اس خروج کے اہداف و مقاصد کچھ اور ہی مقرر کئے ہیں تبلیغی نصاب کے آخر میں شامل ضمیمہ میں احتشام الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ یہ کام حق تعالیٰ کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء کرام کی نیابت کا کام ہے، کام جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر آداب کو چاہتا ہے، اس کام سے مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں بلکہ خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار اور حکم خداوندی کی بجا آوری اور حق تعالیٰ شانہ کی رضا جوئی ہے ☆ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج ص۲۳ ﴾

یعنی احتشام صاحب اس کام کو جو اپنی اصلاح کی غرض سے کیا جا رہا ہے اسے انبیاء کی نیابت کا کام بتا رہے ہیں اور یہی بات ان مبلغین سے بھی سننے میں آتی ہے جو تبلیغ کی غرض سے اکثر سہ روزہ یا چلے پر آئے ہوئے ہوتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہاری تعلیم

کتنی ہے جو تم تبلیغ دین کے لئے نکل پڑے ہو تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنی اصلاح کے لئے نکلے ہیں ہمارا مقصد تبلیغ نہیں ہے مزید برآں ابتداء میں تبلیغی جماعت کے اکابرین بھی اس جماعت کو تبلیغی جماعت کہنے کے خلاف تھے اور انکا بھی کہنا یہی تھا کہ اس جماعت کا مقصد تبلیغ نہیں بلکہ اپنی اصلاح ہے جیسا کہ مولانا الیاس صاحب اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ نکلنے کے زمانے میں نکلنے والوں کو جن میں گئے ہیں انکی ہدایت سے بالکل نظر بند کر لینی چاہیے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو اپنے سے وابستہ کر رکھا ہے تاکہ کوشش میں پڑنے والا اس خواہ مخواہ کے ارادہ میں پڑ کر اپنی کوشش کو رائیگاں نہ کر لے ☆ مکاتیب مولانا الیاس ص ۱۹ ﴾

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی اصلاح ہے جو اس جماعت کے لوگ اپنی کرنا چاہتے ہیں اور پندرہ بیس سال بھی اس جماعت میں چلتے ہوئے گذر جانے کے بعد بھی وہ مطلوب اصلاح ہنوز باقی رہتی ہے؟ اسکا جواب ہے رہبانیت کا مزاج اور صوفیت کے طور طریقے اور یہی ایسی چیز ہے جس کے لیے سخت محنت کی ضرورت پڑتی ہے جبکہ دین کو حاصل کرنے کے لئے محنت کی نہیں بلکہ علم کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ رہبانیت اور صوفیت غیر فطری چیزیں ہیں اور انسان کی فطرت سلیمہ ان کو پسند نہیں کرتی چنانچہ اپنی فطرت کو مسخ کرنے کے لئے سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مساجد میں ہر فرض نماز کے بعد تبلیغی جماعت کا نمائندہ کھڑے ہو کر یہ اعلان کرتا ہے کہ:

﴿ اللہ تعالیٰ نے ہماری آپ کی اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی کامیابی اپنے دین میں رکھی ہے اور یہ دین ہماری زندگی میں کیسے آجائے اسکے لئے سخت محنت کی ضرورت ہے بقیہ نماز کے بعد اسی محنت کے بارے میں بات ہوگی تمام حضرات تشریف رکھیں ﴾

تبلیغی جماعت کے عام کارکنان کے بارے میں ہم یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ اس جماعت کے لئے ان کا اخلاص اور قربانیاں بے مثال ہیں وہ اپنے اوقات، اپنی محنت اور اپنا سرمایہ جس طرح بے دریغ اس جماعت کی ترویج و ترقی میں خرچ کرتے ہیں وہ قابل تعریف ہے لیکن انھیں یہ بات جان لینی چاہیے کہ انکا اس ساری مساعی سے آخرت میں کسی صلہ یا ثواب کی توقع رکھنا فضول ہے اولاً اس لئے کہ خواہ لاعلمی ہی میں سہی مگر اس جماعت کے ذریعہ وہ دین اسلام کو منہدم کرنے کی سازش میں شریک ہو رہے ہیں اور ثانیاً اس لئے کہ بانی جماعت مولانا الیاس صاحب اس تمام مساعی کا ثواب مولانا اشرف علی تھانوی کی روح کو پہلے ہی ہدیہ کر چکے ہیں ثبوت کے طور پر یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

﴿ بانی جماعت تبلیغ مولانا الیاس صاحب فرماتے ہیں، حضرت تھانوی کے ایصال ثواب کا بہت اہتمام کیا جاوے ہر طرح کی خیر سے ان کو ثواب پہنچایا جاوے کثرت سے قرآن شریف ختم کرائے جاویں، یہ ضروری نہیں کہ سب اکھٹے ہو کر ہی پڑھیں بلکہ ہر شخص کا تنہائی میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے، تبلیغ میں نکلنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے اس لئے اس صورت سے زیادہ پہنچاؤ ☆ مکاتیب الیاس ص ۱۳۷ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے خروج وغیرہ کا یہ سب پروگرام اپنے صوفی اکابرین کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہے اس

لئے جماعت کے بانی نے ہرفرد سے اپیل کی ہے کہ اسکا خروج ودعوت وتبلیغ بڑے صوفی حضرت تھانوی کے ایصال ثواب کے لئے ہونا چاہیے۔

اکابرین کی جانب سے تبلیغی جماعت کو تین اہم ہدایات

تبلیغی جماعت چونکہ کچھ خاص مقاصد اور اہداف کے حصول کے لئے کام کررہی ہے جن کی تفصیل ہم قارئین کے لئے آئندہ صفحات پر پیش کریں گے چنانچہ مولانا زکریا صاحب نے تبلیغی جماعت کے کارکنان کو جو ہدایت کی ہے وہ بھی بڑی خاص ہے فرماتے ہیں کہ

﴿ تبلیغ والوں پر یہ مستقل اعتراض ہے کہ معترضین کے اعتراضات کی طرف التفات نہیں کرتے میرے نزدیک یہ اعتراض لغو ہے اس لئے کہ بلاتعین گول مول اعتراض کی طرف کون توجہ کرسکتا ہے بالخصوص تبلیغ والے حضرات کو تو اپنے مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے اتنی فرصت نہیں رہی کہ ایسے لغو اعتراضات کی طرف التفات کریں، اکابر نے بھی کبھی التفات نہیں کیا، حضرت حکیم الامت پر ہمیشہ اعتراضات کی بوچھاڑ ہر طرف سے رہی، حضرت کا ارشاد ہے کہ اعتراض سے تو انسان کسی حالت میں بھی بچ نہیں سکتا بس اسلم یہ کہ معترضین کو بکنے دیں اور جو سمجھ میں آوے کریں ☆ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۱۴۸، ۱۴۹ ﴾

ماشاءاللہ! تبلیغی نصاب کے مؤلف کا زبان پر عبور ملاحظہ فرمائیے کتنی میٹھی زبان استعمال فرمارہے ہیں یہی حال تبلیغی جماعت کے عام مبلغین کا بھی ہے، اکثر لوگوں کو ہم نے کہتے سنا ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ بڑے بااخلاق ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت اسکے برعکس ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ زکریا صاحب کا بیان ہے اور عام مبلغین سے بھی ہماری بات ہوئی ہے یہ لوگ صرف اسی وقت تک اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں جب تک کہ مخاطب کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کا امکان نظر آئے لیکن جب کوئی ایسا شخص مل جائے جو ان کے سامنے آئینہ رکھ دے تو ان کا سارا اخلاق رخصت ہوجاتا ہے اور اسکے بعد جس قسم کے الفاظ اور لہجہ یہ اختیار کرتے ہیں وہ ناقابل بیان ہے، بہر کیف زکریا صاحب کی اسی ہدایت پر موجودہ تبلیغی جماعت گامزن ہے اب خواہ کوئی تبلیغی جماعت کے معمولات پر اور اس کے نصاب پر قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہی اعتراض کیوں نہ کرے اس جماعت کے کارکنان اس اعتراض پر قطعی توجہ نہیں دیتے حالانکہ اس قسم کا طرز عمل کسی بھی دینی جماعت کے لئے قطعی مفید نہیں بلکہ انتہائی خطرناک ہے کیونکہ اہل علم کی رائے کو نظر انداز کرنا بعض اوقات دنیا اور آخرت دونوں میں خسارے کا باعث ہوسکتا ہے اور دوسری ہدایت اس جماعت کو اپنے اکابرین کی جانب سے یہ ہے کہ:

﴿ اجتماعات میں مسائل بیان نہ کئے جائیں کیونکہ جماعت میں اکثر عوام ہوتے ہیں، غلط مسائل بتانے لگیں گے، اس لئے مسائل تو علماء کرام کے لئے ہی رکھے جائیں، فضائل کے ذریعہ دین کا پیاسا بنانا ہے، جب پیاسا بن کر پانی مانگے یعنی مسائل پوچھے تو اسے کہدے کہ اپنے اپنے کنویں کا پانی پیو، یعنی حنفی حنفی علماء سے پوچھے اور شافعی شافعی علماء سے پوچھے، اہلحدیث اپنے علماء سے پوچھے یوں سب جڑ کر چل سکتے ہیں ☆ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات ص ۱۷۶ ﴾

زکریا صاحب کی اس ہدایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین اس جماعت کے ذریعہ اپنے اس خواب کو پھر سے شرمندہ تعبیر کرنا چاہتے ہیں جو شریف مکہ کے دور میں واقع ہوا تھا یعنی چار مصلے چار امام چونکہ موجودہ سعودی حکومت کی مہربانی سے ان مقلدین سے بیت اللہ میں واقع مصلے چھن گئے تھے چنانچہ ایک بار پھر مذہبی رواداری کی آڑ میں انھیں حاصل کرنے کا خواب یہ تمام مقلدین دیکھ رہے ہیں اس لئے تبلیغی جماعت کے ذریعہ تمام عالم میں یہ لوگ ایک مرتبہ پھر یہی سوچ پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ اپنے امام سے مسئلہ پوچھو اور اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھو اسکے بعد ایک تیسری ہدایت جو کہ حضرت جی مولانا یوسف صاحب کی جانب سے تبلیغی جماعت کو دی گئی ہے اور جس پر تبلیغی جماعت بڑی سختی کے ساتھ کاربند ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تالیف فرمودہ فضائل قرآن مجید، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل صدقات حصہ اول و دوئم، فضائل رمضان، فضائل حج اور مولانا احتشام الحسن صاحب کی تالیف مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج، صرف یہی کتابیں ہیں جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے اور تنہائی میں بیٹھ کر بھی ان کو پڑھنا ہے ☆ تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی از مولانا منظور نعمانی ص۱۰۲ ﴾

حضرت جی کی اس ہدایت سے صاف طور پر عیاں ہے کہ انکے نزدیک زکریا صاحب کی مذکورہ کتابیں بالکل صحیح ہیں پھر کیوں تبلیغی جماعت کے لوگ عرب ممالک کے علماء کرام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں یہ کتابیں تبلیغی جماعت نے ترک کردی ہیں یعنی فضائل حج اور فضائل صدقات وغیرہ اور حضرت جی مولانا یوسف صاحب کی اس ہدایت کو پڑھ کر بے اختیار قرآن کی ایک آیت کی جانب ذہن منتقل ہوتا ہے جو اصل میں یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی تھی مگر تبلیغی جماعت کے اس طرز عمل پر حرف بحرف صادق آتی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون ☆ البقرۃ ۷۹ ﴾

یعنی ''ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تھوڑا سا دنیاوی فائدہ حاصل کریں پس ہلاکت ہے ان ہاتھوں کے لئے اور اس کمائی کے لئے جو وہ اسکے ذریعہ سے کرتے ہیں ''
معلوم ہونا چاہیے کہ یہود و نصاریٰ کے علماء نے کبھی کوئی کتاب کلی طور پر اپنی جانب سے لکھ کر اسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ اللہ اور اسکے نبی کے بعض فرمودات کو جمع کر کے اسمیں اپنی جانب سے اپنے بزرگوں کے اقوال و احوال بھی شامل کردیا کرتے تھے اور پھر اسے اس تاثر کے ساتھ عوام الناس کے سامنے پیش کرتے تھے کہ گویا یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے اور انھوں نے اپنی لکھی ہوئی کتاب میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ اللہ اور اسکے رسول کے فرمودات کا مغز اور گودا ہے لہذا اب اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی حدیث کو براہ راست ماخذ سے لینے کی ضرورت نہیں اور ویسے بھی ان کا سمجھنا اور سمجھانا عامی آدمی کے بس کی بات نہیں بلکہ علماء کا کام ہے ایک عامی آدمی کو یہی کتابیں پڑھنی چاہیئں جو ہم نے لکھی ہیں چنانچہ رفتہ رفتہ لوگ اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی فرمودات سے بے نیاز ہوتے چلے

گئے اور آخر کار یہ دونوں چیزیں اپنی اصل زبان اور اصل تحریر میں روئے زمین سے غائب ہی ہوگیئں اور آج بائبل کی شکل میں جو کتابیں موجود ہیں وہ تمام کی تمام لوگوں کی اپنی لکھی ہوئی کتابیں ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جس کے بارے میں یہود یا نصاریٰ یہ دعویٰ کرسکیں کہ یہی اصلی کتاب اللہ ہے۔

اب اس تمام حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم آج اپنے مسلمانوں کی حالت پرغور کریں تو ہو بہو یہی حالت آج اس امت پر بھی طاری ہے جسکی سب سے بڑی مثال یہی حضرت جی کی اپنے کارکنان کو دی گئی ہدایت ہے جسمیں تبلیغی جماعت کے لوگوں کو اپنی تعلیم صرف زکریا صاحب کے لکھی ہوئی کتابوں تک محدود رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، کیا یہ طرز عمل قرآن وحدیث کے ساتھ ظلم نہیں ہے۔

تبلیغی نصاب اور شرکیہ وکفریہ اشعار

تبلیغی نصاب جن لوگوں کے لئے لکھا گیا ہے ان میں سے اکثر یا تو دین کا کوئی علم سرے سے رکھتے ہی نہیں یا پھر اگر رکھتے ہیں تو بہت واجبی علم رکھتے ہیں اسکے باجود زکریا صاحب نے اپنے ان رسائل میں جھوٹی اور من گھڑت روایات وحکایات سے عوام الناس کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا کرنے کی جو سعی فرمائی ہے اس میں اگر کوئی کسر رہ بھی گئی تھی تو وہ شرکیہ اور کفریہ اشعار کے ذریعے پوری فرمادی ہے یہاں بطور مثال ہم چند اشعار نقل کررہے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

﴿ ہست رب الناس را با جان ناس اتصال بےتکیف وبے قیاس ﴾

یعنی رب العالمین کا لوگوں کی جان کے ساتھ بے کیف وبے قیاس اتصال موجود ہے جس کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے حالانکہ صحیح اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ تعلق خالق ومخلوق اور عابد ومعبود کا ہے اور رب تعالیٰ مخلوق سے بائن اور جدا ہے پس اس تعلق کو اتصال کا نام نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اتصال کا معنی ہے دو چیزوں کا اسطرح مل جانا کہ درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ رہے جس کو وحدت الوجود اور حلول کہا جاتا ہے اسی نوعیت کا تاثر ان درجہ ذیل دو اشعار میں بھی پایا جاتا ہے مگر ان اشعار میں یہ بات صاف طور پر کہنے کے بجائے اشارتاً کہی گئی ہے۔

﴿ سب سے ربط آشنائی ہے اسے دل میں ہر اک کے رسائی ہے اسے ﴾

☆ فضائل قرآن ص ۴۷

﴿ خیالک فی عینی وذکرک فی فمی ومثواک فی قلبی فاین تغیب ﴾

ترجمہ: تیری صورت میری نگاہ میں جمی رہتی ہے، اور تیرا ذکر میری زبان پر ہر وقت رہتا ہے تیرا ٹھکانا میرا دل ہے پس تو کہاں غائب ہوسکتا ہے ☆ فضائل ذکر ص ۱۸۳

﴿ فرود آویز از سر گیسواں را فگن سایہ بپا سروِ رواں را ﴾

ترجمہ: اپنی عنبر بار ومشکیں زلفوں کو سر مبارک سے لٹکا دیجئے تاکہ انکا سایہ آپ کے بابرکت قدموں پر پڑے کیونکہ مشہور ہے کہ قامت اطہر وجسم کا انور کا سایہ نہیں تھا لہذا گیسوئے شبگوں کا سایہ ڈالئے

☆ فضائل درود شریف ص ۱۲۸

یہ بھی ایک غلط نظریہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہیں تھا بلکہ احادیث صحیحہ میں نبی کریم ﷺ کے سائے کے ہونے کا تذکرہ موجود ہے مثلاً مسند احمد کی حدیث نمبر ۲۷۴۰۳ ملاحظہ ہو۔

﴿ فلک پہ عیسیٰ وادریس ہیں تو خیر سہی　　　زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمد مختار ﴾

اس شعر میں یہ کہا گیا ہے کہ جس طرح عیسیٰ اور ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اٹھالیا اور وہ آسمان پر زندہ ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ کو موت نہیں آئی بلکہ وہ بھی زمین پر یعنی قبر کے اندر زندہ ہیں۔

﴿ جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو　　　نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار ﴾

اس شعر کی بنیاد بھی ایک غلط عقیدہ پر ہے جو اہل بدعت نے ایک جھوٹی حدیث پر قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو نبی کریم ﷺ کی وجہ سے پیدا کیا ہے۔

﴿ کہاں وہ رتبہ، کہاں عقل نارسا اپنی　　　کہاں وہ نور خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار ﴾

اس شعر میں نبی کریم ﷺ کو نور خدا کہہ کر اللہ کا جز واور حصہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس طرح عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا جز واور حصہ مانتے ہیں۔

☆ فضائل درود شریف ص ۱۳۱

﴿ رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت　　　نجانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار ﴾

اس شعر میں نبی کریم ﷺ کی بشریت کا صاف طور پر انکار موجود ہے جس طرح کہ احمد رضا خان بریلوی نے اپنے ترجمہ قرآن میں کیا ہے اور یہ عقیدہ صریح کفر ہے۔

﴿ یہ اجابت حق کو تیری دعا کا لحاظ　　　قضاء مبرم ومشروط کی سنیں نہ پکار ﴾

اس شعر میں مستجاب الدعا ہونے کا عقیدہ بیان ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعا سے قضاء وقدر بھی بدل جاتی ہے۔

☆ فضائل درود شریف ص ۱۳۲

﴿ زندگانی نتواں گفت حیاتیکہ مراست　　　زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد ﴾

ترجمہ : وہ زندگی ہی نہیں جو میری ہے بلکہ زندہ وہ ہے جس کو دوست کا وصال حاصل ہو جائے۔

☆ فضائل ذکر ص ۲۶

﴿ میان عاشق ومعشوق رمزے است　　　کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست ﴾

ترجمہ : عاشق ومعشوق میں ایسی رمز ہوتی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

☆ فضائل ذکر ص ۵۱

اس طرح کے اشعار اس بات کی جانب واضح اشارہ کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کیا عقائد رکھتے ہیں اور اپنے ان غلط اور گمراہ کن عقائد کو حکایت وواقعات کے ساتھ ساتھ اشعار کے ذریعہ شعری ذوق رکھنے والے لوگوں میں بھی پھیلانا چاہتے ہیں۔

تبلیغی جماعت حقائق کے آئینہ میں

تبلیغی جماعت کی تاسیس اکابرین تبلیغی جماعت کے بقول جس نقطہ نظر کے تحت ہوئی وہ یہ تھا کہ اس جماعت کا کام دین اسلام کا پیغام ہر ممکن طور پر ہر شخص تک پہنچانا ہے اور اسکے لئے عالم کی ضرورت نہیں بلکہ ایک عامی آدمی بھی یہ کام کر سکتا ہے اور اُس وقت کے پس منظر میں یہ بات کافی حد تک صحیح بھی تھی کیونکہ اس وقت ذرائع ابلاغ بہت محدود تھے اور شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شہر سے دور نواحی علاقوں میں بسنے والے لوگوں کو انکی اسلام سے ناواقفیت کا فائدہ اٹھا کر ہندو بنا رہی تھیں جیسا کہ میوات جہاں اس جماعت کی تاسیس ہوئی، میوات کے ان مسلمانوں کی حالت زار کو بیان کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں کہ:

﴿ مسلمانوں کی طویل اور مسلسل غفلت اور اس قوم کی بے توجہی اور جہالت سے میو قوم کی دینی حالت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ جس کے بعد قومی ارتداد کے سوا کوئی درجہ نہیں تھا ☆ مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ص ٦٧ ﴾

چنانچہ ایسے وقت میں ایک ایسی جماعت کا قیام جو ناواقف لوگوں کو اسلام سے متعارف کرائے ایک قابل تعریف اقدام تھا پس اسی سلسلہ میں تبلیغی جماعت کی یہ تاسیس دہلی سے کوئی پچاس میل دور قصبہ نوح کے پاس واقع ایک بستی فیروز پور نمک میں ہوئی وہاں مولانا الیاس کی آمد و رفت رہتی تھی ان دنوں گاؤں کے بعض لوگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ گھر گھر جا کر لوگوں کو کلمہ اور نماز کی ترغیب دے کر انھیں مسجد میں لاتے تھے ایک مرتبہ حضرت جی فیروز پور نمک تشریف لائے اور لوگوں کے اس معمول کو پسند فرمایا اور اسے دوسرے دیہاتوں میں بھی پھیلانے کا پروگرام بنایا لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ جماعت اسلام کو متعارف کرانے کے بجائے صوفیت کو متعارف کرانے والی جماعت بن گئی اس تبدیلی کا آغاز اس وقت ہوا جب زکریا صاحب نے فضائل کے چند رسائل تالیف کر کے تبلیغی نصاب کے نام سے اس جماعت کے ساتھ نتھی کر دیئے جو آج بھی فضائل اعمال کے نام سے جماعت کے لئے لازم و ملزوم ہیں اسکے بعد اس جماعت کا اصل ہدف دیہات نہیں بلکہ شہر بنے اور اسکے بعد جب اس جماعت نے اپنی ایک ساکھ قائم کر لی تو اسکا دائرہ کار پوری دنیا اور خاص طور سے عرب ممالک میں پھیلایا گیا کیونکہ صوفیت کو کھل کر کھیلنے کا موقعہ اسی وقت مل سکتا تھا جب عرب ممالک صوفیت کے زیر تسلط آجائیں جیسا کہ مولانا سید ابوالحسن ندوی ایک مکتوب جو مولانا احتشام الحسن نے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کو ١٢ ربیع الاول ۵۷ھ ہجری کو تحریر کیا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

﴿ کام کی طرف سے کبھی امید پیدا ہوتی ہے کبھی ناامیدی لیکن اس سفر سے اس قدر اندازہ ہو گیا کہ ہندوستان کے مقابلے میں عرب میں تبلیغ کی زیادہ ضرورت ہے ☆ مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ص ١١١ ﴾

پس ہمارا دعویٰ ہے کہ موجودہ تبلیغی جماعت جس دین کی تبلیغ کر رہی ہے وہ دین دین اسلام نہیں بلکہ دین تصوف ہے کیونکہ تبلیغی جماعت جن عقائد اور افکار و نظریات کی قائل اور جن مقاصد کی حامل ہے وہ دین اسلام سے قطعی طور پر متصادم اور متعارض ہیں نیز تبلیغی جماعت جس طریقہ کار پر عامل اور کاربند ہے وہ طریقہ بھی بدعت فی الاسلام ہے اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں اس باب کے تحت ہم

تبلیغی جماعت کے سامنے انبیاء کرام اور اسلاف کا طریقہ کار پیش کر رہے ہیں تا کہ تبلیغی جماعت کے متعلقین کو ایک آئینہ میسر آ جائے جس میں وہ اپنا ماضی حال اور مستقبل دیکھ سکیں اور ہم اتمام حجت کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں۔

تبلیغی جماعت انبیاء کرام کے طریقہ پر نہیں

قرآن کریم میں جن انبیاء کرام کا تذکرہ موجود ہے ان تمام کی دعوت کا طریقہ کار تقریباً ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انبیاء کرام میں سے ہر نبی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک متعین قوم کی طرف بھیجا اس قوم کی طرف جس میں انھوں نے نبوت سے قبل بھی ایک طویل عمر بسر کی تھی اور نبوت ملنے کے بعد بھی ایک طویل مدت اس قوم میں رہ کر ان کی تمام تر مخالفت کے باوجود اپنی دعوت وتبلیغ کا کام اسی قوم میں جاری رکھا یہاں تک کہ ان کی قوم میں سے جن لوگوں نے ہدایت حاصل کرنی تھی کر لی اور باقی جن لوگوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کیا ان کو عذاب الٰہی نے آن گھیرا مثلاً نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال ایک ہی جگہ پر رہ کر دین کی تبلیغ کی اور یونس علیہ السلام ایک مدت ہائے دراز تک اپنی قوم میں تبلیغ کرنے کے بعد قبل اسکے کہ ان کو ہجرت کا حکم ہو تنگ آ کر اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے تو عتاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور نبی کریم ﷺ بھی تیرہ سال مکہ کی ایک چھوٹی سے وادی میں دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے یہاں تک کہ جب کفار مکہ آپ ﷺ کے قتل کے در پے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم فرمایا یعنی سہ روزہ، چلہ یا سال لگا کر تبلیغ کرنا انبیاء کرام کی سنت نہیں رہی ہے اور نہ ہی یہ صحابہ کرام کی سنت رہی ہے پس تبلیغ کا جو طریقہ تبلیغی جماعت نے اپنایا ہوا ہے وہ انبیاء کی سنت نہیں بلکہ انکی اپنی خود ساختہ بدعت ہے۔

تبلیغی نصاب انبیاء کرام کے نصابِ تبلیغ کے موافق نہیں

دعوت وتبلیغ کے ضمن میں جو چیز سب سے اہم ہوتی ہے وہ ہے عقائد کی اصلاح اور عقائد میں سب سے اہم ترین عقیدہ توحید ہے یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کی تبلیغ کا نقطہ آغاز توحید کی دعوت رہی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف انبیاء کرام کی دعوت کا تذکرہ کیا ہے مثلاً نوح علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ولقد ارسلنا نوحاً الی قومه انی لکم نذیر مبین☆ان لا تعبدو الا الله انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم ☆ سوره هود آیت ۲۶،۲۵ ﴾

یعنی ہم نے بھیجا نوح کو اسکی قوم کی طرف تو اس نے کہا میں تمہیں واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تم پر ایک دردناک دن کے عذاب کا ڈر ہے اسکے بعد ھود علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ والی عاد اخاهم هوداً قال یقوم اعبدوا لله مالکم من اله غیره ان انتم الا مفترون ☆ سوره هود آیت ۵۰ ﴾

یعنی اور عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو بھیجا اس نے کہا اے قوم کے لوگوں اللہ کی عبادت کر و تم کو کیا ہے کہ تم نے دوسروں کو معبود بنالیا ہے یہ تو خود ساختہ معبود ہیں اور صالح علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ والی ثمود اخاهم صلحاً قال یقوم اعبدو الله مالکم من اله غیره ☆ سوره هود آیت ۶۱ ﴾

یعنی اور ثمود کی جانب صالح کو بھیجا اس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور شعیب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ والی مدین اخاھم شعیباًقال یقوم اعبدو اللّٰہ مالکم من الہ غیرہ ☆ سورہ ھود آیت ۸۴ ﴾

یعنی اور مدین کی طرف اسکے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

﴿ وابراھیم اذ قال لقومہ اعبدوا اللّٰہ واتقوہ ذالکم خیرلکم ان کنتم تعلمون ☆ انما تعبدون من دون اللّٰہ اوثناً وتخلقون افکا ان الذین تعبدون من دون اللّٰہ لایملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللّٰہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون ☆ سورہ العنکبوت آیت ۱۶،۱۷ ﴾

یعنی جب ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا عبادت کرو اللہ کی اور اسی سے ڈرو اگر تم سمجھو تو اسی میں تمہاری بھلائی ہے بے شک اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پوجتے ہو وہ تمہارے لئے کسی چیز کے مالک نہیں پس اپنا رزق اللہ کے پاس تلاش کرو اور اسی کا شکر ادا کرو اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے اور اگر نبی کریم ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے نصاب کو دیکھا جائے تو وہ قرآن ہے اور قرآن کا اکثر وبیشتر حصہ توحید کی دعوت پر ہی مشتمل ہے اس کے برخلاف اب جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دعوت وتبلیغ کا کام کر کے انبیاء کرام کی سنت ادا کر رہے ہیں ان کے تبلیغی نصاب کو دیکھا جائے وہ تمام کا تمام فضائل پر مشتمل ہے اور یہ فضائل بھی اکثر جھوٹے اور من گھڑت ہیں تبلیغی جماعت کے اس طرز عمل کو دیکھ کر بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ جماعت انجانے میں یا جانتے بوجھتے وہی کام کر رہی ہے جو کام عیسائیت میں سینٹ پال نے کیا تھا یعنی شریعت وعقائد کی منسوخی جس کی وجہ سے عیسائیت ہر جانب جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اس لئے یہ شریعت منسوخ تو نہیں کر سکے البتہ عملی طور پر اسے معطل ضرور کر دیا ہے اور بجائے اس کے کہ عوام الناس اپنے عقائد درست کریں اور دین کے مسائل کو سیکھیں انھیں فضائل کے جال میں پھنسا دیا گیا جسکا نتیجہ وہی ہوا کہ تبلیغی جماعت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا میں پھیل گئی اس اعتراض کا جواب تبلیغی حضرات کی جانب سے بالعموم یہ دیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت چونکہ کفار ومشرکین کی جانب تھی اس لئے وہاں توحید کی اور عقائد کی دعوت کی اشد ضرورت تھی جبکہ تبلیغی جماعت کا واسطہ اکثر وبیشتر مسلمانوں سے ہے اس لئے یہاں توحید اور عقائد کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں ہے حالانکہ یہ بات قطعی درست نہیں آج بظاہر مسلمان نظر آنے والے لوگوں کی ایک کثیر تعداد عقائد کے اعتبار سے اسی مقام پر ہے جس پر قبل از اسلام لوگ تھے بلکہ بعض عقائد کے اعتبار سے ہمارے لوگ ان سے بھی گئے گذرے ہیں اس لئے آج توحید اور اسلام کے دیگر عقائد کو شرح وبست کے ساتھ بیان کرنے کی اشد ضرورت ہے مشرکین مکہ جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور یہودِ مدینہ جو قبروں کی پوجا کرتے تھے دونوں کے دین میں بظاہر فرق نظر آتا ہے مگر اصل کے اعتبار سے دونوں کا شرک ایک ہی تھا ان میں سے مشرکین مکہ نے جو بت بنا رکھے تھے وہ کوئی خیالی مورتیاں نہیں تھیں بلکہ وہ ان لوگوں کے مجسمے تھے جو ان کے اعتبار سے ان کے زمانے سے قبل نیک اور صالح لوگ ان کے درمیان گذرے تھے اور یہودِ مدینہ جن قبروں کی عبادت کیا کرتے تھے وہ بھی کوئی عام قبریں نہیں تھیں بلکہ وہ ان لوگوں کی قبریں تھیں جو ان کے درمیان نیک اور صالح لوگ گذر چکے تھے اور یہ

دونوں ہی قومیں بتوں کی اور قبروں کی پوجا کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتی تھیں اور قبل از اسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں جو عقیدہ پایا جاتا تھا اور اس عقیدے میں شرک کی آمیزش کس نوعیت کی تھی اسکو قرآن نے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے سورہ الانعام میں ارشاد ہوا:

﴿ قل من ينجيكم من ظلمات البر والبحر تدعونه تضرعا وخفية لئن انجنا من هذه لنكونن من الشكرين ☆ قل الله ينجيكم منها ومن كل كرب ثم انتم تشركون ☆ سوره الانعام آيت ٦٣،٦٤ ﴾

یعنی اے نبی ﷺ پوچھو کون نجات دیتا ہے تم کو خشکی وتری کے اندھیروں میں جب تم پکارتے ہو اسکو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے کہ اگر تو نے ہم کو نجات دی تو ہم تیرے شکر گذاروں میں ہو جائیں گے کہہ دو پھر جب اللہ تم کو نجات دیتا ہے ہر تکلیف سے تو تم پھر سے شرک میں پڑ جاتے ہو اس سے معلوم ہوا کہ جب وہ لوگ کسی بڑی مصیبت میں پڑ جاتے تو اپنے بنائے ہوئے سارے معبودوں کو چھوڑ کر خالص اللہ ہی کو مدد کے لئے پکارتے تھے جبکہ ہمارے لوگوں کا حال یہ ہے کہ ایسے موقع پر بھی یا اللہ مدد کے بجائے یا علی مدد اور یا غوث اعظم مشکل کشا کہہ کر پکارتے ہیں اور سورہ الاسراء میں ارشاد ہوا:

﴿ واذا مسكم الضر فى البحر ضل من تدعون الاایاه فلما نجكم الى البر اعرضتم وكان الانسان كفورا ☆ سوره الاسراء آيت ٦٧ ﴾

یعنی جب تم سمندر کے اندر مصیبت میں پھنس جاتے ہو تو وہ سارے معبود تم کو بھول جاتے ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو پھر جب اللہ تم کو نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو تم اللہ سے منہ پھیر لیتے ہو اور انسان تو کفر کرنے والا ہی ہے یعنی وہ لوگ جب سمندر کے اندر طوفان میں پھنس جاتے تو بھی خالص اللہ ہی کو مدد کے لئے پکارتے تھے جبکہ ہمارے لوگوں کا جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ان کے اولیا اور بزرگ ایسے موقع پر ان کی مدد کو پہنچتے ہیں

اور سورہ یونس میں فرمایا:

﴿ قل من يرزقكم من السماء والارض امن يملك السمع والابصارومن يخرج الحى من الميت ويخرج الميت من الحى ومن يدبر الامر فسيقولون الله فقل افلا تتقون ☆ سوره يونس آيت ٣١ ﴾

یعنی اے نبی ﷺ پوچھو ان سے کون دیتا ہے ان کو آسمان وزمین سے رزق اور کون مالک ہے ان کی سماعتوں اور بصارتوں کا اور کون نکالتا ہے مردے سے زندہ اور زندے سے مردہ اور کون ہے جس کا حکم چلتا ہے؟ یہ کہیں گے اللہ! تو کہہ دو پھر کیوں تم اسی سے نہیں ڈرتے ہو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک نعمتوں کے عطاء کرنے اور سلب کرنے کے اختیارات کا مالک اور خود انکی ذات میں تصرف کرنے کا مالک اور زندگی اور موت کا مالک صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی تھا جبکہ ہمارے لوگوں کا حال یہ ہے کہ نوکری طلب کرنی ہو یا اولاد کی خواہش ہو یا پھر کسی بیماری سے شفاء کی حاجت ہو اپنا رخ مزارات ہی کی طرف رکھتے ہیں بلکہ جتنی بڑی ضرورت ہو اتنا ہی بڑا مزار تلاش کیا جاتا ہے اور سورہ لقمان میں ارشاد ہوا:

﴿ ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله قل الحمد لله بل اكثرهم لا يعلمون ☆ سوره لقمان آيت ٢٥ ﴾

یعنی اے نبی ﷺ اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ یہ کہیں گے اللہ! تو کہہ دو تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کائنات کا خالق بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے لہذا سوال اب یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا سبب ہے جسکے باعث انھیں کافر اور مشرک قرار دیا گیا اسکا جواب بھی قرآن میں ہی ہے سورہ الزمر میں ارشاد ہوا:

﴿ الا للّٰہ دین الخالص والذین اتخذوا من دونه اولیاء مانعبدھم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفیٰ ان اللّٰہ یحکم بینھم فی ماھم فیه یختلفون ان اللّٰہ لا یھدی من ھوکاذب کفار ☆ سورہ الزمر آیت ۳ ﴾

یعنی جان لو کہ دین اللہ ہی کے لئے خالص ہے اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنالیا ہے وہ کہتے ہیں ہم ان معبودوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تا کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں بے شک اللہ فیصلہ کرے گا اسکا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور اللہ جھوٹے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا اپنی قوم سے اصل جھگڑا کیا تھا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی جائز حاجات کا براہ راست طلب نہ کرنا اور کسی کو درمیان میں سفارشی بنانا ہی حقیقت میں شرک ہے ان کے اسی شرک کو دوسرے مقام پر اس طرح واضح کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ ویعبدون من دون اللّٰہ مالایضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھولاء شفعاونا عنداللّٰہ قل اتنبئون اللّٰہ بمالایعلم فی السموات ولا فی الارض سبحنة وتعلیٰ عما یشرکون ☆ سورہ یونس آیت۱۸ ﴾

یعنی" اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیزوں کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو معلوم نہیں ہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے" گویا اسلام جس شرک کی نفی کے لئے آیا وہ یہی سفارش کے عقیدہ والا شرک تھا جو آج کے مسلمانوں میں کھلم کھلا پایا جاتا ہے اور بار بار تنبیہ کرنے کے باوجود بھی اس عمل سے باز نہ آنا دراصل کفر ہے چنانچہ قرآن کریم کی ان تمام نصوص کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عقائد کی اصلاح کی ضرورت آج کے مسلمانوں کو بھی اتنی ہی ہے جتنی چودہ سو برس قبل کفار و مشرکین کو تھی لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین اولاً تو اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور اگر کر بھی لیں تو یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے چھ بنیادی نکات میں کلمہ طیبہ بھی شامل ہے لہذا علیحدہ سے توحید کے درس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب اپنی دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا تو آپ ﷺ یہی کہتے تھے کہ" لوگو! لا الہ الا اللہ کہو اور فلاح پا جاؤ " یہ صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا نقطہ آغاز یہی تھا مگر سوال یہ ہے کہ جو لوگ اس کلمہ کو پڑھ کر دین اسلام میں داخل ہوتے تھے ان کا نصاب کیا ہوتا تھا؟ کیا ان کا نصاب قرآن نہیں تھا اور جس کا نصاب قرآن ہو کیا اسکو توحید اور دیگر عقائد کو سمجھنے کے لئے کسی اور شے کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ نیز اس وقت لا الہ الا اللہ کا معنی صرف ایک ہی تھا جو اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو بتایا یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جبکہ آج لا الہ الا اللہ کا معنی لاموجود الا اللہ بھی کیا جاتا ہے یعنی اللہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں اور جو کچھ بھی کائنات میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عکس یا سایہ ہے یہ عقیدہ وحدت الوجود کہلاتا ہے جو صریح کفر ہے اسلئے آج محض لا الہ الا اللہ کہنے سے توحید نہیں آجاتی بلکہ بعض وحدت الوجود کے قائلین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ لا الہ

الا اللہ محمد رسول اللہ ہی دراصل کلمہ شرک ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عین القضاۃ ہمدانی کا قول اور اسکی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ عین القضاۃ ہمدانی کے ظاہراً غیر شرعی قول کہ

اے پسر لا الہ الا اللہ خود زشرک خفی است آئینہ دار چیست شرک جلی رسول اللہ خویشتین را از یں شرک برآر

کی تاویل میں فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، اور معبود کے لئے عابد کا ہونا ضروری ہے اس میں دوئی کا تصور نمایاں ہے جو کہ اصل میں شرک ہے اور شرکِ خفی اس میں یہ ہے کہ عابد عبارت میں مذکور نہیں، اور محمد رسول اللہ کا معنی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو لوگوں کی طرف بھیجا ہے، یہاں اس میں شک نہیں کہ مضاف جو کہ رسول ہے، وہ مضاف الیہ یعنی اللہ کا غیر ہے، اور یہ شرک جلی ہے اور جب تو وحدت کی حقیقت کو پالے گا اور تعینات کی غیریت کو اعتباری جانتے ہوئے رسول خدا کو بھیجنے والے کا مظہر دیکھے گا تو ان تمام اقسام شرک سے نجات پالے گا ☆ انفاس العارفین ص ۲۱۹ ﴾

یعنی شاہ ولی اللہ صاحب اس صوفی کا قول جو کہ کفر پر مبنی ہے کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ درحقیقت یہ کفر پر مبنی نہیں ہے اور اسکی تاویل انھوں نے یہ کی ہے کہ اگر اللہ اور بندہ کو ایک وحدت مان لیا جائے اور نبی کریم ﷺ کو اللہ کا مظہر یعنی اللہ خود نبی کی شکل میں ظاہر ہوا تسلیم کر لیا جائے تو یہ کلام کفر یہ کلام نہیں رہے گا کیونکہ کلمہ طیبہ کا پہلا جز و اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور معبود کے لئے عابد کا وجود ضروری ہے چناچہ ان لوگوں کے نزدیک جو وحدت الوجود کے قائل ہیں کسی دوسرے کا وجود تسلیم کرنا شرک ہے لہذا اس کلمہ میں شرک خفی ہے یعنی چھپا ہوا شرک ہے جبکہ کلمہ طیبہ کا دوسرا جز و اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور عربی گرامر کے اعتبار سے چونکہ مضاف مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے اس لحاظ سے محمد ﷺ کا وجود اللہ سے قطعی طور پر علیحدہ ہوا چناچہ اس کا حل شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بیان کیا کہ محمد ﷺ کو اللہ کا مظہر مان لیا جائے یعنی اللہ کا عکس مان لیا جائے جس طرح ہم آئینہ میں اپنا عکس دیکھتے ہیں تو بظاہر دو وجود نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں وجود صرف ایک ہی ہوتا ہے اور ہماری اپنے عکس کی طرف نسبت مضاف اور مضاف الیہ کی ہوگی پس اس طرح کلمہ طیبہ کا دوسرا جز و جو بظاہر شرک جلی ہے یعنی نمایاں اور واضح شرک ہے اسکا مسئلہ بھی حل ہو گیا اور مسئلہ وحدت الوجود ثابت ہو گیا اس لئے ہم کہتے ہیں کہ محض کلمہ کا پڑھنا پڑھانا کافی نہیں بلکہ صحیح توحید کو باقاعدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ تمام اعمال کا دارو مدار صحیح عقیدہ پر اور خاص طور سے عقیدہ توحید پر ہے۔

تبلیغی جماعت صحابہ کرام کے طریقہ پر نہیں

تبلیغی جماعت کے اراکین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا طریقہ انبیاء کرام وصحابہ سے ماخوذ ہے لیکن جب ہم تبلیغی نصاب کو دیکھتے ہیں تو وہاں ہمیں کسی بھی نبی یا صحابی کا کوئی اس قسم کا تذکرہ نہیں ملتا کہ ان میں سے کسی نے بھی محض تبلیغ کی خاطر اپنے علاقے یا مستقل قیام

کی جگہ سے خروج کیا ہوالبتہ زکریا صاحب نے ایک دو مقامات پر اس قسم کا تاثر دینے کی کوشش ضرور کی ہے جیسا کہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ سعد بن معاذؓ مسلمان ہوئے تو مسلمان ہوتے ہی اپنی قوم بنوالاشہل کے پاس گئے ان سے جا کر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں انھوں نے کہا ہم میں سب سے بہتر اور افضل ہو اس پر سعدؓ نے کہا مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ اور محمد ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ ان کے کہنے سے قبیلہ اشہل کے تمام مرد عورتیں مسلمان ہو گئے اور حضرت مصعبؓ ان کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے ☆ حکایات صحابہ آٹھواں باب حکایت نمبر۳ ﴾

اس حکایت میں چند امور قابل توجہ ہیں اولاً سعد بن معاذؓ چونکہ اپنی قوم کے سردار تھے اسلئے انھوں نے اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور تاکید بھی کی ثانیاً وہ دعوت دینے کسی دوسری قوم کی طرف نہیں بلکہ اپنی ہی قوم کی طرف گئے تھے ثالثاً اپنی قوم کو تعلیم دینے کے لئے انھوں نے مصعبؓ کو مقرر کیا تبلیغی جماعت کے اراکین کی طرح بغیر علم حاصل کئے خود ہی تعلیم دینے نہیں بیٹھ گئے تھے اور ایک دوسرے مقام پر زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذؓ کو اہل یمن کی تعلیم و تبلیغ کے لئے یمن کا امیر بنا کر بھیجا تھا ☆ فضائل ذکر فصل ثانی حدیث نمبر۲ ﴾

لیکن زکریا صاحب کی یہ بات سراسر غلط اور جھوٹ ہے کہ معاذؓ کو تعلیم و تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ کیا تھا اس بات کی صراحت متعدد احادیث میں موجود ہے لیکن یہاں ان کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس سلسلہ میں خود انکے اپنے گھر کی شہادت موجود ہے تبلیغی نصاب کے آخر میں شامل ضمیمہ میں محمد احتشام الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿ حضرت معاذؓ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انھوں نے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین کے کاموں میں اخلاص کا اہتمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی کافی ہوتا ہے ☆ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج /تبلیغ کے آداب نمبر۷ ﴾

بانی جماعت تبلیغ مولوی الیاس نے اپنے خطوط میں سے ایک میں لکھا تھا کہ:

﴿ آپ ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی ہر چہار طرف جماعتیں روانہ کرنا شروع کر دی تھیں ☆ مکاتیب الیاس ص۱۱ ﴾

یعنی زکریا صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد مدینہ سے باہر اسی قسم کی جماعتیں بھیجنا شروع کر دیں تھیں جس قسم کی جماعتیں تبلیغی جماعت بنا کر تبلیغ کے لیے روانہ کرتی ہے حالانکہ یہ بات سراسر غلط اور بلا ثبوت ہے چنانچہ اس بات کا اعتراف شیخ خالد عبدالرحمٰن نے اپنی تالیف میں کیا ہے جس میں انھوں نے تبلیغی جماعت کی بھر پور وکالت کی ہے اور پورا دفاع کیا ہے مگر اس

سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ:

﴿ جس طرح آج جماعت تبلیغ مختلف جماعتیں تبلیغ کیلئے باہر روانہ کرتی ہے اوراس سلسلہ کو متواتر بلاانقطاع جاری وساری رکھتی ہے اس طرح زمانہ سابقہ میں کوئی دستور نہیں تھا چناچہ نبی کریم ﷺ اورخلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی مسلم جماعتیں مسلمان اقوام کی طرف اس طریق سے نہیں روانہ کیں البتہ آپ ﷺ نے بوقت ضرورت بعض افراد کو مسلم اقوام کی جانب تعلم کی غرض سے ضرور روانہ کیا تھا مگر انفرادی حیثیت میں نہ کہ اجتماعی طور پر ☆ ترجمہ وجوب الدعواۃ الی الکتاب و السنۃ بفھم سلف الامۃ ومنھج جماعت التبلیغ فیہ ص ۱۳۰ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کی غرض سے مسلمانوں کی جانب جماعتیں روانہ کرنے کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں اوراس قسم کی جماعتیں مسلمانوں کی جانب روانہ کرنا نہ صرف قیمتی وقت اور پیسہ کا زیاں ہے بلکہ بدعت بھی ہے لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ مولانا زکریا صاحب اس قسم کی تبلیغ کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ دین کی اشاعت کیلئے جو بھی کوشش ہو ہو جہاد میں داخل ہے، پھر یہ کہنا کہ یہ طریقہ خاص حضوراقدس ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا اول تو فی حد ذاتہ غلط ہے اور بطریق تسلیم مامور بہ کے حاصل کرے کا جو مباح طریقہ ہوا سکے مامور بہ ہونے میں کیا تامل ہے، کیا مدارس کا موجودہ طریقہ مدرسین کو اسباق کی تقسیم گھنٹوں کی پابندی سہ ماہی ششماہی اور سالانہ امتحانات وغیرہ جو اس زمانے میں ضروری ہیں اور ضروری سمجھے جارہے ہیں کیا حضور ﷺ کے زمانے میں یہ سب تھے؟ کیا کتابوں کی تصانیف ان کی طباعت شروح وحواشی کے سارے مروجہ طریقے حضوراقدس ﷺ کے زمانہ میں تھے؟ ایسے ہی ٹن کی نماز کہ جہاں گھنٹہ بجا خواہ امام ہویا نہ ہو روزانہ کے مقتدی آچکے ہوں یا نہیں فوراً نماز شروع ہوجاتی ہے، یہ حضور ﷺ کے زمانے میں کہاں تھا؟ ایسے ہی کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں توپ اور بندوق سے لڑائی نہیں تھی لہذا وہ تو بدعت ہے، تیروں سے جہاد ہونا چاہیے، ان امور میں سے کسی کو بھی کوئی بدعت نہیں کہتا اوراس سب کے بعد یہ کہنا غلط ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس جماعتوں کے بھیجنے کا طریقہ نہیں تھا ☆ تبلیغی جماعت پراعتراضات اورانکے جوابات ازمولانا زکریا صاحب ص ۱۸ ﴾

اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد یقین نہیں آتا کہ یہ شیخ الحدیث صاحب کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں، کیا مباح اور بدعت کی تعریف بھی شیخ الحدیث صاحب کو ہمیں سمجھانی پڑے گی یا یہ سب انھوں نے محض عوام الناس کو دھوکا دینے کیلئے تحریر فرمایا ہے؟ جیسا کہ زکریا صاحب نے تحریر فرمایا کہ '' بطریق تسلیم مامور بہ کے حاصل کرنے کا جو مباح طریقہ ہوا سکے مامور بہ ہونے میں کیا تامل ہے '' ہمیں یقیناً کوئی تامل نہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا تبلیغی جماعت کے اکابرین تبلیغی جماعت کے موجودہ طریقہ کار کو مباح قرار دینے کے لئے تیار ہیں کیونکہ مباح وہ عمل ہوتا ہے جس کے کرنے کا کوئی ثواب نہیں اور چھوڑنے کا کوئی گناہ نہیں اس اعتبار سے تبلیغی جماعت میں جولوگ کام

کررہے ہیں ان کو اسکا کوئی ثواب نہ ہوا اور جو لوگ تبلیغی جماعت میں شامل نہیں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے جبکہ اس کے برخلاف تبلیغی جماعت کے لوگ اسے فرض باور کراتے ہیں اور جو لوگ تبلیغی جماعت میں شامل نہیں ہوتے انکی موت کو بھی گدھے کی موت سے تعبیر کرتے ہیں ثبوت کے طور پر یہ واقعہ ملاحظہ ہو:

﴿ تابش مہدی صاحب جو کچھ عرصہ تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک رہ چکے ہیں لکھتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۶۷ء میں بیجیٰ پور ضلع پرتاب گڑھ کے اجتماع میں ایک مشہور تبلیغی واعظ کھڑے ہوئے پہلے انہوں نے فضیلت جہاد کی کئی حدیثیں سنائیں اس کام کو جہاد سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا بھئی اب یہ بتاؤ کہ آپ میں سے کون کون گدھے کی موت مرنا چاہتا ہے ذرا ہاتھ اٹھائیں کسی نے جب ہاتھ نہیں اٹھایا تو موصوف نے فرمایا اچھا وہ بھائی ہاتھ اٹھائیں جو گھوڑے (یعنی مجاہد کی) موت مرنا چاہتے ہیں تو سب کے سب نے ہاتھ اٹھا دیا پھر اس کے بعد فرمایا بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ اگر گھوڑے کی موت مرنے کی تمنا دل میں ہے تو کم از کم ایک چلہ تو اللہ کی راہ میں دینا ہی پڑے گا ☆ تبلیغ جماعت اپنے بانی کے ملفوظات کے آئینہ میں مؤلفہ تابش مہدی ص ۱۶ ﴾

مزید برآں زکریا صاحب نے اپنی مذکورہ بالا تحریر میں تبلیغی جماعت کے طریقہ کار کو بدعت کہلائے جانے سے بچانے کے لئے جن مثالوں کا سہارا لیا ہے ان میں سے کسی پر بھی شرعی بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ شریعت میں بدعت کا اطلاق اس عمل پر ہوتا ہے جسے دین سمجھ کر ایجاد اور اختیار کیا جائے اور اس چیز کا اختیار کیا جانا نبی کریم ﷺ یا صحابہ کے دور میں ممکن ہو مگر اسے اختیار نہ کیا گیا ہو اس اعتبار سے تعلیم کا سالانہ نظام ہو یا نماز کے لئے گھڑی کی پابندی یا پھر جہاد میں توپوں اور بندوقوں کا استعمال ان میں سے کسی بھی چیز کا اختیار کیا جانا نبی کریم ﷺ کے دور میں ممکن نہیں تھا اور آج جس کسی نے بھی ان چیزوں کا اختیار کیا ہے وہ ان میں سے کسی بھی چیز کو دین کا حصہ نہیں سمجھتا جبکہ تبلیغی جماعت اور اس کے طریقہ کار کو دین کا حصہ سمجھا اور سمجھایا جارہا ہے نیز اس قسم کی جماعتی تبلیغ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں بھی ممکن تھی مگر کسی نے اس قسم جماعت سازی کا سوچا تک نہیں پس معلوم ہوا کہ تبلیغی جماعت ایک بدعتی جماعت ہے اور اصولی اعتبار سے گمراہی پر ہے جسے ترک کرنا ہر تبلیغی پر اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے تو فرض ہے بصورت دیگر اسے آخرت کی باز پرس کے لئے تیار رہنا چاہیے، اس ضمن میں زکریا صاحب اپنے مندرجہ بالا موقف پر ڈٹے رہتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ:

﴿ حضرت مولانا الحاج محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حیاۃ الصحابہ میں بیسیوں واقعات نبی کریم ﷺ کے جماعتوں کے بھیجنے کے بہت کثرت سے ملیں گے، اور اسکے اردو ترجمہ بھی کثرت سے ہو گئے ہیں، اس میں ایک مستقل باب ''**باب ارسال الصحابہ الی البلدان للتعلیم**'' ہے ☆ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۱۹ ﴾

زکریا صاحب کے اس اقتباس کو پڑھکر ہمیں وہ محارہ یاد آرہا ہے کہ ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' حیاۃ الصحابہ کے اس باب کا عنوان خود نقل کر کے زکریا صاحب نے اچھا کیا کہ ہمیں حیاۃ الصحابہ کی ورق گردانی سے بچا لیا اب اس باب کا اردو ترجمہ ہم کیے دیتے ہیں اسکا ترجمہ ہوگا کہ ''تعلیم دینے کی غرض سے صحابہ کو مختلف ممالک میں روانہ کرنے کا باب'' اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا اس باب کے تحت آنے

والی احادیث تبلیغی جماعت کے موقف کو ثابت کر سکتی ہیں کیونکہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کے بقول تبلیغی جماعت کے خروج کا مقصد تبلیغ ہے یا پھر خود اپنی ذاتی اصلاح ہے تعلیم اور واعظ کی تو تبلیغی جماعت کو اجازت ہی نہیں کیونکہ ان دونوں چیزوں کے لئے علم کی ضرورت ہے اور بدقسمتی سے تبلیغی جماعت اس سے محروم ہے پس معلوم ہوا کہ تعلیم کی غرض سے مختلف ممالک میں علماء کو بھیجنا ثابت ہے اور الحمد للہ مسلمانون کا آج بھی اس پر عمل ہے جیسا کہ موجودہ سعودی حکومت کا مرکز دعوۃ والارشاد کا قیام جس کے تحت علماء کرام کو دنیا کے بیشیر ممالک میں بھیجا جاتا ہے جو وہاں قیام کر کے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتے ہیں اور انکے اخراجات سعودی حکومت خود برداشت کرتی ہے جبکہ اسکے برخلاف تبلیغی جماعت کے مبلغین قرآن وحدیث کا علم نہ ہونے کے باعث کسی کو بھی تعلیم دینے کی اہلیت نہیں رکھتے اگر آپ کبھی جماعت تبلیغ کے کارکنان سے جو تبلیغی دررہ پر نکلے ہوئے ہوں بات کریں اور پوچھیں کہ تمہاری تعلیم کتنی ہے اور اسلام کے بارے میں تم کیا معلومات رکھتے ہو کیونکہ تم دوسروں کو دین سکھانے کے لئے آئے ہو تو ان لوگوں کا ایک ہی جواب ہوگا کہ ہم خود سیکھنے کے لئے آئے ہیں دوسروں کو سکھانے نہیں آئے یعنی سیکھتے سیکھتے کرنا اور کرتے کرتے سیکھنا ہی ہمارا مقصد ہے اس اعتبار سے تبلیغی جماعت کا یہ دعویٰ سرے سے ہی غلط ہو جاتا ہے کہ ان کی جماعتیں صحابہ کی مانند ہیں کیونکہ تعلیم وتربیت کے لئے جن صحابہ کو انفرادی طور پر دوسری اقوام کی جانب بھیجا گیا وہ دوسروں کا سیکھانے کے لئے گئے تھے سیکھنے کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے جبکہ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کچھ سیکھنے والے ہیں اور کچھ سیکھانے والے ہیں اول تو ایسا ہے نہیں اور اگر ایسا ہو تب بھی یہ طریقہ صحابہ کا طریقہ نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں سیکھنے والے کسی سیکھانے والے کے ساتھ اپنا گھر بار چھوڑ کر باہر نہیں جاتے تھے اور تاریخ اسلام میں اس طرح کے عمل کی کوئی ایک بھی مثال نہیں ملتی دراصل اس سارے طریقہ کار کے پیچھے ایک اور ہی مقصد کارفرما ہے اور وہ مقصد ہے رہبانیت کی تعلیم انسان بچپن سے جس خاندان اور علاقے میں مقیم ہوتا ہے وہاں کی چیزوں اور وہاں کے لوگوں اور خاص طور پر اپنے اہل خانہ سے اسکی انسیت اور محبت کا ایک مضبوط رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور یہ محبت صوفیت اور رہبانیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے چناچہ تبلیغی جماعت میں نئے شامل ہونے والوں کو ابتداء میں سہ روزہ کے لئے لے جایا جاتا ہے اسکے بعد رفتہ رفتہ چلہ کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے پھر سال کے لئے اور پھر تمام عمر کو تبلیغ کے لئے وقف کر دینے پر آمادہ کیا جاتا ہے جس سے وہ اپنے ہی معاشرے کے لئے عضو معطل بن رہ جاتا ہے چناچہ ایک جانب اسلامی معاشرہ اس شخص کی خدمات سے محروم ہو جاتا ہے اور دوسری جانب وہ ان صوفیوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کا سبب بنتا ہے جو غلط وگمراہ کن عقائد پھیلا کر اسلام کو منہدم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے متعلقین کو لاحق ایک مغالطہ کا رد

تبلیغی جماعت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ان کے اکابرین نے تبلیغ دین سے متعلق دو مختلف نوعیت کے احکامات کو عوام الناس کے سامنے اسطرح خلط ملط کر کے پیش کیا ہے کہ انھوں نے اپنے آپکو ایک اہم فریضہ کا تارک سمجھکر اپنا بیشتر وقت اور بعض اوقات تمام وقت ہی اس تبلیغ کے لئے وقف کر دیا لیکن تبلیغ دین کے فریضہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے حصول علم کے فریضہ کو سمجھا جائے کیونکہ حصول علم کے بغیر تبلیغ ایسی ہی ہے جیسے جسم بغیر روح کے ہوتا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں ایک باب اس عنوان سے لائے ہیں کہ ''العلم قبل القول والعمل''، یعنی عمل اور تبلیغ سے قبل علم ضروری ہے اور علم کے لئے ضروری ہے کہ اسے براہ راست قرآن

وحدیث سے حاصل کیا جائے کوئی بھی دوسری کتاب خواہ وہ کسی کی بھی لکھی ہوئی کیوں نہ ہو قرآن وحدیث کے علم کے حصول میں معاون تو ہوسکتی ہے بنیاد نہیں بن سکتی کیونکہ ہر کتاب ایک خاص موضوع پر اور ایک خاص مقصد کے تحت لکھی جاتی ہے جس کا لکھنے والا کبھی اپنے محدود علم اور کبھی کسی مغالطہ کے باعث بہت سی ایسی باتوں کو نظر انداز کر جاتا ہے جو اسکے موقف سے مطابقت نہیں رکھتیں یا اسکے نظریہ کی تردید کر رہی ہوتی ہیں اس لئے جو علم براہ راست قرآن حدیث سے حاصل نہ کیا جائے وہ جزوی طور پر انسان کے اپنے لئے تو مفید ہوسکتا ہے مگر اس قابل نہیں ہوتا کہ اسکی تبلیغ کی جائے حصول علم اور اسکی تبلیغ سے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وماکان المؤمنون لینفروا کافة فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون ☆ سورہ التوبة ۱۲۲ ﴾

یعنی ''اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تا کہ جب یہ لوگ اپنی قوم کے پاس واپس آئیں تو انہیں خبردار کریں تا کہ وہ آگاہ ہوجائیں'' اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبی نے جو لکھا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ:

﴿ حصول علم کی دو قسمیں ہیں اولاً فرض عین جیسا کہ نماز، روزہ اور زکواۃ وغیرہ کے متعلق بنیادی چیزوں کا علم اس معنی کی احادیث بھی مروی ہیں مثلاً ''علم حاصل کرنا فرض ہے'' اور ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔

ثانیاً فرض کفایہ جس میں حقوق اور حدود کے قائم کرنے کا علم اور اصول دین وغیرہ شامل ہیں ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ ''جو علم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، فرشتے اسکے راستے میں اپنے پر بچھاتے ہیں، آسمان وزمین کی تمام مخلوق اسکی مغفرت کی دعا کرتی ہیں حتیٰ کہ سمندر کی گہرائی میں موجود مچھلیاں بھی اسکے لئے دعا کرتی ہیں، عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی آسمان کے ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کا ورثہ درھم ودینار نہیں بلکہ یہی علم ہے تو جو چاہے اپنا حصہ حاصل وافر حاصل کر لے'' ﴾

اب چونکہ تبلیغ کا انحصار علم پر ہے اس اعتبار سے تبلیغ کی بھی دو قسمیں ہوئیں جن میں پہلی قسم تبلیغ خاص اسمیں وہ لوگ شامل ہونگے جو خود سے متعلق ہیں مثلاً خاندان والے، دوست احباب اور ملنے جلنے والے دین سے متعلق جو بھی معلومات ہم رکھتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ یہ تمام معلومات احسن طریقہ پر ان لوگوں تک پہنچائیں جو ہمارے متعلقین ہیں اور تبلیغ کی دوسری قسم تبلیغ عام ہے جو علماء کا کام ہے وہ اسکو جس طریقہ پر بھی مناسب سمجھیں کریں گے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء اپنا کام صحیح طور پر نہیں کر رہے لہذا یہ کام ہمیں کرنا چاہیے وہ غلطی پر ہیں لیکن اگر وہ یہ کام کرنا ہی چاہتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ پہلے صحیح معنوں میں دین کا علم حاصل کریں اور پھر تبلیغ کیلئے نکلیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنے بچوں کو عالم بنائیں تا کہ وہ آپ کی طرف سے دین کی تبلیغ کا کام کریں یا اگر یہ بھی نہ کر سکتے ہوں تو دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کی کفالت کریں تا کہ آپ کی جانب سے یہ لوگ اس فریضہ کو ادا کریں لیکن بغیر علم حاصل کئے تبلیغ عام کے کام کو

اپنے ہاتھ میں لے کر فتنہ پیدا نہ کریں خاص طور پر تبلیغی نصاب جیسی کتاب جو لغویات سے بھری ہوئی ہے اسکی تبلیغ کی خاطر اپنے وقت اور پیسہ کا زیاں نہ کریں ورنہ قرآن کی یہ آیت جس کی اصل مراد تو کوئی اور لوگ تھے آپ پر صادق آجائے گی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ ومن الناس من یشتری لھوالحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھاھزوا اولئک لھم عذاب مھین ☆ سورہ لقمان ٦ ﴾

یعنی ''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو خریدتے ہیں تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور دین کو مذاق بنا کر رکھ دیں یہی لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے'' تبلیغی جماعت کے مبلغین اپنے طریقہ تبلیغ پر بعض احادیث سے بھی دلیل لیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیا اور پھر آخر میں فرمایا کہ '' **فلیبلغ الشاھد الغائب** '' یعنی اب جو یہاں موجود ہیں وہ ان تک بات پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں تو صحابہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں فوراً ہی پوری دنیا میں تبلیغ کے لئے پھیل گئے یہ حدیث بخاری، مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد اور دارمی وغیرہ میں مذکور ہے مگر کہیں بھی اس قسم کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ صحابہ کرام نے ایسا کوئی عمل کیا ہو مزید برآں نبی کریم ﷺ نے یہ الفاظ اس خطبہ میں کہے تھے جو ایام منیٰ کے دوارن یوم النحر کے دن آپ ﷺ نے دیا تھا اسی لئے امام بخاریؒ نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے اسکا عنوان ہے '' **الخطبة ایام منیٰ، کتاب الحج** '' اور سب جانتے ہیں کہ حج میں یوم النحر کے بعد کم از کم دو دن اور زیادہ سے زیادہ تین دن منیٰ میں قیام کرنا پڑتا ہے چنانچہ شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مع صحابہ کرام تین دن منیٰ میں قیام کیا تھا اس لئے تبلیغی جماعت کے واعظین کا اس حدیث سے یہ استدلال غلط ہے پس صحابہ کرام بخوبی جانتے تھے کہ آپ ﷺ کی اس ہدایت سے مراد اس دین کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا ہے اسکے علاوہ ایک حدیث اور بھی ہے جو تبلیغی جماعت کی جانب سے بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ ان النبی ﷺ قال بلغوا عنی ولو آیة وحدثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج ومن کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعد من النار ☆ رواہ البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکرعن بنی اسرائیل، حدیث ۳۲۰۲ ﴾

یعنی '' نبی کریم ﷺ نے فرمایا پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک آیت ہی ہو اور روایت کرو یہودیوں سے اس میں کوئی حرج نہیں اور جس کسی نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے'' اس حدیث کو بخاری کے علاوہ ترمذی، مسند احمد اور دارمی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور محدثین نے اس پر جو ابواب قائم کئے ہیں وہ یا تو یہودیوں سے روایت بیان کرنے کی اجازت پر ہیں یا نبی کریم ﷺ کی جانب جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کرنے پر جو وعید ہے اس پر موقوف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث تبلیغ کی اجازت عام پر نہیں بلکہ تبلیغ کی قیود پر مبنی ہے یعنی یہ حدیث تبلیغ کرنے والوں پر تین شرطیں عائد کرتی ہے اولاً اس بات کا اطمینان کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس پر یہ یقین کہ وہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے ثانیاً یہودیوں سے صرف ان روایات کو بیان کرنے کی اجازت جو دین اسلام کے اصولوں کے خلاف نہیں ہے یعنی بیان کرنے والے کو دین کے بنیادی اصولوں کا علم ہونا چاہیے ثالثاً موضوع احادیث کو تبلیغ کی خاطر بیان کرنے سے مکمل پرہیز کرنا البتہ تردید کے مقصد سے کسی موضوع حدیث کو بیان کرنا پڑ جائے تو جائز ہوگا مزید برآں اس حدیث میں ایک

لفظ'' آیۃ '' بھی ہے جوتشریح طلب ہے تبلیغی جماعت کے مبلغین اس کا ترجمہ ''بات'' کرتے ہیں یعنی ''پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک بات ہی ہو'' لیکن اسکا یہ ترجمہ صحیح نہیں لفظ'' آیۃ '' کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ صحیح بخاری کی اس حدیث کی شرح فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ الایة فی اللغة تطلق علی ثلاثة معان: العلامة الفاصلة، والاعجوبة الحاصلة و البلیة النازلة ۔ فمن الاول قوله تعالی :(ایتک الاتکلم الناس ثلاثة ایام الا رمزا) ومن الثانی (ان فی ذالک لآیة) ومن الثالث جعل الامیر فلانا الیوم آیة ۔ ﴾

یعنی لغت کے اعتبار سے لفظ آیۃ کے تین معنی ہوتے ہیں اولاً دو چیزوں یا حالتوں میں فرق کر دینے والی علامت جیسا کہ زکریا علیہ السلام سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ(تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا بات نہیں کرسکو گے) ثانیاً حاصل ہونے والی کوئی عجیب چیز جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ(اسمیں نشانی ہے تمہارے لئے) اور ثالثاً کسی پر نازل ہونے والی کوئی سزا یا مصیبت جیسا کہ کہا جائے کہ آج امیر نے فلاں کولوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا یعنی آیۃ اس بات کو کہتے ہیں جو عام معمول سے ہٹ کر ہو پس اس حدیث میں موجود حکم سے یہ مراد نہیں ہے کہ کسی کو کوئی ایک حدیث بھی معلوم ہو تو وہ لوگوں کو پہنچانے نکل کھڑا ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ علماء کو احادیث کے ذریعہ سے جب بھی کوئی ایسی بات معلوم ہو جو دین کے اعتبار سے بہت اہم اور غیر معمولی نوعیت کی ہو اسے لوگوں تک ضرور پہنچائیں۔

موجودہ تبلیغی جماعت مولانا الیاس کے طریقہ پر نہیں

تبلیغی جماعت کی تاسیس کے وقت بعض دیوبندی علماء نے اعتراض کیا تھا کہ عامی آدمیوں کی تبلیغی جماعت بنانے سے تبلیغ دین کا کام جہلاء کے ہاتھ میں آجائے گا جس کا جواب مولانا الیاس صاحب نے یہ دیا تھا کہ ان لوگوں کو وعظ کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ ان لوگوں کا کام صرف لوگوں کو جمع کر کے کسی عالم کے پاس لانا ہوگا اور اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ:

﴿ وعظ درحقیقت صرف عالموں کا کام ہے جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں اسکے لئے عالم ہونا بہت ضروری ہے تا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ شریعت کے موافق ہو، کوئی چیز اس میں قرآن وحدیث کے خلاف نہ کہی جاسکے اور تبلیغ جس کے معنی صرف پیام پہنچا دینے کے ہیں، کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطہ اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں ہے۔ دراصل وجہ یہی ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ عامی ہوتے ہیں ان کو واعظ کہنے کی بالکل اجازت نہیں ہے ☆تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۴۸ ﴾

لیکن اس کے برخلاف اگر موجودہ تبلیغی جماعت کو دیکھا جائے تو جو بھی اس جماعت میں آٹھ دس سال گذار چکا ہو وہ اپنے آپ کو علامہ سمجھنے لگتا ہے اور مجمع اکھٹا کر کے اس مجمع سے گھنٹہ بھر خطاب کرتا ہے البتہ جب انھیں کہا جائے کہ اپنی تقریر شروع کرنے سے قبل حمد وثناء کیا کرو کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ وعظ کے لئے ہے اور علماء کے لئے ہے اور ہم واعظ نہیں کر رہے ہیں اور چونکہ

ان جماعتوں کے ساتھ کوئی عالم بھی نہیں ہوتا اسلئے امیر جماعت یا مقرر صاحب جو کچھ بھی الٹا سیدھا بیان کرتے ہیں سننے والے اسی کو دین کی بات سمجھکر اس پر ایمان لے آتے ہیں، دراصل تبلیغی جماعت کی بنیاد کسی ٹھوس اصول پر رکھی ہی نہیں گئی اس لئے یہ ابتداء سے ہی تغیر کا شکار ہے جس کا اعتراف خود زکریا صاحب نے بھی کیا ہے لکھتے ہیں کہ:

﴿ ایک احمقانہ، جاہلانہ اعتراض یہ بھی کانوں میں پڑا ہے کہ تبلیغ اپنی افادیت، ہدایت اور اصلاح کے درمیان یقیناً ایسی ہی تھی جیسا کہ لوگ بتاتے ہیں لیکن اب موجودہ تبلیغ چونکہ حضرت دہلوی کے طرز پر نہیں رہی اس لئے اب یہ ضلالت و گمراہی ہے ☆ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص۱۹۲ ﴾

اس اعتراض کو نقل کر کے زکریا صاحب نے اسکی تردید نہیں کی بلکہ تبلیغی جماعت میں پیدا ہونے والے اس تغیر کو تسلیم کرتے ہوئے اسکی متعدد دلیلوں سے تاویل کرنے کی کوشش کی ہے مگر موجودہ دور میں ان تاویلوں کی مدد سے اس جماعت کی افادیت اور ضرورت کو ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تبلیغی جماعت کی موجوہ حیثیت اور غرض و غائیت وہ نہیں رہی جو اس جماعت کی وجہ تاسیس تھی یعنی کسی دور دراز علاقے میں ذرائع ابلاغ کی عدم موجودگی کے باعث انتہادرجہ میں دین سے لاعلمی اور اگر کہیں کسی دور دراز کے علاقوں میں ایسا ہے بھی تو یہ جماعت اپنے غلط عقائد و نظریات کے باعث اب اس کام کی اہل نہیں ہے کیونکہ جس دین کی تبلیغ یہ جماعت کسی علاقہ میں کرے گی وہاں دین اسلام نہیں بلکہ دین تصوف پھیلے گا نیز اس جماعت کے لوگ اب وعظ اور تقریر کے بھی عادی ہو چکے ہیں جو مزید سونے پر سہاگہ ہے اسطرح کسی کے عقائد کو بگاڑنے میں جو کسر تبلیغی نصاب سے رہ جاتی ہے وہ ان خود ساختہ واعظوں سے پوری ہو جاتی ہے بلکہ اب تو تبلیغی جماعت کے یہ لوگ واعظ سے بھی آگے بڑھکر مفتی تک بن چکے ہیں ہمارے ایک بزرگ سید ظفر اللہ صاحب جو تبلیغی جماعت میں کافی وقت گذار چکے ہیں اور تبلیغی جماعت کے لوگوں کے ساتھ کئی چلے بھی لگا چکے ہیں مگر الحمدللہ جستجو حق کی کوشش اور بعض علماء کی صحبت کے نتیجہ میں اس جماعت کے چنگل سے نکل آئے ہیں وہ اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

﴿ میرے ماموں تبلیغی جماعت کے امیر تھے ایک دن انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ’’ ایک مرید اپنے پیر کے پاس گیا اور اپنی زندگی کی تکالیف بیان کیں، پیر صاحب کو اپنے مرید کی حالت زار پر رحم آیا اور انھوں نے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تقدیر کو اپنے ہاتھ سے بدل دیا‘‘ مجھ سے یہ واقعہ سن کر رہا نہیں گیا اور میں نے اپنے ماموں کو اس واقعہ پر ملامت کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعہ خلاف عقل و نقل ہے کیونکہ لوح محفوظ کو لوح محفوظ کہا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ردو بدل کرنا تو دور کی بات چھو بھی نہیں سکتا مگر میری اس تنبیہ پر اپنی بات سے رجوع کرنے کے بجائے وہ مشتعل ہو گئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ ’’میں تم کو اسلام سے خارج کرتا ہوں ‘‘ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ وہ تبلیغی جماعت جس کو بانی جماعت کی جانب سے وعظ کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی آج نہ صرف تبلیغی نصاب سے ہٹ کر وعظ کرتی ہے بلکہ اس جماعت کے لوگ اپنے تئیں مفتی بھی بن چکے ہیں جو لوگوں پر خارج از اسلام اور کفر کے فتویٰ جاری کرنے میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو کفار کے ملکوں میں تبلیغ کی اجازت نہیں

تبلیغی جماعت کے مبلغین معترضین کا منہ اکثر یہ کہہ کر بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہماری جماعت کی کوششوں کے نتیجہ میں فلاں ملک یا فلاں علاقہ میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے اور فلاں علاقہ کے مسلمان کلمہ تک پڑھنا نہیں جانتے تھے ہماری جماعت کی کوششوں سے وہ دین سے واقف ہوئے چناچہ اس ضمن میں چند بنیادی باتیں ہیں جنہیں سمجھ لینا نہایت ضروری ہے صحیح بخاری میں امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے کہ:

﴿ باب كراهية السفر بالمصاحف الى ارض العدو ﴾

یعنی کافر ملک جس کی مسلمانوں کے ساتھ دشمنی ہو اس کی طرف قرآن لیجانے کی ممانعت کا باب جس کے تحت یہ حدیث ہے:

﴿ عن عبدالله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ نهى أن يسافر بالقران الى ارض العدو ﴾

یعنی نبی کریم ﷺ نے دشمن کافر ملک کی طرف قرآن کریم لے جانے سے منع فرمایا ہے آپ نے یہ حکم اس لئے دیا تا کہ دشمن قرآن کریم کی بے حرمتی نہ کرسکیں (فتح الباری کتاب الجهاد باب ۱۲۹ حدیث ۲۹۹۰) یہی حدیث صحیح مسلم کتاب الامارۃ (باب ۲۴ حدیث ۱۸۶۹) میں بھی ہے اس کے آخر میں ہے کہ:

﴿ مخافة ان يناله العدو ﴾

یعنی تا کہ دشمن قرآن کریم کی بے حرمتی نہ کریں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں امام ابو حنیفہؒ وامام بخاریؒ وغیرہ نے کہا ہے اگر جہاد میں جانے والوں کا لشکر قلیل ہو جس پر دشمنوں کے غالب ہونے کا امکان ہو تو قرآن کریم کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں کا لشکر بڑا ہو تو قرآن اپنے ساتھ لیجانے میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ یاد رہے یہ اجازت اسلامی لشکر کے لئے ہے جو جہاد کے لئے دشمن ممالک میں جائے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں اس معاملہ میں صحیح قول یہی ہے اور امام مالکؒ نے مطلقاً قرآن لے جانا ناجائز کہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے ابن المنذرؒ نے مطلقاً جواز کا قول نقل کیا ہے مگر وہ ضعیف ہے ان کا صحیح قول وہی ہے جو پہلے گزرا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کافر ملکوں میں قرآن کریم عام لوگوں کو لے جانے کی اجازت نہیں ہے جو ان ملکوں کا سفر دنیاوی اغراض ومقاصد کی وجہ سے کرتے ہیں لیکن کیا کافروں کے ملکوں میں تبلیغی مشن پر مسلم جماعتوں کا جانا جائز ہوگا یا نہیں اس بات کا جواب بطور نص کے ملنا مشکل ہے کیونکہ قرآن وسنت میں جو بات موجود ہے وہ ہے کفار سے سے جہاد اور کفر کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا حکم جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله﴾(البقرة : ۱۹۳)

یعنی کفار سے اس وقت تک لڑائی جاری رکھو جب تک دنیا سے فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے۔ قرآن کے اس حکم سے یہ سوال ختم ہو گیا کہ کفار کے ملکوں میں جا کر دین کی تبلیغ کی جائے کیونکہ یہ بات کفار کے ملکوں میں ان کی حکومتوں کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں اور مسلمانوں کو کافروں کی حکومت تسلیم کرنا جائز نہیں کیونکہ مسلمانوں کو ان کی حکومتوں کو ختم کرنے کا حکم ہے ان کو برقرار رہنے دینے کا نہیں اگر مسلمان کفار کی حکومت تسلیم کرلیں ان سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرلیں تو جہاد اسلامی ختم ہو کر رہ جائے گا۔ اور جب سے مسلمانوں نے کفار کی حکومتوں کو تسلیم کرنا شروع کیا ہے اور مسلمان کفار کے ممالک میں آباد ہونا شروع ہوئے ہیں اسی وقت سے مسلمانوں

پر زوال آنا شروع ہوگیا ہے کیونکہ مسلمان کفار کے ملکوں میں آباد ہونے لگے ادھر کفار نے مسلمانوں کے ملکوں میں ڈیرہ ڈالنا شروع کر دیا ادھر مسلمانوں نے کفار کے ملکوں میں اسلام کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ادھر کفار نے مسلمانوں کے ملکوں میں اپنے مذہب کی نشر واشاعت کے مراکز قائم کر دیئے ادھر مسلمانوں نے کفار کو مسلمان کرنا شروع کیا ادھر کفار نے مسلمانوں کو کافر بنانے کی مہم تیز کر دی دونوں گروہ وجماعتیں اپنے اپنے مشن پر زوروں پر کام کر رہی ہیں جماعت تبلیغ ودیگر جماعتوں کو فخر ہے کہ وہ کفار کے ممالک میں اسلام کا نور پھیلا رہے ہیں. اور آئے دن اخبارات ولٹریچر کے ذریعے یہ بات شائع کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے اتنے کفار کو مسلمان کر دیا ادھر کفار کیا کر رہے ہیں مسلمان اس سے غافل ہیں مسلمانوں نے ہر کافر کے لئے دروازے کھول رکھے ہیں ادھر کفار نے مسلمانوں کے لئے اپنے دروازے کھولدیئے ہیں.

علاوہ ازیں ہم نے جہاد بالسیف ترک کر دیا ہے اور مسلمان کفار کے طاغوتی غیر اخلاقی نظام وقانون کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور بڑے فخر سے کفار کے ملکوں میں سیر وسیاحت کو تبلیغ دین کا نام دیکر اپنے اصل فریضے سے غافل ہوا بیٹھا ہے اور کفار مسلمانوں کے ملکوں میں کیا کر رہے ہیں قوم کو اس سے تبلیغ دین وخروج کی گولیاں کھلا کر نیند میں سلائے رکھنے کی جدو جہد میں مشغول ہیں تاکہ کفار پوری آزادی سے مسلمان ملکوں میں اپنے مشن کی تکمیل کرسکیں ہماری مسلم قوم کا حال اس کشتی میں سوار لوگوں سے مختلف نہیں جس کو دشمنوں نے چاروں طرف سے آگ لگا رکھی ہو اور اس میں سوار لوگ اپنے نصاب کی کتاب کھول کر پورے دین کو اپنے اندر داخل کرنے کے لئے غور وفکر کر رہے ہوں ان کو کوئی فکر نہیں کہ وہ کشتی جسمیں وہ سوار ہیں آگ کی لپیٹ میں ہے ان کی پوری جدو جہد اس بات پر مرکوز ہے کہ پورا دین ہمارے اندر کیسے آجائے اس کے لئے سخت محنت کی ضرورت ہے وہ محنت کیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مسلمان ملک وقوم کو کفار کی لگائی ہوئی آگ میں جھلستا دیکھ کر اس سے منہ موڑ لیں اور کفار کے ملکوں میں دین کی تبلیغ کا کام کریں اور اپنے بال بچوں والدین مسلمان مرد عورتوں کو شرک وکفر والحاد وقتل وغارت وڈکیتی ،اغوا، برائے تاوان میں جلتا ہوا چھوڑ کر چلنے لگائیں اور ان چلوں کے ذریعہ پورے دین کو نگل کر اپنے اندر داخل کریں تاکہ دین کا کوئی حصہ باہر اس دنیا میں نہ رہ جائے. دراصل تبلیغی جماعت ان ہی لوگوں کی نمائندگی کرنے والی جماعت ہے جو جہاد بالسیف کے مخالف ہیں اسکی تائید درج ذیل واقعہ سے بھی ہوتی ہے:

﴿ ہندوستان میں انگریزی فوج کے ساتھ جو لوگ لڑ رہے تھے ان میں مولوی فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی بھی تھے اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کہتے جا رہے ہیں کہ لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں ☆ حاشیہ سوانح قاسمی ۲ص ۱۰۳ ﴾

یہ جماعت تبلیغ کا اکابرین کا حال ہے اس کو ہندوستان کی آزادی کی جنگ میں حصہ لینے کی کیا ضرورت تھی ان کا ایمان ویقین یہ تھا کہ اللہ تعالی کی نصرت وتائید بصورت خضر انگریزوں کے ساتھ ہے یہ واقعہ ان لوگوں کے دعوی کو مزید پکا کر دیتا ہے جو کہتے ہیں جماعت تبلیغ اس لئے بنائی گئی تھی تاکہ کفار مسلمانوں کے ملک میں قابض رہیں مسلمانوں میں ان کے خلاف کوئی تحریک نہ اٹھنے پائے انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ کے دوران دو نئی تنظیمیں وجود میں آئیں ایک قادیانی جماعت اور دوسری جماعت تبلیغی ان دونوں جماعتوں کا دعوی ایک ہے کہ جہاد بالسف کی مسلمانوں کو اب ضرورت نہیں ہے لہذا جتنا ممکن ہو مسلمانوں کو ان کے حکمرانوں کے خلاف آواز نکالنے سے روکا جائے خواہ یہ حکمران کافر ہوں یا قبر پرست. یہی وجہ ہے دنیا کی ہر حکومت کے دروازے اس جماعت کے لئے کھلے ہیں بلکہ اکثر وبیشتر فاسق

وفاجر ومسلم حکمران فوراً اس جماعت میں شمولیت اختیار کر لیتے ہیں اور اپنی پوری حکومت کی قوت اس جماعت کی ترقی میں لگا دیتے ہیں اور حق کی آواز کو بندوق کی گولی اور تلوار کی نوک سے دبا دیتے ہیں پس آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کسی غیر اسلامی ملک میں صحابہ کو تبلیغ کے لئے نہیں بھیجا اور صحابہ کی پوری خلافت اسلامیہ میں بھی ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا کہ انھوں نے کفار کے کسی ملک میں کسی کو مبلغ بنا کر بھیجا ہو لیکن مولانا زکریا صاحب کو اس سے اختلاف ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

﴿ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہٹور ضلع بجنور کے علماء کے خصوصی اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے جتنے وفود، لشکر، قبائل اور علاقوں میں بھیجے ہیں وہ سب دعوت کے لئے تھے حضور ﷺ کے تمام جہادوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق ۱۹ ہے اور دوسری روایت کی بنا پر ۲۷ ہے ان میں سے نو کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ''بعث مقاتلا'' یعنی آپ ﷺ نے جنگ کے لئے بھیجا، بقیہ سب کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ دعوت کے لئے بھیجا تھا ☆ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات از مولانا زکریا صاحب ص ۱۲ ﴾

زکریا صاحب اپنے اس نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ جب نبی کریم ﷺ نے فتح خیبر کے لئے جھنڈا دے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا تو فرمایا کہ وہاں جا کر اطمینان سے اول ان کو اسلام کی دعوت دینا، اگر ایک شخص بھی تیری کوشش سے مسلمان ہو جائے تو وہ مال غنیمت کے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے، اور اگر وہ انکار کریں تو پھر دوسرے درجہ میں ان کو جزیہ دینے پر آمادہ کرنا اور اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے قتال کر، متعدد احادیث سے یہ مضمون مستنبط ہے کہ جہاد معروف میں بھی قتال مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود ایمان اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے ☆ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور انکے جوابات ص ۱۲ ﴾

ہمیں اس بات سے اتفاق ہے کہ جہاد بالسیف کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ تھا مگر ہمارا سوال یہ ہے کہ تبلیغی جماعت اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے یہ راستہ اختیار کیوں نہیں کرتی ؟ اور تبلیغی جماعت کے اکابرین اگر اسی کو دعوت و تبلیغ سمجھتے ہیں تو پھر تبلیغ کے لئے یہ سنت طریقہ کیوں اختیار نہیں کرتے ؟ اور جو لشکر بقول زکریا صاحب تبلیغ کے لئے بھیجے جاتے تھے، ان کے ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی یا تبلیغی جماعت کی طرح لوٹے اور بستر ہوتے تھے؟ اور کیا اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرتا یا جزیہ دینے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا تو صحابہ کرام تبلیغی جماعت کے لوگوں کی طرح منہ لٹکا کر واپس آ جاتے تھے یا ان کے ساتھ قتال کرتے تھے؟ اور کیا صحابہ کرام تبلیغی جماعت کے مبلغین کی طرح گھر گھر جا کر یہ دعوت دیتے تھے یا ان کا یہ مکالمہ صرف سربراہ مملکت کے ساتھ ہوتا تھا؟ اگر ان تمام سوالوں کا جواب تبلیغی جماعت کے لوگ اثبات میں دے سکتے ہیں تو ہم ماننے کو تیار ہیں کہ صحابہ کرام کے لشکر واقعی دعوت تبلیغ کے لئے روانہ کیے جاتے تھے بصورت دیگر تبلیغی جماعت کے اکابرین کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان کا اختیار کیا ہوا دعوت و تبلیغ کا موجودہ طریقہ بدعت فی الاسلام ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام کی جانب سے قبل از جنگ اسلام قبول کرنے یا جزیہ کی ادائیگی کی پیش کش کا مقصد دعوت و تبلیغ نہیں بلکہ اتمام حجت تھا تا کہ جو زندہ رہے دلیل پر زندہ رہے اور جو قتل ہو وہ حق کو جان لینے کے بعد قتل ہو۔

تبلیغی جماعت علماء کرام کی نظر میں

تبلیغی جماعت کا ان کے اکابرین کی کتابوں میں دستیاب مواد اور جماعت کے موجودہ لائحہ عمل کی روشنی میں جو بھی تجزیہ ہم اپنی بساط بھر کر سکتے تھے گذشتہ صفحات میں ہم نے کیا مگر کسی بھی دینی جماعت کے ضمن میں عوام الناس کی نظر میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے وہ یہ کہ کبار اہل علم اور مفتیان اس جماعت کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ کیونکہ عوام الناس اور حکام وقت کے نزدیک ان راسخون فی علم کی رائے حتمی اور فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے چنانچہ ان صفحات پر ہم مملکۃ سعودی عربیہ کے ان کبار علماء کرام کی رائے پیش کررہے ہیں جو عالم اسلام میں معروف ومشہور ہیں اور جن کے اسمائے گرامی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

علماء کرام کے ان اقوال وفتاویٰ کو شیخ ربیع بن ھادی المدخلی حفظہ اللہ نے ایک رسالہ بنام " **اقــوال علـمــاء السـنـة فـی جـماعـة الـتـبـلـیـغ** " میں شائع کیا ہے جس کی تاریخ اشاعت ۱۴۲۱/۵/۲۵ ہجری الموافق ۲۰۰۱/۸/۲۵ عیسوی ہے اس رسالے میں جن علماء کرام کے اقوال وفتاویٰ شائع کئے گئے ہیں ان کے اسمائے گرامی درجہ ذیل ہیں،

☆ علامہ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ

☆ علامہ الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ

☆ علامہ الشیخ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ

☆ علامہ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ

☆ علامہ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ

ان صفحات میں ہم ان علماء کرام کے اقوال وفتاویٰ کا صرف عربی متن درج کررہے ہیں کیونکہ ان کا اردو ترجمہ ہماری اس کتاب کے مقدمہ میں شامل ہے لہذا ان اقوال وفتاویٰ کا اردو ترجمے کیلئے ہماری اس کتاب کا مقدمہ ملاحظہ فرمایئے۔

آخر فتویٰ للشیخ عبدالعزیز بن باز فی التحذیر من جماعت التبلیغ

شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کا تبلیغی جماعت کے متعلق آخری فتویٰ

سـئـل سـمـاحة الشـیـخ عبـدالـعـزیـز بن عبدالله بن باز رحمه الله تعالیٰ عن جماعة التبلیغ فقال السائل :

نـسـمـع یـاسـمـاحة الشیخ عن جماعة التبلیغ وما تقوم به من دعوة ، فهل تنصحي و نصحي واعظم الله مثوبتکم ؟

فأجاب الشیخ بقوله :

کـل من دعا الی الله فهو مبلغ " بلغوا عنی ولو آیة" لکن جماعت التبلیغ المعروفة الهـنـدیة عندهم خرافات عندهم بعض البدع والشرکیات ، فلایجوز الخروج معهم ،الا انسان عنده علم یخرج لینکر علیهم ویعلمهم ۔

اما اذا خرج يتابعهم ؟ لا

لأن عـنـدهـم خـرافـات وعند هم غلط ،عند هم نقص فى العلم ، لكن اذا كانت جماعة تبليغ غيرهم اهل بصيرة و اهل علم يخرج معهم للدعوة الى اللّٰه۔

جماعة التبليغ والاخوان من الثنبتين و السبعين فرقة

شیخ ابن بازؒ نے فرمایا تبلیغی جماعت اوراخوان ۷۲ جہنمی فرقوں میں شامل ہیں

سئل سماحة الشيخ العلامة عبدالعزيز بن باز رحمه اللّٰه تعالیٰ :

احسـن اللّٰه اليک حـديـث النبى ﷺ فى افتراق الامم : قوله " ستفترق امتى على ثلاث و سبعن فرقة الا واحدة "۔

فهـل جـماعة التبليغ على ما عندهم من شركيات و بدع وجماعة الاخوان المسلمين على ما عندهم من تخزب وشق العصا على ولاة الأمور و عدم السمع والطاعة ،

هل هاتين الفرقتين تدخل ...... ؟

فأجاب غفراللّٰه تعالیٰ له و تغمده بواسع رحمته :

تـدخـل فـى الـثـنـتـيـن والـسـبـعـيـن ، من خالف عقيدة اهل السنة دخل فى الثنتين و السبعين ، المراد بقوله امتي أي امة الاجابة ،

فقال السائل : يعنى هاتين الفرقتين من ضمن الثنتين و االسبعين ؟

فـأجـاب : نـعم من ضمن الثنتين والسبعين والمراجئة وغيرهم ، المرجئة والخوارج بـعـض اهـل الـعـلـم يـرى الـخـوارج مـن الـكـفار خارجين ، لكن داخلين فى عموم الثنتين والسبعين ۔

حكم الخروج مع جماعة التبليغ

تبلیغی جماعت کے ساتھ خروج کا کیا حکم ہے؟

سـئـل سماحة الشيخ عبدالعزيزبن باز رحمه اللّٰه : خرجت مع جماعة التبليغ للهند وبـاكستان ، وكنانجتمع و نصلى فى مساجد يوجد بها قبور و سمعت ان الصلاة فى المسجد الـذى يـوجـد فـيـه قبر باطلة ، فما رأيكم فى صلاتي ، واهل أعيدها ؟ وماحكم الخروج معهم لهذا الأ ماكن ؟

الـجـواب : فـان جـمـاعـة الـتـبـلـيـغ لـيـس عـنـدهـم بصيرة فى مسائل العقيدة فلايجوز الـخـروج مـعـهـم الا لـمـن لـديـه عـلـم و بصيرة بالعقيدة الصحيحة التي عليها اهل السنة والجماعة حتى يرشدهم وينصحهم ويتعاون معهم على الخير ،

أمـا الـصـلاة فى المساجد التي فيها القبور فلا تصح و الواجب عليک اعادة ماصليت

فیھا۔

فتویٰ الشیخ العلامہ محمدبن ابراھیم آل الشیخ فی التحذیر من جماعۃ التبلیغ

تبلیغی جماعت کے متعلق علامہ محمد بن ابراہیم آل شیخؒ کا فتویٰ

من محمد بن ابراھیم الی حضرۃ صاحب السمو الملکی الأمیر خالد بن سعود رئیس الدیوان الملکی الموقر، السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتۃ، و بعد :

فقد تلقیت خطاب سموکم [رقم ۵/۴/۳۶ د فی۲۱/۱/۱۳۸۲ھ] وما برفقہ و ھو الالتماس المرفوع الی مقام حضرۃ صاحب الجلالۃ المک المعظم من محمد عبد الحامد القادری وشاہ احمد نورانی و عبدالسلام القادری و سعود احمد دھلوي حول طلبھم المساعدۃ فی مشروع جمعیتھم التي سموھا '' کلیۃ الدعوۃ و التبلیغ الاسلامیۃ '' و کذالک الکتیبات المرفوعۃ ضمن رسالتۃ وأعرض لسموکم ان ھذا الجمعیۃ لاخیر فیھا، فانھا جمعیۃ بدعۃ و ضلالۃ، و بقرأۃ الکتیبات المرفقۃ بخطابھم، وجدناھا تشتمل علی الضلال والبدعۃ والدعوۃ الی عبادۃ القبور والشرک، الأ مر الذی لایسع السکوت عنہ، ولذا فسنقوم ان شاء اللہ بالرد علیھا بما یکشف ضلالھا ویدفع باطلھا، و نسئال اللہ ان ینصر دینہ ویعلی کلمتہ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ [ص۔م ۴۰۵ فی ۲۹/ ۱/ ۱۳۸۲ھ]

فتویٰ الشیخ العلامۃ محدث محمدناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ

علامہ ناصر الدین البانی کا تبلیغی جماعت کے متعلق فتویٰ

جماعۃ التبلیغ لا تقوم علی منھج کتاب اللہ و سنۃ رسولہ علیہ السلام وماکان علیہ سلفنا الصالح، واذا کان الأمر کذلک، فلایجوز الخروج معھم، لأنہ ینافی منھجنا فی تبلیغنا لمنھج السلف الصالح۔

وھم أی جماعۃ التبلیغ لا یعنون بالدعوۃ الی الکتاب والسنۃ کمبدأ عام، بل انھم یعتبرون ھذہ الدعوۃ مفرقہ ولذلک فھم أشبہ مایکونون بجماعۃ الاخوان المسلمین، فھم یقولون ان دعوتھم قائمۃ علی الکتاب و السنۃ، ولکون ھذا مجرد کلام، فھم لاعقیدۃ تجمعھم، فھذا ماتریدی، وھذا أشعري، وھذا صوفی، وھذا لامذھب لہ۔

ذالک لأن دعوتھم قائمۃ علی مبدأ : کتل جمع ثم ثقف، والحقیقۃ انہ لاثقافۃ عندھم، فقد مر علیھم أکثر من نصف قرن من الزمان مانبغ فیھم عالم۔

وقد جرت بین الأخ سعد الحصین وبین رئیس جماعۃ التبلیغ فی الھند اورفی باکستان مراسلات، تبین منھا انھم یقرون التوسل والاستغاثۃ و أشیاء کثیرۃ من ھذا القبیل، ویطلبون من أفرادھم أن یبایعوا علی اربع طرق، منھا الطریقۃ النقشبندیۃ، فکل

تبليغي ينبغي أن يبايع على هذا الأساس ـ

فجماعة التبليغ ليس لهم منهج علمي ، وانما منهجهم حسب المكان الذى يوجدون فيه ، فهم يتلونون بكل لون ـ

[تراجع الفتاوىٰ الاماراتية للألبانى ـ س (٧٣) ص (٣٨)]

فتوىٰ الشيخ العلامة عبدالرزاق عفيفى عن جماعت التبليغ

تبلیغی جماعت کے متعلق علامہ عبدالرزاق عفیفیؒ کا فتویٰ

سئل الشيخ رحمة الله : عن خروج جماعة التبليغ لتذكير الناس بعظمة الله ؟

فقال الشيخ : الواقع انهم مبتدعة محرفون وأصحاب طرق قادرية و غيرهم ، و خروجهم ليس فى سبيل الله ، ولكنه فى سبيل الياس ، هم لايدعون الى الكتاب والسنة ولكن يدعون الى الياس شيخهم فى بنجلاديش ـ

أما الخروج بقصد الدعوة الى الله فهو خروج فى سبيل الله وليس هذا هو خروج جماعة التبليغ ـ

وأنا أعرف التبليغ من زمان قديم وهم المبتدعة فى أي مكان كانوا هم فى مصر ، و اسرائيل و أمريكا والسعودية ، وكلهم مرتبطون بشيخهم الياس ـ

[فتاوىٰ و رسائل سماحة الشيخ عبدالرزاق عفيفى (١٧٤/١)]

فتوىٰ الشيخ صالح بن فوزان الفوزان

شیخ صالح بن فوزان الفوزان کا خروج کے متعلق فتویٰ

الخروج فى سبيل الله ليس هو الخروج الذى يعنونه الأن ـ

الخروج فى سبيل الله هو الخروج للغزو ، أما ما يسمونه الأن بالخروج فهذا بدعة لم يرد عن السلف ، وخروج الانسان يدعو الى الله غير متقيد فى ايام معينة بل يدعو الى الله حسب امكانيته و مقدرته ، بدون أن يتقيد بجماعة او يتقيد بأربعين يوما او اقل او اكثر ـ

وكذلك ممايجب على الداعية ان يكون ذا علم لايجوز للانسان ان يدعو الى الله وهو جاهل ،قال الله تعالىٰ قل هذه سبيلي أدعو الى الله على بصيرة ـ

والخروج الذى يشغل عن طلب العلم أمر باطل لأن طلب العلم فريضة و هو لايحصل الا بالتعلم لا يحصل بالالهام ، هذا من خرافات الصوفية الضالة ، لأن العمل بدون علم ضلال ـ

والطمع بحصول العلم بدون تعلم وهم خاطئى ـ

[من كتاب ثلاث محاضرات فى العلم والدعوة]

حرف آخر

تبلیغی جماعت سے متعلق تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم چاہتے ہیں کہ خاص خاص نکات کا ایک بار پھر اعادہ کر دیا جائے تا کہ اگر کوئی ان تمام تفصیلی مباحث کو پڑھنے کے باوجود بھی یہ نہ سمجھ پایا ہو کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین نے جو جماعت تیار کی ہے اس میں اصل اور بنیادی غلطیاں کہاں کہاں ہیں اور کن وجوہات کی بنا پر تبلیغی جماعت دین کی تبلیغ کرنے کی اہلیت سے معذور ہے ان امور کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ تبلیغی جماعت کے لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مطلق تبلیغ فرض عین ہے حالانکہ تبلیغ کی دو قسمیں ہیں ایک تبلیغ خاص اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو کسی بھی طور ہم سے وابستہ ہوں یعنی ہمارے دوست احباب، عزیز واقارب وغیرہ تبلیغ کی یہ قسم فرض عین ہے اور دوسری تبلیغ عام اس میں ساری دنیا کے لوگ شامل ہیں اور یہ فرض کفایہ ہے یعنی چند لوگ بھی اگر اس کام کو کریں تو پوری امت پر سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین نے عوام الناس کو یہ باور کرایا ہے کہ تبلیغ عام فرض عین ہے پس یہ اس جماعت کی سب سے پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔

۲۔ تبلیغ عام کے لئے حصول علم بنیادی چیز ہے یعنی تبلیغ عام کی اہلیت کے لئے عالم ہونا شرط ہے اور بغیر علم کے تبلیغ عام ایسے ہی ہے جیسے کہ نا سمجھ بچے کے ہاتھ میں ہتھیار ہوتا ہے لیکن تبلیغی جماعت کے اکابرین نے تبلیغ کے لئے چن چن کر ایسے لوگوں کو لیا جو علم سے قطعی بے بہرہ تھے اور یہی نہیں بلکہ ان لوگوں کو عملی طور پر علم سے دور رکھنے کے لئے خصوصی انتظامات بھی کئے جیسا کہ تبلیغی نصاب کی تلاوت کو لازمی قرار دینا اور چلے، سہ روزے اور گشت کے معمولات کو تبلیغ کی شرط قرار دینا تا کہ اپنے مخصوص مقاصد کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکے پس علم قرآن وحدیث سے بیزاری اس جماعت کی بدنصیبی ہے۔

۳۔ اسلام کی تبلیغ کے لئے صحیح عقائد کا علم اور ان پر ایمان ہونا ایک شرط کی حیثیت رکھتا ہے مگر تبلیغی جماعت کی یہ بدنصیبی ہے کہ اس جماعت میں شامل لاکھوں افراد میں سے شاید ایک فی صد بھی ایسے لوگ نہیں ہیں جن کو صحیح اسلامی عقائد کا علم اور ان پر ایمان ہو کیونکہ عام طور پر جو جہلاء مبلغین ہیں وہ تو جانتے ہی نہیں عقائد کس چڑیا کا نام ہے اور جو اکابرین ہیں وہ عقائد کو جانتے ہیں مگر تقلید کے پھندے میں پھنسے ہونے کی وجہ سے صحیح عقائد پر ایمان لانے کی توفیق سے محروم ہیں پس تبلیغ دین کے لئے صحیح اسلامی عقائد کا علم اور ایمان ہونا بھی بنیادی شرط کے درجہ میں ہے۔

۴۔ تبلیغ کا مرکز اور محور عقائد اور احکامات ہونا چاہئیں کیونکہ ان ہی پر دین اسلام کی بنیاد ہے اور یہی انبیاء کرام کی سنت بھی ہے لیکن تبلیغی جماعت نے اپنی تبلیغ کا محور فضائل کو بنایا ہے جسکی وجہ سے لوگ تبلیغی جماعت کی طرف با آسانی مائل ہو جاتے ہیں لیکن اسکا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ تبلیغی جماعت میں کسی غلط عقیدے کے ساتھ داخل ہوتے ہیں وہ مرتے دم تک اپنے اسی غلط عقیدہ پر قائم رہتے ہیں ایسی صورت میں کیا ممکن ہے کہ اس شخص کی نجات محض روزہ نماز اور تبلیغ کی وجہ سے ہو جائے پس تبلیغ دین درحقیقت عقائد کی تبلیغ کا نام ہے اور جو لوگ بھی عقائد کی تبلیغ کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی تبلیغ کرتے ہیں اسے اس چیز کی تبلیغ کہا جائے گا اسلام کی تبلیغ نہیں۔

☆وما علینا الا البلاغ☆